اورینٹل کالج میگزین

جلد ۵۷ : ۲ — اقبال نمبر — شمارۂ مسلسل ۲۲۵

مدیر :

ڈاکٹر وحید قریشی

پرنسپل

یونیورسٹی اورینٹل کالج ، لاہور

پاکستان

مدیر : ڈاکٹر وحید قریشی

ناشر : ڈاکٹر محمد بشیر حسین

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۳۹- چیمبرلین روڈ ۔ لاہور

تعداد اشاعت : ۵۰۰

قیمت فی شمارہ : ~~[illegible]~~ ۸ روپے

چندہ سالانہ : ۳۰ روپے

شمارۂ خاص (اقبال نمبر) ۱۵ روپے

۱۹۸۱ء

فہرست مضامین

اداریہ

۱- پچھلے شمارے پر غلطی سے جلد ۵۶ درج ہو گیا تھا۔ قارئین کرام تصحیح فرما لیں سابقہ شمارہ جلد ۵۷ اور شمارہ ۱ تھا۔

۲- اس شمارے میں تبصروں کا حصہ بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

مدیر

جگن ناتھ آزاد*

اقبال کا تصور زماں**

اقبال نے اپنے فلسفیانہ نظریات میں جو اہمیت تصور زمان و مکان کو دی ہے وہ شاید اپنے کسی اور نظریے کو نہیں دی ۔ بادی النظر میں یہ بات قدرے عجیب معلوم ہوتی ہے کیونکہ عام طور سے اقبال کے فلسفیانہ نظریات کا خیال آتے ہی سب سے پہلے ان کا نظریۂ خودی سامنے آتا ہے اس کے بعد بعض اور نظریات مثلاً نظریۂ عمل ، نظریۂ انسان ، نظریۂ عقل و عشق ، نظریۂ فن ، نظریۂ خیر و شر ، نظریۂ تہذیب ، نظریۂ سیاست اور نظریۂ تعلیم وغیرہ ۔ اقبال نے ان تمام نظریات کے متعلق اپنی نظم اور نثر میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن نظریۂ زماں کی اہمیت ان کی نظر میں اس قدر زیادہ ہے کہ اسے انھوں نے ملت اسلامیہ کے لیے زندگی اور موت کا سوال قرار دیا ہے ۔ اپنی انگریزی کتاب The Reconstruction of Religious Thought in Islam میں لکھتے ہیں :

"دوسری طرف جہاں تک مسلم کلچر کی تاریخ کا تعلق ہے ، ہم دیکھتے ہیں کہ ادراک محض ہو یا مذہبی نفسیات جس سے میری مراد رفیع تر تصوف ہے دونوں میں تنزیل یا الہام کے ذریعے سے جو نصب العین سامنے آتا ہے وہ ہے ذات لا محدود کو اپنانے اور اس سے لذت اندوزی اور استفادے کا نصب العین ۔ اس طرح کا رویہ رکھنے والے کلچر کے لیے زمان و مکان کا مسئلہ زندگی اور موت کا سوال بن جاتا ہے"۔

زمان و مکان مختلف فلسفیوں کی نظر میں

لیکن اس سے پہلے کہ اقبال کے نظریۂ زمان و مکان کو موضوع بحث بنایا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمان و مکان کے ان نظریات کا ایک ہلکا سا ذکر کر دیا جائے جو دنیائے فلسفہ میں ایک زمانے سے مسلمات کی صورت اختیار کیے چلے آ رہے ہیں ۔

فلسفے کی بنیاد انسان کی ذہنی کیفیت اضطراب پر ہے ۔ یہ کیفیت اضطراب دو سوالوں "کیوں" اور "کیسے" کی صورت میں نمودار ہوئی ۔ ان سوالوں کے

* پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ، جموں یونیورسٹی ۔

** شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی میں یہ توسیعی لیکچر ۱۹۸۰ء میں دیا گیا تھا ۔

جواب کی تلاش ایک طرف فلسفہ اور دوسری طرف سائنس کی صورت میں ہمارے سامنے آئی[1] ۔

جہاں تک فلسفے کا تعلق ہے اس سوال نے ایک زمانے میں بڑا زور باندھا کہ معلومات اور وقوف کی بنیاد کہاں ہے ۔ اس ضمن میں مختلف فلسفیوں نے اپنے اپنے نظریات پیش کیے اور اشیاء اور تصورات کی مختلف فہرستیں پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان فہرستوں میں مذکورہ اشیاء اور تصورات ہی معلومات اور وقوف کی بنیادی اقسام ہیں ۔

ارسطو نے اپنی فہرست میں دس مرئی اور غیر مرئی نام گنوائے ہیں اور وہ یہ ہیں :

جوہر[2] ، کمیت[3] ، خاصیت[4] ، علاقہ یا نسبت[5] (اضافی طور پر) کہاں (یعنی مکان) کب (یعنی زمان یا وقت) ۔ حالت[6] ، تصرف[7] ، عمل[8] اور جوش یا ولولہ[9] ۔ کانٹ نے کمیت ، خاصیت ، علاقہ (یا نسبت) اور نہج (یا طریقہ)[10] کے چار عنوان قائم کر کے ان کے نیچے بارہ اشیاء اور تصورات کی فہرست دی ہے ۔ ہیگل نے اس ضمن میں ستر اشیاء اور تصورات کی فہرست مرتب کی ہے اور شوپن ہائر نے ان تمام تصورات اور اشیاء کو سمیٹ کر صرف ایک ہی لفظ بنیاد معلومات[11] کے طور پر پیش کر دیا ہے اور وہ ہے تعلیل[12] ۔

۱- The R C O R.T I I. (Pp 132)

۲- جوہر ، Substance ۔ یعنی وہ چیز جو اشیاء کی اصل ہے اور اعراض کو دور کرنے کے بعد باقی رہ جاتی ہے ۔ جوہر کی یہ تعریف ما بعد الطبیعات کے نقطہ نظر سے ہے ۔ لغت کی رو سے اس کے معنی ''حقیقت'' اور ''اصل مدعا'' کے بھی ہو سکتے ہیں ۔

۳- کمیت یا کم Quantity یعنی کسی شے کی تعداد جس کا اندازہ کسی قسم کے پیمانے سے کیا جا سکے ۔

۴- Quality -

۵- Relation -

۶- Position -

۷- Possession -

۸- Action -

۹- Passion -

۱۰- Modelity -

۱۱- Fundamental Catagaries of Knowledge -

۱۲- Causality -

ان تمام نظریاتی اختلاف کے باوجود اکثر و بیشتر فلسفی اس بات پر متفق ہیں کہ جہاں تک معلومات یعنی فلسفیانہ علم کا تعلق ہے مکان، زمان (یعنی وقت) جوہر (یعنی اصل اشیاء) اور تعلیل اس کی بنیادی مسلمات ہیں۔ جب بھی ہم کسی چیز کا خیال کرتے ہیں تو وہ خیال اپنے ساتھ یہ تصور لے کر آتا ہے کہ یہ ایک جوہر ہے، کسی نہ کسی جگہ پر (یعنی Space مکان میں ہے) اور اس کی موجودگی کا کوئی نہ کوئی وقت بھی ہے۔ ساتھ ہی ہم اس بات سے بھی خالی الذہن نہیں ہوتے کہ یہ جوہر اپنے ارد گرد کے ماحول سے کسی نہ کسی طرح سے اثر انداز بھی ہو رہا ہے۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال نفسیاتی[1] اور علمیاتی[2] نوعیت کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم ان بنیادی تصورات کا ادراک کس طرح سے کرتے ہیں اور دوسرے کا تعلق علم الوجود اور ماہیت اشیاء[3] سے ہے یعنی یہ کہ ان اشیاء اور تصورات کی اصل اور حقیقت کیا ہے۔ یہاں ہم ان دو سوالوں کی روشنی میں ان چاروں اقسام معلومات (مکان، زمان، جوہر اور تعلیل) پر مختصر بحث کریں گے۔ جوہر اور تعلیل کے بارے میں دو ایک لفظ کہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ زمان و مکان پر بات چیت جوہر اور تعلیل کو نظر انداز کر کے ممکن نہیں۔

جوہر اور تعلیل

فلسفے میں جوہر اسے کہتے ہیں جو تبدیلیوں کے درمیان غیر متبدل طور پر قائم رہے — تبدیلیوں کی خواہ کوئی بھی باعث ہو جوہر بنیادی طور پر ان تبدیلیوں سے جو تسلسل وقت (یا تواتر زمان) کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی رہتی ہیں بے نیاز رہتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ جوہر ان تمام تبدیلیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رکھتا ہے اور ان میں ایک تسلسل، تعلق اور اتحاد برقرار رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ گویا جوہر وہ بنیادی حقیقت ہے جو متواتر تبدیلیوں میں اور متواتر تبدیلیوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے لیکن ان بے شمار تبدیلیوں سے اثر پذیر نہیں ہوتا اور ایک «مستقل ہستی» کے طور پر قائم رہتا ہے۔

جوہر کو بے شمار تبدیلیوں کے درمیان ایک «مستقل ہستی» تسلیم کرنے کے بعد مفکرین اس ضمن میں ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب جوہر کو ہم متواتر تبدیلیوں کے درمیان ایک غیر متبدل اور مستقل ہستی تسلیم

۱- Psychological -

۲- Epistimological -

۳- Outological -

کر لیتے ہیں تو اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جوہر سرگرمی قوت اور عمل و حرکت کا ایک مرکز بھی ہے کیونکہ جوہر کا استقلال خود امدادی اور خود حفاظتی کے لیے ایک ایسی کاوش کی غمازی کرتا ہے جو بیرونی قوتوں کی بھرپور مدافعت کرتی ہے اور انہیں جوہر پر اثر انداز نہیں ہونے دیتی۔ گویا دراصل جوہر ہی ان پر غالب رہتا ہے۔

تعلیل کے بارے میں عام نظریہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی طاقت ہے جو نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ طبعی سائنس اس نظریے پر اضافہ کرتی ہے اور علیل کی تشریح «دوام توانائی»[1] کے اصول کی روشنی میں کرتی ہے۔ «دوام توانائی» سے مراد یہ ہے کہ کائنات میں قوت کی کل تعداد ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ یہ صرف اپنی صورتیں بدلتی رہتی ہے اور ایک طرح کی قوت اپنی مقدار میں کمی کیے بغیر دوسری قسم کی قوت میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسے سائنس دان گرمی کو (جو ایک قسم کی قوت ہے) روشنی میں (جو دوسری قسم کی قوت ہے) تبدیل کر لیتے ہیں۔ گویا علت یا تعلیل (ایک قسم کی قوت) اگرچہ باعتبار خاصیت[2] اپنے نتیجے (دوسری قسم کی قوت) سے مختلف ہے لیکن باعتبار کمیت[3] یہ اس کے برابر ہے۔ گویا فزیکل یا طبعی سائنس ہر تعلیل کو محض تبدیلی یا قوت کی تقسیم نو کی صورت میں دیکھتی ہے۔

تعلیل اقبال کی نظر میں

ہیوم کہتا ہے کہ تعلیل واقعات کی ترتیب میں یکسانیت اور یک رنگی کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ قضیہ شرطیہ کا وہ حصہ ہے جس پر دوسرا حصہ منحصر ہے چنانچہ وہ دن کو رات کی تعلیل اور رات کو دن کی تعلیل کہتا ہے۔ اس ضمن میں جان اسٹوارٹ مل بھی ہیوم ہی کا ہم خیال ہے اور کہتا ہے کہ تعلیل واقعات کا غیر مشروط اور غیر متغیر سابقہ ہے لیکن اقبال کا نظریہ اس ضمن میں مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تعلیل اور اس کا نتیجہ اس میں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں کہ تعلیل نتیجے سے قبل ظہور پذیر ہوتی ہے یعنی اگر تعلیل نہیں ہے تو نتیجہ بھی نہیں ہے۔ اگر ریاضی کا وقت زمان تسلسل ہے تو پھر اس تھیوری کی بنیاد پر یہ ممکن ہے کہ «ناظر» یا «شاہد» اور اس نظام کی (جس میں واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں) حرکت و رفتار پر محتاط اور گہری نظر ڈالی جائے تو نتیجہ تعلیل سے پہلے ہی نظر آنے لگے»[4]۔ اس کے ساتھ ہی اقبال یہ کہتے ہیں: «میں یہ محسوس

۱- Conservation of Energy -

۲- Qualitatively -

۳- Quantitatively -

۴- The R.C O.R.T I.I. (Page 39) -

کرتا ہوں کہ وقت کو اگر یا زمان و مکان کا چوتھا بعد تصور کر لیا جائے تو پھر وہ وقت نہیں رہتا۔[1]

مکان کی ماہیت :

اس ضمن میں سب سے پہلا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے یہ ہے کہ مکان (Space)[2] کیا ہے ۔ اس لفظ کی جو تعریفیں مختلف فلسفیوں نے کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

۱۔ مکان لا محدود ہے ۔ نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا ۔ یہ تجسیم کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور تجسیم کے بغیر بھی یعنی مکان پیکر بھی ہو سکتا ہے اور یہ لامحدود حصوں میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے ۔

۲۔ اس کے باوجود یہ اپنے اجزاء سے مل کر ہی بنا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ محدود اجزاء کا ایک مجموعہ ہے ۔ کیونکہ محدود اجزاء خواہ کتنی تعداد ہی میں کیوں نہ ہوں نتیجتاً ایک محدود مقدار ہی میں ظاہر ہوتے ہیں خواہ وہ محدود مقدار کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ۔ اس لیے یہ ''اجزاء کا مجموعہ'' نہیں بلکہ ایک ''کل'' ہے ۔

۳۔ مکان تین ابعاد پر مشتمل ہے ۔ طول ، عرض ، گہرائی یا فاصلہ ۔ ایک خط یا لکیر کی مکانیت میں صرف طول ہی طول ہے ۔ سطحی مکانیت طول اور عرض پر مشتمل ہے اور ٹھوس مکانیت میں طول بھی ہے عرض بھی اور گہرائی یا فاصلہ بھی ۔

۴۔ مکان کی اہم ترین اور اسے ممیز کرنے والی (differentiating) خصوصیت ہم وجودیت ہے ۔ مکان (Space) کے اندر تمام نقطے ، خطوط ، نقوش اور اشیاء ہم وجودیت کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ موجود رہتے ہیں ۔

۱۔ The R. C. O. R. T. I. I. p 39

۲۔ Space ایک فلسفیانہ اصطلاح ہونے کے ساتھ ہی ساتھ سائنسی اصطلاح بھی ہے ۔ فلسفیانہ مباحث کے سلسلے میں اس کا ترجمہ ہم مکان کرتے ہیں ۔ سائنسی مباحث کے سلسلے میں اس کا ترجمہ ''خلا'' ہے ۔ اس کے چاروں طرف جہاں تک کرۂ ہوائی اور اس کے ساتھ کشش ثقل موجود ہے اسے Inner Space اور کشش ثقل کے اثر سے باہر کے خلا کو Outer Space کہتے ہیں ۔ لیکن فلسفیانہ مباحث میں Space کا مفہوم مختلف ہے ۔ بلکہ Space جیسا کہ متن کی بحث میں واضح کیا جا رہا ہے مجسم بھی ہو سکتی ہے اور غیر مجسم بھی ۔ فلسفے میں اس کا تضاد Non-Space ہے جسے اُردو میں لامکاں کہتے ہیں ۔ لامکاں اسم فاعل بھی ہے اور اس صورت میں اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے ۔

مکان ، بطور ایک معروضی حقیقت

مکان کے متعلق ایک عام نظریہ یہ ہے کہ یہ ایک معروضی حقیقت ہے جو نفس انسانی سے بے نیاز ہے اور نفس انسانی سے باہر موجود ہے - یہ ایک خالی ظرف ہے جس میں تمام اشیاء سما گئی ہیں - مکان اور مادی شے کا آپس میں وہی تعلق ہے جو ظرف کا مظروف کے ساتھ ہوتا ہے - نیوٹن نے اس نظریے کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے -

اس کے خلاف ڈیکارٹ مکان کو معروضی حقیقت نہیں مانتا بلکہ اس کے نزدیک مکان مادے کی ایک صفت ہے - مکان کو وہ مادے کا جوہر قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ مادہ بغیر توسیع کے اور توسیع بغیر مادے (خلا) کے ممکن نہیں - کسی شے کے مادی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قابل توسیع ہے - مادہ بغیر توسیع کے ہو یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں -

اسپنوزا بھی مکان یا توسیع کو ایک صفت مانتا ہے لیکن مادے کی نہیں بلکہ ڈیکارٹ کے نظریے کے خلاف وہ اسے ذات باری تعالیٰ کی لامحدود صفات میں سے ایک صفت کہتا ہے -

مکان بطور ایک موضوعی حقیقت

ڈیکارٹ کی طرح لبنٹز بھی مکان کو معروضی حقیقت تسلیم نہیں کرتا لیکن اس کا اعتراض دوسری نوعیت کا ہے - وہ یہ کہتا ہے کہ کسی شے کا نفس انسانی سے لاتعلق ہو کر موجود ہونا ناممکنات میں سے ہے اس لیے مکان کو ایک آزاد اور ماورائے نفس انسانی حقیقت نہیں تسلیم کیا جا سکتا - چنانچہ وہ مکان کو معروضی حقیقت نہیں مانتا بلکہ کہتا ہے کہ انسان جوہر واحد (Monad) کی ترتیب کو صحیح طور سے نہیں سمجھ سکا - اس ترتیب کو سمجھنے کی کوشش میں اس کے ادراک اور احساس میں ایک ژولیدگی آ گئی ہے اور احساس و ادراک کی یہی ژولیدگی ہی مکان ہے - لبنٹز کے نزدیک جوہر واحد جو کائنات یا عالم امکان کے قطعی اجزا ہیں غیر وسیع شدہ روحانی ذرات ہیں - مکان ایک حقیقت نہیں ہے بلکہ جوہر واحد یا وجود کی اکائی کی ہم وجودیت کا ایک ایسا غیر معمولی اظہار ہے جو ہماری فطرت کی جبلی پابندی (محدودیت) کے باعث ہمیں دکھائی دیتا ہے -

اصول تجربہ کے حامی فلسفی[1] مثلاً برکلے ، ہیوم اور مل یہ کہتے ہیں کہ مکان محض ایک تجریدی تصور ہے - اور یہ ہم وجودیت کے ان خیالات پر مبنی ہے جو

۱- اصول تجربہ کے حامی فلسفی نظری یا استدلالی فلسفی کے تضاد کے طور پر Empiricists آیا ہے -

احساس لمس سے ماخوذ ہیں۔ مکانیت کے خالی ہونے کا تصور بے رکاوٹ حرکت کی حس سے ماخوذ ہے اور مکانیت کے پر ہونے کا محدود حرکت کے احساسِ لمس پر مبنی ہے۔

کانٹ نے اس سلسلے میں ایک مختلف ہی بات کہی ہے۔ اس کے نظریے کی رو سے مکان نہ ہی ایک معروضی حقیقت ہے اور نہ ہی یہ متحرک تجربے یعنی واردات تصرف پر مبنی تجریدی تصور ہے۔ ان کا اصول تجربہ سے کوئی تعلق نہیں۔ حرکت کے بنیادی خیال اور ہم وجودیت کے اندر ہی تصورِ مکان پوشیدہ ہے اس لیے مکان نفس کا ایک تصور ہے جو قیاس قبل از وقوع ہے۔ یہ احساس مکان کی ایک صورت ہے اور اشیا کو ایک دوسرے کے ساتھ اُن کی باہمی سطحیت کے اندر پیش کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

کانٹ کے نزدیک حرکت مکان کی تاویل نہیں کرتی بلکہ مکان حرکت کی تاویل کرتا ہے۔

مکان معروضی حقیقت بھی ہے اور موضوعی حقیقت بھی

ہیگل کے نزدیک مکان محض محدود اور غیر مطلق نفس کی ایک قیاس قبل از وقوع کی صورت نہیں ہے بلکہ نفس ربانی کا ایک پرتو بھی ہے جس کا معروضی اظہار عالم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ خدا نے کائنات کا تصور مکان کی صورت کے مطابق ہی کیا ہے۔ انفس انسانی خدا ہی کی غیر مطلق تخلیقات ہیں اسی لیے نفس غیر مطلق بھی کائنات کی تاویل مکان ہی کی صورت کے مطابق کرتا ہے لہذا نفس غیر مطلق کے اندر مکان محض ایک موضوعی وجود ہی نہیں رکھتا بلکہ عالم طبیعی کے اندر ایک معروضی وجود بھی رکھتا ہے۔ اشیاء عالم طبیعی کے اندر ایک دوسرے سے بیگانہ ہو کے برقرار رہتی ہیں۔ اشیاء کی یہ باہمی سطحیت شعور ربّانی کے تصور کو جنم دیتی ہے۔ یہ تصور مختلف اشیاء میں ایک باہمی رشتہ قائم کرتا ہے، انھیں ایک دوسرے سے ممیز کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ انھیں ایک ہمہ گیر وحدت عطا کرتا ہے۔

زمان اور اُس کی ماہیت

مکان کا تصور زمان کے بغیر اور زمان کا تصور مکان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے نظریۂ زمان پر بات چیت شروع کرنے سے قبل زمان کی بھی بعض خصوصیات پیش کر دی جائیں اور اس ضمن

میں جو کچھ مغربی مفکرین کہتے چلے آئے ہیں اس کا ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا جائے۔

زمان کے متعلق عام نظریات یہ ہیں : زمان دونوں جانب غیر محدود ہے یعنی ابتدا اور انتہا کی قید سے آزاد ہے نہ اس کا کوئی آغاز نہ انجام ۔ خود غیر محدود ہونے کے باوجود یہ غیر محدود طور پر قابل تقسیم بھی ہے ورنہ ہم اسے مختلف حصوں یعنی لمحات میں تقسیم نہ کر سکتے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ زماں یا وقت مختلف لمحوں کے آپس میں ملنے سے عمل میں آیا ہے ۔ لمحے چاہے تعداد میں کتنے ہی کیوں نہ ہوں اُن کا محدود ہونا یقینی ہے اور محدود اشیاء تعداد میں کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائیں وہ لامحدود یعنی ابتدا اور انتہا کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتیں اس لیے زماں ایک کل واحد ہے جس میں مختلف خصوصیات رکھنے والے اوقات برآمد کیے جا سکتے ہیں ۔

وقت کا صرف ایک ہی بُعد ہوتا ہے ۔ حقیقت مادہ کے قائل اور حقیقت ذات کے قائل ، ان دونوں کے نزدیک زمان یا وقت نفس انسانی سے آزاد ایک معروضی حقیقت ہے اور عالم طبیعی کے متواتر واقعات کا حاصل ہے ۔

اصول تجربہ کے حامی کہتے ہیں کہ زمان ایک آزاد معروضی حقیقت نہیں ہے بلکہ محض نفس کا ایک قیاس ہے جو تسلسل واقعات کے تصور سے پیدا ہوتا ہے ۔ یہ تسلسل کی محض ایک موضوعی صورت ہے ۔

کانٹ زمان کو ایک معروضی حقیقت نہیں مانتا اور اسے ایک ایسا تجریدی تصور تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں جو تسلسل واقعات سے ظہور پذیر ہوتا ہو ۔ اس کے نزدیک زمان کا تصور تسلسل واقعات کے تصور سے اخذ نہیں کیا جا سکتا اور سبب اس کا وہ یہ بتاتا ہے کہ تواتر کا تجربہ یعنی پہلے اور بعد کی ترتیب میں واقعات کا ادراک زمان کے تصور کو پہلے ہی فرض کر لیتا ہے ، چنانچہ زمان کا تصور نہ ہی تجربے سے ماخوذ اور نہ ہی تجربے سے بعد کا تصور ہے ۔ بلکہ یہ ہر تجربے سے پہلے وقوع پذیر ہوتا ہے ۔ یہ در اصل احساس کے قیاس قبل از وقوع کی صورت ہے ۔

ہیگل کہتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ زمان انسانی نفس کے قیاس قبل از وقوع ہی کی ایک صورت ہے لیکن یہ انسانی نفس کے قیاس قبل از وقوع کی ایک صورت محض اسی لیے ہے کہ یہ نفس ربانی کا ایک پرتو ہے اور عالم خارجی اسی نفس ربانی کا ایک معروضی اظہار ہے ۔ چنانچہ زماں موضوعی اعتبار سے صرف نفس انسانی ہی میں موجود نہیں ہے بلکہ معروضی انداز سے عالم طبیعی میں بھی موجود ہے ۔

ہربرٹ اسپنسر اس بات کا قائل ہے کہ اگرچہ تصور زمان ہم نے اپنے اجداد سے میراث میں پایا ہے لیکن اب وہ ہم میں فطری اور جبلی صورت اختیار کر چکا ہے اور ہمارے لیے قیاس قبل از وقوع کی حیثیت رکھتا ہے۔

مکان ۔ زمان

اوپر بیان کیے ہوئے نظریات میں ایک انقلاب اس وقت آیا جب آئن اسٹائن نے زمان اور مکاں میں حد فاصل سے انکار کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات چار ابعاد پر مشتمل «مکاں ۔ زماں» کی ایک ترتیب ہے جس میں مکاں زماں سے الگ نہیں اور زماں مکاں سے الگ نہیں ۔ آئن اسٹائن کے اس نظریے کا اس کے ایک ہم عصر فلسفی سیموئل الیگزینڈر نے خاصا اثر قبول کیا اور اس نے بھرپور انداز سے یہ نظریہ پیش کیا کہ ساری کائنات «زماں ۔ مکاں» ہی کی تخلیق ہے اور «زماں ۔ مکاں» غیر قانونی جوہر یا قطعی حقیقت ہے ۔ مادی جوہر (Physical Substance) زماں مکاں کی پیچیدگی سے ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ زندگی مادی جوہر سے رو نما ہوتی ہے اور نفس زندگی سے نمودار ہوتا ہے ۔

اقبال آئن اسٹائن کے نظریے سے کہاں تک متفق ہیں اور کہاں تک غیر متفق ہیں اور انھوں نے اس نظریے پر کیا تنقید کی ہے ۔ اقبال کے نظریہ زماں و مکاں کی بحث میں ایک بڑا اہم سوال ہے اور اس کا ذکر آئندہ سطور میں اپنے مقام پر آئے گا ۔ یہاں آئن اسٹائن کے «زماں ۔ مکاں» کے نظریے سے متعلق اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریے کے ماننے والوں کے نزدیک تین ابعاد صرف ایک ساکن جامد اور تبدیل نہ ہونے والی کائنات کے لیے کافی ہیں ۔ جونہی کائنات میں حرکت کا عنصر ہم داخل کرتے ہیں تو کسی بھی چیز کا صحیح مقام دریافت کرنے کے لیے پیائش زماں سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے ۔ اس صورت میں زماں مکاں ہی کا ایک بعد بن جاتا ہے — چوتھا بعد ۔

وقت کا طول و اختصار

’زیادہ وقت‘ اور ’کم وقت‘ ہمارے لیے روز مرہ کے استعمال کے الفاظ ہیں لیکن شاید ہم نے اس مسئلے پر کبھی غور نہیں کیا کہ زیادہ وقت یا طویل وقت کتنا طویل ہو سکتا ہے اور کم وقت یا مختصر وقت کتنا مختصر ہو سکتا ہے ۔ مختصر وقت حالات کے پیش نظر ہے وہی وقت جو ایک فرد کے لیے طویل ہے دوسرے کے لیے

مختصر ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ یکساں وقت ایک ہی شخص کے لیے مختلف حالات میں مختلف کیفیات کا حامل ہو۔

۱۹۰۵ء میں البرٹ آئن اسٹائن نے اس نظریے کو نظریہ' اضافیت کہہ کہ پیش کیا۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ سیموئیل الیگزینڈر کے سوا کسی نے اسے در خور اعتنا نہ سمجھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس نظریے کی اہمیت بڑھتی چلی گئی۔ فزکس نے اس نظریے کو کئی بار اور کئی طریقوں سے آزمایا ہے اور اب صورت یہ ہے کہ فزکس کو اس نظریے کی صداقت میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے اور یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ زمان کے اندر سفر اسی طرح ممکن ہے جس طرح مکان کے اندر۔ جس تیزی سے ہم مکان کے اندر سفر کر سکتے ہیں اسی تیزی کے ساتھ زمان میں بھی سفر کرتے ہیں لیکن یہ سفر صرف آگے کو ممکن ہے پیچھے کو نہیں۔ یہ ایک یک طرفہ سفر ہے۔ بقول آئزک آئیسمبرڈ «ایک بار ہمارا مسافر اگر تیس برس یا ایک کروڑ برس اپنے سفر میں آگے نکل گیا ہے تو اس کے لیے واپسی قطعاً ناممکن ہے۔ یہ سفر صرف مستقبل ہی میں ممکن ہے ماضی میں ممکن نہیں»۔

اقبال کی نظم و نثر میں تصور زمان

جرمن سائنس دان آئن اسٹائن نے جب یہ نظریہ پیش کیا[۱] تو اقبال بھی اس زمانے میں جرمنی میں تھے اور میونخ یونیورسٹی کے لیے (Development of Metaphysics in Persia) (ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء) کے عنوان سے پہلے مقالے کی ابتدا کر چکے تھے۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ آئن اسٹائن بھی جو قریب قریب اقبال ہی کا ہم عمر[۲] تھا چند سال قبل اسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے نکلا تھا۔ لیکن اس کے

۱- حکیم آئن اسٹائن نے نظریہ اضافیت سب سے پہلے ۱۹۰۵ء میں دنیا کے سامنے رکھا۔ اس کے بعد اس نظریے کو ۱۹۱۵ء میں دوبارہ مرتب کرکے اکیڈیمی آف سائنسز برلن کے سامنے پیش کیا اور تیسری بار اسے اور پختہ بنیادوں پر مزید وضاحت اور اطمینان بخش شواہد کے ساتھ جب منظر عام پر لایا تو نوبل پرائز کا مستحق قرار پایا۔

۲- پیدائش ۱۸۷۹ء۔

باوجود اقبال اور آئن اسٹائن کی ملاقات کا کہیں ذکر نہیں ملتا - ہاں «پیام مشرق» میں آئن اسٹائن کے متعلق اقبال کے اشعار[1] اور ان اشعار کے نیچے اقبال کا یہ نوٹ:
«آئن اسٹائن جرمنی کا مشہور ماہر اقتصادیات جس نے حال میں نظریہ' اضافیت کا حیرت انگیز انکشاف کیا ہے» اس نظریے کے ساتھ اقبال کی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان اشعار سے اقبال کا اپنا نظریہ' پوری طرح واضح نہیں ہوتا کیونکہ ایک تو بنیادی طور پر آئن اسٹائن کا نظریہ' اضافیت آسانی سے سمجھ میں آنے والے نظریہ' نہیں ہے - اس کے لیے ریاضی اور طبیعات (فزکس) سے واقفیت ضروری ہے دوسرا اقبال نے اسے اسرار اور رموز کے انداز میں پیش کرکے ایک مشکل بات کو مشکل‌تر بنا دیا ہے لیکن «پیام مشرق» کے سات برس بعد Reconstruction of Religious Thought) (in Islam میں اقبال نے اس نظریے پر مقابلہ کھل کے بحث کی ہے اور چونکہ وہ بحث نثر میں ہے اس لیے مذکورہ نظم کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے -

یہاں ابتدا ہی میں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کا نظریہ' زمان و مکان اول سے آخر تک ایک ہی صورت میں ہمارے سامنے نہیں آیا بلکہ اقبال کے بعض اور نظریات مثلاً نظریہ' حب وطن اور نظریہ' تصوف کی طرح ہمیشہ ارتقا پذیر رہا ہے - اقبال کے مختلف نظریات کی ارتقا پذیری کا سبب اُن کی وہ کشادہ دلی اور وسعت نظری ہے جس نے ان سے اُن کی مذکورہ انگریزی تصنیف «تشکیل جدید الہیات» کے دیباچے میں اُن سے یہ الفاظ کہلوائے کہ فلسفے کی دنیا میں قطعیت نام کی کوئی

۱- جلوۂ می خواست مانند کلیم نا صبور
تا ضمیر مستنیز او کشود اسرار نور
از فراز آسمان تا چشم آدم یک نفس
زود پروازے کہ پروازش نیاید در شعور
خلوت او در زغال تیرہ فام اندر مغاک
جلوتش سوزد درختے را چوخس بالائے طور
بے تغیر در طلسم چون و چند و بیش و کم
برتر از پست و بلند و دیر زود و نزد و دور
در نہادش تار و شید و سوز و ساز و مرگ و زیست
اہرمن از سوز او وز ساز او جبریل و حور
من چہ گویم از مقام آں حکیم نکتہ سنج
کردہ زردشتے ز نسل موسی و ہارون ظہور

چیز نہیں ہے ۔ جوں جوں علم ترقی کرتا جائے گا اور فکر و فلسفہ کی نئی دنیائیں ہمارے سامنے آتی جائیں گی۔ نئے خیالات کا جو غالباً میری اس زیر نظر کتاب میں بیان کیے ہوئے خیالات سے زیادہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہوں گے سامنے آنے کا پورا امکان موجود ہے ۔ اس کے ساتھ اقبال یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم پوری احتیاط کے ساتھ فکر انسانی کے ارتقاء کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں اور اس کی جانب ایک آزاد ، نقادانہ رویہ اختیار کریں ۔

اسی کتاب میں اقبال ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ انسانی ذہن ہمیشہ بدلتا ہے اور ارتقا پذیر رہتا ہے - ہاں پتھر نہیں بدلتا اور انسانی ذہن پتھر نہیں ہے -

ان اقتباسات سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اقبال کے کسی بھی نظریے کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اقبال کے فلسفیانہ نظریات جامد اور غیر متغیر نظریات نہیں تھے بلکہ ان میں مطالعے اور مشاہدے کے پیش نظر تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں ، حب اسلام اور عشق رسول کی بات دوسری ہے ، یہ فلسفیانہ نظریات نہیں ہیں ۔ بلکہ ایسے مذہبی افکار و عقائد ہیں جن کے آغوش میں اقبال نے آنکھ کھولی اور ان میں کسی قسم کی نظریاتی تبدیلی ڈھونڈنا اسی طرح غلط اندیشی کا باعث بن سکتا ہے جس طرح فلسفیانہ نظریات میں تبدیلی کے عناصر سے انکار کرنا ۔ حب اسلام کے بارے میں تو اقبال کا یہ شعر ان کی ساری زندگی کی تصویر پیش کرتا ہے :

به مصطفےٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

لیکن فلسفے کا جہاں تک تعلق ہے کوئی ایسا بندھا ٹکا نظریہ پیش کرنا دشوار ہے جو ان کی ساری مفکرانہ زندگی کا احاطہ کرتا ہو ۔ اقبال کے یہاں فلسفیانہ افکار کی اس تبدیلی کو بعض نقادوں نے تضاد سے تعبیر کیا ہے حالانکہ یہ تضاد نہیں ہے ارتقاء ہے ۔

یہی بات اقبال کے نظریہٴ زمان کے بارے میں کہی جا سکتی ہے ۔ اس سے قطع نظر کہ اس نظریے کی ارتقاء پذیر صورت اپنی ابتدائی صورت سے مختلف ہے یہ کہنا بھی شاید حقائق کی نشاندہی کرے گا کہ یہ اقبال کا وہ نظریہ ہے جو ان کے باقی نظریات سے کہیں زیادہ اکثر مفکرین کی تنقید کا ہدف رہا ہے ۔

اقبال کے نظریہٴ زمان کی ابتدا

اس وقت سب سے پہلا سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ اقبال کے نظریۂ زمان و مکان کی ابتدا کب ہوئی اور یہ نظریہ کیا ہے ۔

اقبال کی سب سے پہلی تصنیف علم الاقتصاد کو چھوڑ کر جس کا موضوع اقتصادیات ہے اقبال کی اولین فلسفیانہ تصنیف Development of Metephysics in Persia ہے۔ اس کتاب میں جو ۱۹۰۷ء کی تصنیف ہے نظریہ زماں کے بارے میں اقبال کے خیالات کی پرچھائیں تک نظر نہیں آتی ۔ اس وقت تک ان کی شاعری میں بھی زمان و مکان کے متعلق آن کے نظریات کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی ۔ سب سے پہلی نظم جس میں اقبال کے نظریۂ زمان و مکان کا ایک ہلکا سا اشارہ ہمیں ملتا ہے "سیر فلک" ہے جس میں آپ لکھتے ہیں :

تھا تخیل جو ہمسفر میرا　　آسمان پر ہوا گذر میرا
اڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی　　جاننے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے　　راز سر بستہ تھا سفر میرا

حلقۂ صبح و شام سے نکلا
اس پرانے نظام سے نکلا

اور یہ غالباً ۱۹۱۰ء کی نظم ہے ۔

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ اقبال کی نظم "ہمالہ" میں بھی جو ۱۹۰۱ء میں کہی گئی تھی انہوں نے یہ کہہ کر اپنے نظریہ زماں کی جانب اشارہ کیا ہے :

ہاں دکھا دے اے تصور ! پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

لیکن اس خیال سے اتفاق کرنا مشکل ہے ۔

اس نظم "سیر فلک" کے بعد زمان و مکان کا ذکر ہمیں "اسرار خودی" میں نظر آتا ہے جس میں آپ حضرت امام شافعی کے قول "الوقت سیف" ، کو اپنے نظریے کی بنیاد بنا کر اس پر بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں :

من چہ گویم سر این شمشیر چیست　　آب او سرمایۂ از زندگی است
صاحبش بالا تر از امید و بیم　　دست او بیضا تر از دست کلیم
سنگ از یک ضربت او تر شود　　بحر از محرومی نم بر شود
در کف موسیٰ همین شمشیر بود　　کار او بالا تر از تدبیر بود
سینۂ دریائے احمر چاک کرد　　قلزمے را خشک مثل خاک کرد
پنجۂ حیدر کہ خیبر گیر بود　　قوت او از همین شمشیر بود

یہاں تک تو خیر ایک شاعرانہ انداز بیان ہے ۔ اس پر فلسفیانہ بحث اقبال آگے

چل کے کرتے ہیں اور اپنا نقطہ نگاہ سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں[۱]:

«گھومتے ہوئے آسمان کی گردش دیکھنے کے قابل ہے اور روز و شب کا انقلاب سمجھنے کے قابل ہے۔ اے دوش و فردا کے اسیر! غور سے دیکھ اور اپنے دل کے اندر ایک اور عالم کا مشاہدہ کر! تو نے تو (ایک طرح سے) اپنے دل کے اندر ظلمت کا بیج بھر دیا ہے کیونکہ تو نے (پہلے تو) زمان کو ایک خط یا لکیر کی مانند سمجھا اور پھر دن اور رات کے پیمانے سے تیرے فکر نے زمان کی پیمائش شروع کر دی . . . اے کہ تو زمان کی اصل سے واقف نہیں ہے در حقیقت تو حیات جاوداں سے بیگانہ ہے۔ تو کب دن اور رات کے (چکر میں) اسیر رہے گا۔ لی مع اللہ[۲] کی حدیث سے وقت کی رمز کے

۱۔ گردش گردون گردان دیدنی است — انقلاب روز و شب فہمیدنی است
اے اسیر دوش و فردا در نگر — در دل خود عالم دیگر نگر
در گل خود تخم ظلمت کاشتی — وقت را مثل خطے پنداشتی
باز با پیمانہ لیل و نہار — فکر تو پیمود طول روزگار
تو کہ از اصل زمان آگہ نہ — از حیات جاوداں آگہ نہ
تا کجا در روز و شب باشی اسیر — رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر
این و آن پیداست از اسرار وقت — زندگی سرے است از اسرار وقت
اصل وقت از گردش خورشید نیست — وقت جاوید است و خور جاوید نیست
عیش و غم عاشور و ہم عید است وقت — سر تاب ماہ و خورشید است وقت
وقت را مثل مکاں گستردۂ — امتیاز دوش و فردا کردۂ
اے چو بو رم کردہ از بستان خویش — ساختی از دست خود زندان خویش
وقت ما کو اول و آخر ندید — از خیابان ضمیر ما دمید
زندہ از عرفان اصلش زندہ تر — ہستی او از سحر تابندہ تر

۲۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ مرسل ولا ملک مقرب . . . (حدیث نبوی)

«بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے ایسا روحانی قرب حاصل ہوتا ہے کہ اس خلوت میں نہ کوئی نبی مرسل بار پا سکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ یعنی کبھی کبھی میری زندگی میں ایسا وقت بھی آتا ہے جب وقت کا احساس فنا ہو جاتا ہے اور میں زمان و مکاں سے بالاتر ہو جاتا ہوں۔

(ترجمہ یوسف سلیم چشتی)

مفہوم تک پہنچ - یہ اور وہ سب وقت یا زمان کی رفتار سے پیدا ہوتا ہے - زندگی زمان کے رازوں میں سے ایک راز ہے - زمان کی بنیاد خورشید کی گردش سے پیدا نہیں ہوتی کیونکہ زمان تو جاوید ہے اور خورشید جاوید نہیں ہے - وقت عیش بھی ہے غم بھی، محرم بھی اور عید بھی - چاند اور سورج کی روشنی کا راز بھی زمان ہی ہے (تو نے غلطی یہ کی ہے کہ) تو نے زمان کو مکان کی طرح پھیلا دیا ہے[1] اور دوش و فردا کے امتیاز میں گرفتار ہو گیا ہے اے کہ تو نے اپنے باغ سے خوشبو کی طرح رم اختیار کیا ہے تو نے تو گویا اپنے ہاتھ سے اپنا زندان تعمیر کر لیا ہے - (در اصل) ہمارا زمان جو ابتدا اور انتہا کی قید سے آزاد ہے ہمارے ضمیر کے خیابان ہی میں پیدا ہوا ہے - اس کی یعنی زمان کی اصل کا عرفان کر لینے والا زندہ سے زندہ تر ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی سحر سے زیادہ تابندہ ہو جاتی ہے - زندگی دہر (یعنی زمان) سے عبارت ہے اور دہر (یعنی زمان) زندگی سے - رسول اکرمؐ کا فرمان ہے لا تسبو الدھرفان الدھر ہواللہ[2] -

خلیفہ عبدالحکیم کا اعتراض

عبدالحکیم ان اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال نے در اصل یہ نظریہ برگساں سے مستعار لیا ہے - حضرت امام شافعی کے مذکورہ مقولے کو اس نظریے سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ وہ اقبال پر اعتراض بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ نظریہ پیش کرتے ہوئے برگساں کا حوالہ کیوں نہیں دیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں : ''یہ بات قابل افسوس ہے کہ اقبال ''اسرار خودی'' میں برگساں کا ذکر تک نہیں کرتے بلکہ برگساں کے تمام فلسفۂ حیات کو حضرت امام شافعی کے ایک مقولے سے منسوب کر دیتے ہیں - جہاں تک امام کے مقولے کا تعلق ہے

۱- خرد ایک غلط تصویر پیش کرتی ہے جو کچھ مسلسل تغیر کے عالم میں ہے اس کا تجزیہ کرنے کے لیے ہم اسے اپنے خیال میں ایک غیر متحرک اور ساکن صورت دیتے ہیں - ہم زمان کو مکان سمجھ لیتے ہیں - (برگساں)

۲- زندگی از دہر و دہر از زندگی است لاتسبو الدھر فرمان نبی است

اس میں کوئی فلسفہ پوشیدہ نہیں ہے[1] ۔ اقبال نے برگساں سے جو فلسفہ مستعار لے کر حضرت امام شافعی کے نام سے وابستہ کر دیا ہے وہ اگر حضرت امام کے سامنے بیان کیا جاتا تو وہ شاید اسے سمجھ بھی نہ سکتے[2] ۔ آگے چل کے خلیفہ عبدالحکم

۱۔ اس ضمن میں حضرت امام شافعی کے مقولے ''الوقت سیف'' کے بارے میں ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے نظریے کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ اس مقولے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں : «معلوم ہوتا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو زمانے کی حقیقت اور انسانی زندگی میں اس کی تاثیر اور اہمیت کا شدید احساس تھا ۔ امام صاحب کا قول ہے کہ قرآن میں سے اگر صرف سورۂ والعصر نازل کر دی جاتی تو بندوں کی ہدایت کے لیے کافی تھا ۔ اس مختصر لیکن جامع قول میں زندگی کی بڑی بصیرتیں پوشیدہ ہیں ۔ سورۂ والعصر کے لفظ یہ ہیں (روح اقبال صفحہ ۳۱۹ ، ۱۹۷۶ء ایڈیشن)

(زمانے کی قسم انسان گھاٹے میں ہے ۔ سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے اور آپس میں حق کی پیروی اور صبر کی تاکید کرتے رہے) ان چند سیدھے سادے بولوں میں زمانے یا تاریخ کی نہایت ہی بلیغ توجیہہ موجود ہے ۔ پھر لفظوں کا ربط خاص طور پر اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے ۔ زمانہ انسان کے لیے جبری لزوم کی زنجیر نہیں عاید کرتا بلکہ عمل کے لیے بے‌شمار امکانوں کا دروازہ کھول دیتا ہے ۔ تاریخ اعمال کے نتائج سے عبارت ہے جو انسانی ارادے سے ظہور میں آتے ہیں ۔ جو نیک عمل کرتے ہیں وہ کامیاب رہتے ہیں اور جو نیک عمل نہیں کرتے وہ گھاٹے میں رہتے ہیں ۔ اگر فوری طور پر نیک عمل کرنے والا گھاٹے میں نظر آئے تو صبر کے ساتھ انتظار کرو ۔ زمانہ اس گھاٹے اور نامرادی کو کامیابی میں بدل دے گا ۔ پھر یہ نیکی صرف انفرادی نہیں ہوتی ۔ پوری جماعت کو نیکی کی طرف بلانا ضروری ہے چاہے اس میں کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ پیش آئیں ۔ عمل کی دنیا میں فرد سے زیادہ جماعت کو اہمیت حاصل ہے ۔ اگر کسی کو صبر اور عقیدت سے مقاصد کی لگن ہو جو حق ہیں تو زمانہ ضرور اس کا بول بالا کرے گا ۔ امام شافعی کا اس سورۃ کی بابت جو قول ہے وہ ان کی زبردست دینی بصیرت پر دلالت کرتا ہے ۔

2 It is a pity that Iqbal makes no mention of Bergson in Asrar-i-Khudi" and expounded the latters whole philosophy of life under a saying of Imam Shafa'i. There was no philosophy hidden in the words of the Imam who would have probably failed to understand the philosophy which Iqbal took from Bergson and ascribed it to him.

(Iqbal as a Thinker-p. 189)

کہتے ہیں : ''اقبال نے برگساں کی دہریت اور الحاد اور اسلام کے تصور توحید میں ایک مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے'۔

یہاں اپنے دعوے کی تائید میں مثنوی ''اسرار خودی' کے مذکورہ اشعار پیش کرنے کے بعد خلیفہ عبدالحکیم بحث کا اختتام ان الفاظ پر کرتے ہیں :

''فکر اقبال کے ماخذ پیش کرنے سے میرا مقصد اقبال کی عظمت کو کم کر کے دکھانا نہیں ہے ۔ شاعری کئی قسم کی ہوتی ہے اور شعراء بھی کئی طرح کے ۔ بعض غزلیہ شعراء ہوتے ہیں اور بعض رزمیہ ۔ بعض کا دائرہ کلام ساجیات تک محدود ہوتا ہے ۔ شعراء کا ایک طبقہ جنسی محبت کا راگ الاپتا ہے اور دوسرا طبقہ عشق ربانی کا بعض شعراء حب وطن شاعر کہلاتے ہیں اور بعض فطرت کے شاعر ۔ بعض شعراء ماضی کے شاعر ہوتے ہیں ۔ بعض حال کے اور بعض مستقبل کے ۔ بعض شعراء اخلاقیات کے شاعر ہوتے ہیں اور بعض قومیت کے ۔ بعض شعراء تصوف کے شاعر ہوتے ہیں اور بعض رندانہ بد مستیوں کے ۔ اس سوال کا جواب کہ اقبال کو ان متعدد اقسام میں سے کہاں رکھا جائے خاصا مشکل ہے ۔ اس کی شاعری اتنی ہمہ گیر اور اتنی متنوع قسم کی ہے کہ شاید ہی کوئی صنف سخن اقبال کی دسترس سے دور رہی ہو ۔ لیکن یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس کی شاعری میں اخلاقی اور فلسفیانہ پہلو بہت نمایاں ہیں ۔ پیغمبرانہ عنصر جو ہر عظیم شاعری کا طرہ امتیاز ہوتا ہے اس کی شاعری کے آخری دور میں خاص طور سے نمایاں حیثیت سے ابھرا . . .

اقبال اور برگساں

میں سمجھتا ہوں اقبال کے حق میں اس طویل سفارشی اور مربیانہ بیان کا اس بحث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جس بحث کا تتمہ خلیفہ صاحب نے اس بیان کو بنایا ہے ۔ مناسب یہ تھا کہ خلیفہ عبدالحکیم اس بحث کو آگے بڑھاتے تاکہ اقبال اور برگساں کے نظریات زماں پر مزید روشنی پڑتی ۔ خلیفہ صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ

Iqbal tried to identify Bergson's aetheism with the Islamic idea of the unity of God.

لیکن خلیفہ عبدالحکیم غالباً اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ برگساں استمرار زماں کو بامقصد نہیں بلکہ بے مقصد قرار دیتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے برگساں اور اقبال کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں ۔ خلیفہ صاحب کے اس بیان سے انکار نہیں کہ «اقبال برگساں کا بڑا مداح تھا اور اس کے فلسفے سے

1- Iqbal as a Thinker—Page 190.

اقبال نے فیض بھی حاصل کیا»[1] لیکن اُن کا یہ کہنا کہ اقبال کا نظریہ" زماں برگساں کے نظریہ" زماں کا چربہ ہے تحقیق کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا ۔ برگساں کے نظریہ" زماں پر اقبال نے (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) میں کئی موقعوں پر مدلل بحث کی اور اس بحث کے دوران میں اقبال کا برگساں سے اختلاف بھی پوری طرح واضح ہو جاتا ہے خواہ وہ «زماں کی حقیقت» کا نظریہ ہو خواہ «زمان میں زندگی بطورِ مسلسل حرکت کا نظریہ» ہو اور خواہ «استمرار زماں کا نظریہ» ۔مذکورہ کتاب میں برگساں کے آخر الذکر نظریے پر بحث کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں :

لیکن برگساں کہتا ہے زندگی چونکہ ہجوم کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے لہذا یہ ممکن نہیں کہ اس نے آزادانہ خلاقی کا جو رستہ اختیار کر رکھا (ہے) غایات کے نور سے منور ہو ۔ خواہ قریب خواہ دور سے ۔ وہ گویا ایک من مانی ، بے بصر ، بے راہ اور ناقابل ادارک حرکت ہے جس کے سامنے کوئی مقصد ہے نہ غرض کہ اس سے کوئی خاص نتیجہ پیدا کرے لیکن یہیں پہنچ کر واردات شعور کے متعلق برگساں کا تجزیہ ناکافی ثابت ہوتا ہے ۔ وہ سمجھتا ہے —— واردات شعور عبارت ہیں ماضی سے اور یہ صرف ماضی ہے جو حال کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا اور اس میں کار فرما رہتا ہے کہ وحدت شعور کا ایک پہلو وہ بھی ہے جس میں اس کی آنکھیں مستقبل پر لگی رہتی ہیں اس لیے کہ زندگی اعمال توجہ ہی کا ایک سلسلہ ہے اور توجہ کا جو بھی عمل ہوگا اس کی توجیہ کسی نہ کسی غائت یا مقصد کے حوالے ہی سے کی جائے گی خواہ اس کی اپنے شعوری ہو خواہ غیر شعوری ۔ ہمارے نزدیک تو ادراک کا عمل بھی کسی نہ کسی شعوری مفاد یا مقصد کے باعث سرزد ہوتا ہے[2] (ترجمہ از سید نذیر نیازی) ۔

۱۔ ترجمان اسرار (جسٹس شیخ عبدالرحمن) صفحہ ۴۳ ۔

2 Again in Bergson's view the forward rush of the vital impulse in its creative freedom is unilluminated by the light of an immediate or remote purpose It is not aiming at a result ; it is wholly arbitrary. undirected, chaotic, and unforeseeable in its behaviour. It is mainly here that Bergsen's analysis of our conscions experience reveals its inadequacy. He regards canscious experience as the past moving along with and operating in the present. He ignores that the unity of consciousness has a forward looking aspect also. Life is only a series of acts of attention, and an act of attention is inexplicable without reference to a purpose conscious or unconcious Even our acts of perception are determined by our immediate interests and purposes. (The Reconstruction of Relegious Thought in Islam—page 52).

اقبال کی اس بحث سے صرف استمرار زماں کے بارے میں برگساں اور اقبال کے مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کرنا مقصود ہے۔ خلیفہ صاحب کے اس بیان کی تردید مقصود نہیں کہ «اقبال برگساں کا بڑا مداح تھا اور اس کے فلسفے سے اقبال نے فیض بھی حاصل کیا» ۔ اس کی تائید میں تو (The Revelation and Religious Experience) میں اقبال کا یہ کہنا ہی برگساں کو بہت بڑا خراج تحسین ہے کہ

Among the representatives of contemporary thought Bergson is the only thinker who has made a keen study of the phenomenon duration in time

لیکن برگساں کے متعلق اقبال کی اس رائے سے خلیفہ صاحب جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ محل نظر ہے اور فلسفۂ زماں کے بارے میں اقبال کے افکار اس کی تائید نہیں کرتے ۔

برگساں کے نظریۂ استمرار زماں سے متعلق اقبال کی مندرجہ بالا تحریر نقل کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برگساں کے الحاد اور اسلام کے نظریۂ توحید کو مماثل بنا کر اقبال کی کوشش» کے متعلق خلیفہ عبدالحکیم کا اعتراض پورے سیاق و سباق کے ساتھ بیان کیا جائے۔ خلیفہ صاحب کا اعتراض مکمل صورت میں یوں ہے :

Time is a spaceless creative force in which change and evolution are inherent : There is no other reality beyond Time. Basing his view on the Prophets saying لاتسبو الدھر do not revile time —
Iqbal tried to identify Bergson's aetheism with the Islamic idea of the Unity of God.

اگرچہ خلیفہ صاحب کے مذکورہ مقالے[1] پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے اور نہ ہی Iqbal as a Thinker پر جس میں یہ مقالہ شامل ہے سن اشاعت درج ہے لیکن چونکہ اس مقالے میں ضرب کلیم تک کے حوالے موجود ہیں اس لیے یہ طے شدہ امر ہے کہ اس مقالے کے معرض تحریر میں آنے سے کہیں قبل (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) شائع ہو چکی تھی جس میں اقبال وقت کے ایک تخلیقی قوت ہونے کے متعلق اپنے اور برگساں کے خیالات کا ٹکراؤ ان الفاظ میں پیش کر چکے تھے :

حاصل کلام یہ کہ برگساں کے نزدیک حقیقت مطلقہ ایک آزاد ، ناقابل تعین ، تخلیقی اور حیاتی محرک ہے اور اپنی کنہ میں سر تا سر مشیت جس کو فکر قید مکانی میں لے آتا اور پھر اس کا مشاہدہ اشیاء کی ایک کثرت کی شکل میں کرتا ہے ۔ یہاں یہ تو ممکن نہیں کہ برگساں کے اس نظریے

۱- Rumi, Nietzsuche and Iqbal

کی پوری پوری تنقید کی جائے لیکن اتنا ضرور کہنا پڑتا ہے کہ اس کی حیاتیت کی انتہا فکر اور مشیت کی ایک ایسی شہریت میں ہوتی ہے جس میں کوئی مفاہمت ممکن نہیں اور جس کی ہمارے نزدیک وجہ ہے فکر کے متعلق اس کا جزئی نظریہ کیونکہ فکر کا منصب برگساں کی رائے میں صرف یہ ہے کہ ہر شے کو قید مکانی میں لے آئے (ترجمہ از سید نذیر نیازی)[۱] -

باین ہمہ برگساں نے حقیقت مطلقہ کی غایت سے انکار کیا ہے اس لیے کہ غائت کے اثبات سے زماں کی نفی لازم آتی ہے - وہ کہتا ہے مستقبل کے دروازے کو حقیقت مطلقہ کے لیے کھلا رہنا چاہیے ورنہ اس کی آزادی قائم رہے گی نہ خلاق - (ترجمہ از سید نذیر نیازی) -[۲]

لیکن اس کے باوجود اقبال برگساں کے بعض نظریات سے متفق بھی ہیں مثلاً اقبال بھی برگساں ہی کی طرح زماں کو ماہیت وجود اور عین خودی سمجھتے ہیں لیکن یہ وہ زماں نہیں جس کی پیمائش دن اور رات یا صبح و شام کے پیمانے سے کی جا سکے بلکہ اس سے مراد زمان خالص ہے - اس ضمن میں اقبال کے یہ الفاظ توجہ طلب ہیں :

«میری اپنی رائے تو یہی ہے کہ زمانہ حقیقت مطلقہ کا ایک جز ولاینفک ہے لیکن زمان حقیقی زمان تسلسل نہیں جس میں ماضی اور حال اور مستقبل کا امتیاز ناگزیر ہے - ہم اس کو زمان خالص یعنی تفسیر سے تواتر ٹھہرائیں گے - - - - پھر زمان تسلسل بھی تو دراصل زمان خالص ہے جسے فکر پارہ پارہ کر دیتا ہے ـــــ اگرچہ یہ بھی ایک حیلہ ہے حس کے ذریعے سے ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ حقیقت مطلقہ کی تخلیقی فعالیت کا احساس جس کا سلسلہ پیہم جاری ہے مقداری طور پر کر سکیں - قرآن پاک کے اس ارشاد : 'اختلاف الیل و النہار' (دن اور رات کا اختلاف اسی کی بدولت ہے) میں

۱- According to Bergson, then Reality is a free unpredictable, creative, vital impetus of the nature of volition which thought spatializes and views as a plurality of 'things,' A full criticism of this view cannot be undertaken here. Suffice it to say that the vitalism of Bergson ends in an insurmountable dualism of will and thought. This is really due to the parcial view of intelligenee that he takes. (The Reconstraction of Religious Thought in Islam p 51-52).

۲- Begson, however, denies the teleological character of Raeality on the ground that teleology makes time unreal, According to him 'the portals of the future must remain wide open to Reality.' Otherwise, it . ill not be free and creative. (Ibid. pp 53 & 54)

بھی میرے نزدیک یہی حقیقت پیش نظر ہے[۱]۔

برگساں ، اقبال اور رومی تینوں کے تینوں حقیقت کو حرکی اور تخلیقی شمار کرتے تھے ۔ فرق یہ تھا کہ رومی اور اقبال کے نزدیک یہ حقیقت روحانی تھی لیکن برگساں مغرب کی روایات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس قسم کا جرأت مندانہ قدم اٹھاتے ہوئے جھجکتا تھا زمان کے بارے میں اقبال کا تصور بہ تمام و کمال برگساں ہی سے ماخوذ ہے اور اختیار کے مسئلے پر یہ تینوں کے تینوں ہم نوا ہیں ۔ استدلال اور وجدان کے تقابل کا مسئلہ تمام مسلمان مفکرین کے ہاں ملتا ہے اور اس سلسلے میں رومی کا نقطۂ نظر کم فلسفیانہ تو ضرور ہے لیکن جاذب توجہ زیادہ ہے ۔ رومی اور برگساں وجدان کی حمایت کے جوش میں عقل اور فکر پر نفرت کی نگاہیں ڈالتے ہیں لیکن اقبال کے نزدیک حقیقت اولی ایک عنصری وحدت ہے جس میں عقل اور وجدان دونوں کی اہمیت برابر ہے ۔ ادنی کی سطح پر ان دونوں میں اختلاف بلکہ مخاصمت تک رو نما ہو سکتی ہے لیکن اعلی سطح پر دونوں چاہتے ہیں ۔ عشق صادق اور عقل سلیم مترادفات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ رومی اور اقبال برگساں کا ساتھ اس وقت چھوڑ دیتے ہیں جب وہ یہ کہتا ہے کہ حقیقت ، جو اس کے نزدیک جوش حیات ہے کسی منزل خاص کی جانب گامزن نہیں ۔ ایک ایسی حرکت جس کی کوئی منزل نہ ہو اور ایسی ترقی جس کا مقصد ہی کوئی نہ ہو کوئی انتہا ہی نہ ہو جس کی جانب یہ حرکت رواں دواں ہو یہ صحیح معنوں میں حرکت نہ ہوگی بلکہ یونانیوں کی حرکت دوری کے مماثل ہوگی جو نہ صرف زمانے کو غیر حقیقی بنا چھوڑے گی بلکہ اس سے حقیقت کا میکانکی ، غیر تخلیقی اور اندھی ضرورت کے دست نگر ہونا لازم آئے گا ۔ مختصراً اس سے برگساں کے نقطۂ نظر کے برعکس بات پیدا ہوگی اس لیے اقبال اس میں اضافہ کرتے ہیں اور اس بات کی حمایت کرتے ہیں کہ عمل ارتقاء ایک منزل خاص کی جانب گامزن ہے اور وہ منزل ایسی مثالی نسل کو جنم دیتی ہے جو ایسے افراد پر مشتمل ہو کہ اپنی مثال آپ ہوں اور مرد کامل کے والدین بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں''[۲] ۔

۱- Personally, I am inclined to think that time is an essential element in Reality. But real time is not serial time to which the distinction op past, present and future is essential, it is pure duration, i e, change without succession, which Mc-Taggart's argument does not touch. Serial time is pure duration puantitiative measurement. It is in this sense that Quran says: 'And of Him is the change of the night and of the day'.
(The Reconstruction of Religious Thought in Islam.) p. 58.

۲- «فلسفۂ اقبال» (بزم اقبال لاہور) -

آئن اسٹائن سے اختلاف

جہاں تک زمان کو حقیقی قرار دینے کا تعلق ہے اقبال اپنی بحث میں آئن اسٹائن سے بھی الجھتے ہیں اور آئن اسٹائن کے نظریہ' اضافیت پر یہ کہہ کر معترض ہوتے ہیں کہ آئن اسٹائن کا نظریہ' اضافیت زمان کو غیر حقیقی قرار دیتا ہے۔ اس بحث میں وہ آئن اسٹائن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے نظریہ' اضافیت کی رو سے ہمیں زمان کو مکان کا چوتھا بعد تسلم کرنا پڑتا ہے جس کے بعد زمان یا وقت کو ایک آزاد ، تخلیقی حرکت تسلیم کرنا دشوار ہو جاتا ہے[1]۔ اور اقبال کے اپنے نظریہ' زمان کی بنیاد ہی یہی ہے کہ وقت ایک آزاد تخلیقی حرکت کا نام ہے اور حضرت امام شافعی کے مقالے «الوقت سیف» کی جو تفسیر اقبال نے پیش کی ہے اس کا مرکزی خیال یہی ہے اس لیے خلیفہ عبدالحکیم کے اس اعتراض کو بھی بآسانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال نے زمان کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے حضرت امام شافعی کے مقولے سے اس کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

لا تسبو الدھر

حضرت امام شافعی کے مقولے «الوقت سیف» کا ذکر کرتے ہوئے اقبال نے اپنے نظریہ' زمان و مکان کی وضاحت کے سلسلے میں رسول اللہ کی حدیث لا تسبو الدھر فان الدھر ھو اللہ[2] کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مفہوم اس حدیث کا بعض علمائے اسلام کے اور خود اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ: ”زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ ہی خدا ہے“۔ اقبال کے اپنے الفاظ میں حدیث مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے۔ Do not vilify time for time is God ۔ یہ دراصل لفظی ترجمہ ہے۔ اقبال نے اس حدیث اور اس کے اسی مفہوم کا تتبع کرتے ہوئے نظریہ' زمان و مکان کی وضاحت میں دہر کو زمانہ ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ کلام پاک میں لفظ دھر دو جگہ آتا ہے اور دونوں جگہ یہ لفظ زمانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ آئن سٹائن پر اقبال کے اس اعتراض کو سمجھنا دشوار نہیں۔ دشواری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب «جاوید نامہ» میں اقبال زروان کو روح زمان و مکان کی صورت میں پیش کر کے خود ایک طرح آئن اسٹائن کے نظریہ مکاں—زماں (Space—Time) پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ (اس سلسلے میں ڈاکٹر تارا چندن رستوگی کا مقالہ «اقبال اور آئن اسٹائن» خاصی حد تک مسئلے کی گرہ کشائی کرتا ہے)۔

۲۔ میری چونکہ اس حدیث کے الفاظ تک براہ راست رسائی نہیں ہے اس لیے یہ

بقیہ صفحہ ۲ پر

لیکن فلسفے میں دہر اور زمان کا مفہوم الگ الگ ہے ۔ دہر فلسفے میں مقدار وجود کو اور زمان مقدار حرکت کو کہتے ہیں مگر غالباً اقبال نے یہ فرق ملحوظ نہیں رکھا اور قرآن کے تتبع میں دہر کو زمان ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔ ایک مذہبی اصطلاح کو فلسفیانہ اصطلاح کے طور پر استعمال کرنے سے جو نتائج برآمد ہو سکتے تھے وہ انجام کار اقبال کے نظریہ زماں پر اعتراضات کی صورت میں ظاہر ہوئے ۔

یہ اقبال کے نظریہ زمان کا وہ دور ہے جس کی ابتدا صحیح معنی میں ۱۹۱۴ء سے ہوئی ۔ اس دور میں اقبال کے فکر و فلسفہ کی رو سے ایک زمان تو وہ ہے جو ہم صبح و شام ، دن اور رات یا دوپہر اور سہ پہر کے الفاظ سے بیان کرتے ہیں اور گھڑی کی ملتی ہوئی سوئیوں سے اس کی پیمائش کرتے ہیں ۔ یہ خارجی زمان ہے اور اسے زمان مسلسل یا تسلسل زمان یا Serial Time کہتے ہیں ۔ یہ زمان محض اعتباری ہے نہ کہ حقیقی ۔ حقیقی زمان یعنی Real Time یا جسے زمان خالص یا Pure Duration بھی کہتے ہیں ہمارے ضمیر میں پنہاں ہے ۔ اس کا خارجی وجود نہیں ہے اور یہ ماضی اور مستقبل دونوں سے بے نیاز ہے ۔ اس میں صرف حال ہی حال ہے[1] ۔

گزشتہ صفحہ سے آگے ۔

عرض کر دوں کہ یوسف سلیم چشتی نے اس حدیث کو یوں نقل کیا ہے : لا تسبو الدھر فان اللہ ھو الدھر — ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے ہاں ان کے الفاظ وہی ہیں جو متن میں درج ہیں یعنی لا تسبو الدھر فان الدھر ھو اللہ — دوسری صورتوں میں حدیث نبوی کے معانی ایک ہی ہیں لیکن حدیث نبوی کا طالب علم یقیناً یہ جاننے کا آرزومند ہوگا کہ حدیث کے اصل الفاظ کیا ہیں اور یہ اپنی مستند صورت میں حدیثوں کے کون سے مجموعے میں درج ہے کیونکہ اس چھوٹے سے فرق پر حدیث کے قوی یا ضعیف ہونے کا دارومدار ہے ۔

۱۔ اکبر الہ آبادی نے اس نکتے کو ایک ایسے دلکش شعر میں بیان کیا ہے کہ غزل کے انداز میں اس موضوع پر اس سے بہتر شعر تصور میں نہیں آ سکتا :

کیا بات ترے حال میں ہے
ہر وقت زمانہ حال میں ہے

تسلسلی زماں اور زمان حقیقی کا فرق اقبال کے اپنے الفاظ میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔ یہ وضاحت مذکورہ الفاظ میں اقبال نے اپنے دوسرے لیکچر The Revelation and Religious Experiences میں ڈاکٹر میکٹگرٹ کے نظریہ زمان پر بحث کرتے ہوئے قاری کے سامنے رکھی ہے۔ ڈاکٹر میکٹگرٹ کے

بقیہ صفحہ ۲۴ پر

یہاں تک تو بات معترفین کی طرف سے ہدف تنقید نہیں بنتی لیکن اس کا جو پہلو تنقید کی زد میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اقبال مذکورہ حدیث کی تفسیر میں زمان کو اللہ کا مترادف قرار دیتے ہیں ۔ اقبال کی اس تفسیر پر بحث کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد خان غوری کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ اور دھر کی عینیت کا قول الحاد سے کم نہیں ۔ ایسے حدیث نبوی ''لا تسبو الدھر'' سے ثابت کرنے کی کوشش بھی غیر صحیح ہے اور زبان عرب کے قواعد نیز اس ارشاد نبوی کے پس منظر سے قلت علم کا نتیجہ ہے ۔

اس سلسلے میں یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں وجود سے مراد ہے وجود واقعی یا وجود حقیقی اور وجود حقیقی یا وجود واقعی صرف خدا ہی

گزشتہ صفحہ سے آگے۔

نزدیک زمان غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ واقعہ یا ماضی ہے یا حال ہے یا مستقبل ۔ اقبال اس نظرے کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میکٹگرٹ اس غلط نتیجے پر اس لیے پہنچا ہے کہ اس نے وقت کی تسلسلی حیثیت ہی کو قطعی قرار دے دیا ہے ۔

اس بحث کے دوران میں اقبال نے ایک بڑی اہم بات کہی ہے اور اقبال کے نظریہ زمان پر بات چیت کرتے وقت اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ آپ لکھتے ہیں :

''وقت کے راز کی تہ تک پہنچنا آسان نہیں ۔ اگسٹائن کے پر معنی الفاظ آج بھی اسی طرح صحیح ہیں جیسے یہ اس وقت صحیح تھے جب یہ کہے گئے تھے۔۔۔اگر کوئی مجھ سے وقت کے بارے میں نہ پوچھے تو میں وقت کی رمز کو جانتا ہوں اور اگر مجھے وقت کے متعلق کچھ کہنا پڑے تو میں کچھ بھی نہیں جانتا۔۔۔''۔

امام رازی جن کے نظریہ زمان کی ماہیت جاننے کے لیے اقبال نے دو ایک بار علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کو خطوط لکھے خود اس مسئلے پر بحث کے دوران میں کہتے ہیں کہ

''ابھی تک مجھ پر زمان کی ماہیت آشکار نہیں ہو سکی'' ۔

(یوسف سلیم چشتی)

پروفیسر جوڈ نے بھی زمان و مکان کے مسئلے کا شمار فلسفے کے مشکل ترین مسائل میں کیا ہے اور کہا ہے : دو ہزار سال کی مسلسل قیاس آرائیوں کے باوجود آج تک زمانے کی ماہیت پر اتفاق آراء نہیں ہو سکا ہے'' ۔

(یوسف سلیم چشتی)

کا ہے اس لیے عرفاء نے کہا ہے کہ زمانہ استمرار شئون باری کا نام ہے اور چونکہ شئون باری تعالی ازلی اور ابدی (جاوید) ہیں اس لیے زمان (وقت حقیقی) بھی جاوید ہے -

اقبال نے خود بھی لفظ دہر کی ماہیت پر بحث کی ہے لیکن اس بحث میں وہ اسے زمان ہی کا مترادف قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ وہ صفات وابستہ کرتے ہیں جو ذات باری تعالی کے لیے مخصوص ہیں - فرماتے ہیں :

''مسئلہ زمان ہمیشہ مسلمان مفکرین ور صوفیوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے - ایک تو اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے مطابق دن اور رات کا سلسلہ اللہ کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور دوسرا یہ کہ رسول اللہ نے ذات باری تعالی اور دہر (زمان) کو اپنی ایک مشہور حدیث میں جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے مترادف قرار دیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ بعض عظیم مسلمان صوفی لفظ دہر کی صوفیانہ properties میں یقین رکھتے تھے - محی الدین ابن عربی کے نزدیک دہر اللہ تعالی کے اسمائے حسنہ میں ایک اسم ہے اور امام رازی اپنی تفسیر قرآن میں لکھتے ہیں کہ بعض مسلمان صوفیہ نے مجھے لفظ دھر کا ورد کرنا سکھایا تھا'' -

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک دھر اللہ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک اہم اسم ہے لیکن بقول یوسف سلیم چشتی : ''محدثین نے دھر سے خدا کی صفت ارادی مراد لی ہے یعنی وہ حق تعالی کی حرکت ارادی کو دھر سے تعبیر کرتے ہیں - اس سے مراد یہ ہے کہ دھر یا زمانہ دراصل استمرار شئون باری کا دوسرا نام ہے'' -

اس کے ساتھ ہی مولانا شبیر احمد خان غوری اقبال کے ان بیانات پر بھی معترض ہیں کہ ''مسئلہ زمان ہمیشہ مسلمان مفکرین اور صوفیہ کی توجہ کا مرکز رہا ہے'' اور مسئلہ زمان و مکان ملت اسلامیہ کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے اپنے اعتراضات کی اضافت میں مولانا لکھتے ہیں :

''خدا معلوم علامہ کے ذہن میں ''زندگی و موت'' کے سوال کا کیا مفہوم تھا ؟ (۱) یہ مسئلہ کبھی اسلامی تعلیم کا اصل الاصول نہیں رہا - (۲) کسی دور میں بھی اس مسئلے کے باعث داروگیر نہیں ہوئی - (۳) نہ کبھی یہ مسئلہ اسلام اور کفر کے مابین فارق رہا - اگر یہ سب باتیں درست ہیں تو زندگی اور موت کا سوال کیونکر ہوگا'' -

''سچی بات یہ ہے کہ مسئلہ زمان و مکان ان میں سے کسی مفہوم کے تحت نہیں آتا کیونکہ (۱) قرآن و حدیث کی رو سے ''اسلام کا اصل الاصول'' متعین ہے جو ''توحید الوہیت'' یا ''عبودیت الہٰی'' ہے - (۲) اسلام کی

چودہ سو سالہ تاریخ میں قائلین زمان کو یا منکرین زمان کو اس اقرار یا انکار کی وجہ سے کبھی کوئی سزا نہیں ملی - (۳) اسلام اور کفر کے مابین بقول امام غزالی صرف تین مسئلے فارق ہیں : (۱) عالم کے قدم و حدوث کا عقیدہ - (۲) جزئیات مادیہ کے ساتھ باری تعالی کے علم کا اقرار یا انکار اور (۳) جزا اجساد کا عقیدہ یا اس کا انکار'' -

مولانا کے اعتراض کو آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا اور یہ صحیح ہے کہ اقبال ایک زمانے تک مذکورہ حدیث نبوی کو بنیاد بنا کر زمان اور ذات باری تعالیٰ کو ایک ہی مفہوم میں بیان کرتے رہے لیکن جیسا کہ میں پہلے اس خیال کا اظہار کر چکا ہوں یہ اقبال کے نظریہ' زمان کا اولین قابل ذکر دور ہے جو آخر تک اپنی ابتدائی صورت میں برقرار نہیں رہا - اقبال تصور زمان یا دوسرے لفظوں میں اقبال کا تصور باری تعالیٰ (کیونکہ اقبال نے زمان ، دہر اور خدا کو قرار دیا ہے) کئی مدارج میں سے گزرا ہے - میاں محمد شریف نے اس سلسلے میں اقبال کے تصور باری تعالیٰ کے تین ادوار قائم کیے ہیں - پہلا دور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۸ء تک ، دوسرا ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۰ء تک اور تیسرا ۱۹۲۷ء سے تاریخ وفات تک لیکن نہ جانے پروفیسر محمد شریف ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۷ء تک کی مدت کو کیسے نظرانداز کر گئے ہیں - بہر طور پروفیسر شریف کا قائم کیا ہوا پہلا دور جس میں اقبال خدا کو حسن ازل سے تعبیر کرتے ہیں - اس وقت خارج از بحث ہے کیونکہ اس دور میں اقبال نظریہ' زمان سے کوئی اعتنا نہیں برتتے - جہاں تک نظریہ زمان کا تعلق ہے اقبال کا اس ضمن میں پہلا دور سنہ ۱۹۱۰ء بلکہ در اصل ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۰ء تک پہنچتا ہے - اس دور میں وہ ذات باری تعالیٰ اور زمان کو مترادف تصور کرتے ہیں - لیکن اس دور میں بھی ان کا احساس کبھی بھی اس تصور سے بغاوت کرتا ہے - پیام مشرق ۱۹۲۲ء کی تصنیف ہے اور کہیں کہیں اس کی رباعیات اور اشعار اس بغاوت کی غمازی کرتے ہیں :

جہان ما کہ پایانے ندارد   چو ماہی در یم ایام غرق است
یکے بر دل نظر وا کن کہ بینی   یم ایام در یک جام غرق است

زمین را رازدان آسمان گیر   مکان را شرح رمز لامکان گیر
برد ہر راہ سوئے منزل دوست   نشان راہ از ریگ روان گیر

در جہان دل ما دور قمر پیدانیست
انقلابے است ولے شام و سحر پیدانیست

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

(زبور عجم ۱۹۲۷ء)

یہاں «پیام مشرق» کی نظم «نوائے وقت» کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا:

خورشید بہ دامانم انجم بہ گریبانم
در من نگری ہیچم در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم در کاخ و شبستانم
من دردم درمانم من عیش فراوانم
من تیغ جہان سوزم من چشمۂ حیوانم

چنگیزی و تیموری مشتے ز غبار من
ہنگامۂ افرنگی یک جستہ شرار من
انسان و جہان او از نقش نگار من
خون جگر مردان سامان بہار من
من آتش سوزانم من روضۂ رضوانم

آسودہ و سیارم این طرفہ تماشا بین
در بادۂ امروزم کیفیت فردا بین
پنہان بہ ضمیر من صد عالم رعنا بین
صد کوکب غلطان بین، صد گنبد خضرا بین
من کسوت انسانم، پیراہن یزدانم

تقدیر فسون من، تدبیر فسون تو
تو عاشق لیلائے من دشت جنون تو
چون روح روان پاکم از چند و چگون تو
تو راز درون من، من راز درون تو
از جان تو پیدانم در جان تو پنہانم

من رہرو و تو منزل من مزرع و تو حاصل
تو ساز صد آہنگے تو گرمی این محفل
آوارہ آب و گل دریاب مقام دل
گنجیدہ بہ جامے بین این قلزم بے ساحل
از موج بلند تو سر برزدہ طوفانم

اس نظم کے بارے میں مولانا شبیر احمد غوری لکھتے ہیں کہ اس نظم میں اقبال نے «زمانے کو ایک قاہر دیوتا کی شکل میں پیش کیا ہے جو ان تمام صفات سے متصف ہے جو عامہ' اہل اسلام صرف خدائے قاہر و فعال لمایرید کی ذات میں ثابت کرتے ہیں . . . اُنھوں نے اسے ایک با جبروت دیوتا بنا ڈالا - یہی نہیں بلکہ جمہور متکلمین و حکماء کے خلاف ذات باری کو زمانی بھی قرار دے دیا (من کسوت انسانم پیراہن یزدانم) . . . یہاں اقبال نے الیگزینڈر کی تقلید میں صراحتہً زمانہ کو خدائے برتر (حقیقت مطلقہ) قرار دیا . . .

لیکن مولانا شبیر احمد اس نظم کے مطالعے میں ایک بات کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ اس نظم میں تصویر کا صرف یہی پہلو ہی نہیں ہے جو مولانا نے پیش لیا ہے بلکہ اور بھی کئی پہلو ہیں - جب وقت انسان سے کہتا ہے میں رہرو ہوں تو منزل ہے ، میں کھیتی ہوں تو حاصل ہے تو اس سے یہ مفہوم قطعاً نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال زمان کو ایک با جبروت دیوتا کے طور پر پیش کر رہے ہیں - «از جان تو پیدایم در جان تو پنہانم» سے بھی یہ مفہوم پیدا نہیں ہوتا کہ زمان اپنے آپ کو ذات باری تعالیٰ قرار دے رہا ہے بلکہ «آوارۂ آب و گل دریاب مقام دل» اور ''گنجیدہ بہ جامے ہیں این قلزم بےساحل'' کہہ کر تو وقت نے انسان کے مقابلے اپنی فرو تر حیثیت تسلیم کر لی ہے -

در حقیقت یہ اقبال کی اُس ذہنی کشمکش کا دور ہے جس میں وہ زمان کو ذات باری تعالیٰ کا مترادف بھی قرار دے رہے ہیں اسے حقیقت مطلقہ بھی کہہ رہے ہیں اور جب بادۂ توحید سے سرشار ہوتے ہیں تو زمان و مکان کا بطلان بھی کرتے ہیں - یہ نظم اس ذہنی کشمکش کی عکاسی کر رہی ہے :

تڑپ رہا ہے فلاطون میان غیب و حضور
ازل سے اہل خرد کا مقام ہے اعراف¹

۱- ڈاکٹر یوسف حسین خان نے اقبال کے نظریہ' زمان پر بحث کے دوران میں اس نظم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اس کے قریباً ہر مصرعے کا بہت عمدہ ترجمہ پیش کیا ہے لیکن اس مسئلے کو نہیں چھیڑا کہ زمان انسان سے ایک ہی سانس میں جو :

من کسوت انسانم پیراہن یزدانم

بھی کہہ رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ :

بقیہ اگلے صفحے پر

میاں محمد شریف لکھتے ہیں :

"۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان برگساں کی تصانیف کا انگریزی میں ترجمہ ہوا اور اس کا مطالعہ بھی اقبال کے لیے جو فرانسیسی زبان سے واقف نہ تھے بہت آسان ہو گیا۔

اب اقبال کو معلوم ہوا کہ رومی کے ساتھ وارڈ Ward کے قریبی تعلق کے علاوہ ایک تو خود اُن کے اور دوسری طرف نیٹشے برگساں اور رومی کے مابین گہرا رشتہ ہے۔ نیٹشے کی طرح رومی ارتقاء تصورات و امکانات ، خودی کی بقا اور میلان اقتدار will to power تعمیر جدید کے لیے تحریک کہن کے قائل ہیں اور برگساں کی طرح حرکت کو روح حقیقت اور وجدان کو علم کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں۔ یہ حیات بخش کیفیت میکڈوگالڈ کے "سماجی نفسیات" Social Psycology اور مبادی نفسیات سے متاثر ہونے کے جو علی الترتیب ۱۹۰۸ اور ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی میں اقبال کے قوائے عقیدہ کے لیے تقویت کا باعث ہوئی۔ حیات کو برگساں "کے آرزو اور امنگ" کے نظریے سے وابستہ کیا گیا ہے۔ دور ثانی میں یہ تمام امور فلسفہ اقبال کے بنیادی تصورات بن چکے تھے۔

اس طرح قدیم مشرقی فیلسوفوں کے رشد و ہدایت کے فیض اور یورپ کے متعدد جدید مفکرین سے متاثر ہو کر اقبال نے اپنے ایک جداگانہ فلسفے کی بنیاد ڈالنی شروع کی جس کو دور ثانی کے افکار کی ممتاز ترین خصوصیت کی بنا پر فلسفہ خودی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ارادے کی اہمیت اور تاثیر کے متعلق اقبال کے بڑھتے ہوئے اصرار و تائید اور حسن کی ابدیت اور تائید کی نسبت ان کے گھٹتے ہوئے یقین کو اسی فلسفے کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ایسا ذہنی تغیر ہے جو ان سے افلاطونیت اور کثرۃ الوجود کے مکاتیب تصرف سے بہت دور لا کر کھڑا کرتا ہے۔

اقبال اپنے جدید فلسفے کو بانگ درا کی آخری نظموں ، اسرار خودی اور رموز بیخودی کی مثنویوں میں اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے

گزشتہ صفحہ سے آگے۔

من رہرو و تو منزل من مزرع و تو حاصل
یا
از جان تو پیدایم در جان تو پنہانم
تو اس کی کیا توجیہ ممکن ہے ؟

فکر و خیال کو خودی کے اسی تصور سے رہنمائی حاصل ہونے لگی جس کو خواہشات ، تجسس ، توقعات ، مساعی ، عزائم ، قوت اور عمل کا قوی مرکز خیال کیا جاتا ہے ۔ زمانی احاطہ میں خودی کا وجود پایا نہیں جاتا بلکہ زمان خودی کے لیے قوت محرکہ یاقوت عمل ہے جو شمشیر براں کی طرح مشکلات ، رکاوٹوں ، اور مزاحمتوں میں سے ہو کر اپنا راستہ پیدا کرتی ہے ۔ وقت عمل کی طرح حیات اور زندگی ہے اور خودی ہے اس لیے وقت ، زندگی اور خودی کو شمشیر کے ساتھ مماثلت دی گئی ہے ۔

یہ نام نہاد خارجی دنیا اپنی مادی دولت کے ساتھ جس میں زمان و مکان کا سلسلہ بھی شامل ہے اور جذبات کا فرضی عالم تصورات و امکانات دونوں خودی کے نتائجٔ تخلیق ہیں لہذا فطرت کے یہ سارے محاسن «ارادہ» کی آفرینش ہیں[۱] ۔''

اقبال کی ذہنی کشمکش کا یہ دور ۳۳ - ۱۹۳۲ء تک بڑی شدت کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے ۔ اقبال کے نظریۂ زمان کی بحث میں یہ بات اتنی اہم نہیں کہ اقبال نے زمان کو حقیقت مطلقہ کہا ہے یا زمان و مکاں کا بطلان کہا ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اقبال کا فکر مسلسل حقیقت کی جستجو میں گرم سفر رہا ۔

«اسرار خودی» ایسی عظیم تصنیف کی تخلیق کے باوجود انہیں وہ ذہنی آسودگی میسر نہ ہوئی جو منزل مقصود پر پہنچ کر کسی انسان کو حاصل ہو سکتی ہے[۲] ۔ ہم نے مولانا گرامی کی تقلید میں غلطی سے اقبال کو پیغمبر سمجھ لیا اور یہ فرض کر لیا کہ ہر موضوع پر اقبال نے ہمیں ایک پیغام دیا ہے اور ہم اس دل بیتاب کو نہ دیکھ سکے جو حق و صداقت کی تلاش میں سیماب کی طرح رواں دواں ہے ۔ اس کے علاوہ ہم نے اقبال کے کلام کو اس طرح پڑھا جس طرح سے کسی غزل گو شاعر کے کلام کو پڑھا جاتا ہے اور اس کے ہر شعر ، نظم کے ہر مصرعے اور نثر کے ہر فقرے کو الگ الگ اکائی سمجھ کے اس پر بحث و تمحیص کے دروازے کھول دیے ۔ ہم نے اقبال کی شخصیت اور شاعری کی مکمل تصویر کی اکائی کو دیکھنے کی کوشش نہ کی ۔ اس میں ہماری زیادہ خطا بھی نہیں ہے اس لیے کہ اقبال ایسا شاعر اردو اور فارسی شاعری کی ساری تاریخ میں پہلی بار ہمارے سامنے آیا ۔ ظاہر ہے کہ ہمارے لیے ایک ایسے نووارد کو پہچاننا آسان کام بھی نہ تھا ۔ ہم نے اسے «سرا یاراں غزلخوانے شمردند» کے زمرے میں رکھا اور اس کے ان اشعار

۱۔ فکر اقبال مرتبہ پروفیسر غلام دستگیر رشید ۔ صفحہ ۲۶۲-۲۶۴ ۔

۲۔ دوستاں خرم کہ ہر منزل رسید آوارۂ
من پریشاں جادہ ہائے علم و دانش کردہ طے (اقبال)

کو جو اُس کی شخصیت اور افکار کی گتھی سلجھانے میں کلیدی حیثیت رکھتے تھے نظر انداز کر دیا۱۔ اگر ہم اقبال کے کلام میں اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کے عوض اُن مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرتے جو اقبال کے دل و دماغ کے سامنے تھے تو کلام اقبال سے کہیں زیادہ لذت اندوز اور فیض یاب ہو سکتے تھے۔ اقبال کی نظم و نثر سراپا سوال سراپا استفہام اور سراپا استفسار ہے۔ اقبال منزل نہیں جادۂ منزل کا شاعر ہے اور ایک فن کار کے طور پر یہ اُس کی عظمت کی دلیل ہے۔

مرا ز دیدۂ بینا شکایت دگر است
کہ چوں بہ جلوہ در آئی حجاب من نظر است

بلند تر ز سپہر است منزل من و تو
براہ قافلہ خورشید میل و فرسنگ است

اے خوش آن جوئے تنک مایہ کہ از ذوق خودی
در دل خاک فرو رفت و بہ دریا نرسید

گرچہ می دانم خیال منزل ایجاد من است
در سفر از پا نشستن ہمت مردانہ نیست

ہر زمان یک تازہ جولا نگاہ می خواہم از و
تا جنون فرمائے من گوید دگر ویرانہ نیست

ہوائے ناقہ و منزل ندارم سر را ہم غریب ہر دیارم

ہم بہ ہوائے جلوۂ پارہ کنم حجاب را ہم بہ نگاہ نا رسا پردہ کم بہ روئے تو

اقبال کی ذہنی کشمکش کا مذکورہ دور ۱۹۳۵ء تک رہا اور ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۲ء تک کا زمانہ اس کشمکش کی شدت کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ The Reconstruction of Religious Thought in Islam اور جاوید نامہ قریب قریب ایک ہی دور کی تصانیف ہیں۔ ان میں زیادہ بعد زمانی نہیں ہے۔ اول الذکر ۱۹۳۰ء میں اور ثانی الذکر ۱۹۳۲ء میں چھپی۔ جہاں اول الذکر تصنیف میں وہ زمان کو حقیقت مطلقہ کہتے ہیں وہاں "جاوید نامہ" میں زمان اور مکان دونوں کو محض اعتباری قرار دیتے ہیں:

عقل آدم بر جہاں شبخون زند عشق او بر لامکان شبخون زند

۱۔ اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

متاع من دل درد آشنائے نصیب من فغان نارسائے

می نداند عشق سال و ماہ را — دیر و زود و نزد و دورِ راہ را

لازمان و دوش و فردائے ازو — لا مکان و زیر و بالائے ازو

بر زمان و بر مکان اسوار شد — فارغ از پیچاک ایں زنار شد

اور جاوید نامہ کی تکمیل کے فوراً بعد کہتے ہیں :

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

اسی خیال کہ بہت قبل اقبال اس سفر میں بھی بیان کر چکے ہیں :

راہ یک گام ہے مومن کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

اسی "جاوید نامہ" میں اقبال نے زروان کو روح زمان و مکان قرار دیا ہے[۱]۔ یہاں خیال ایک بار پھر آئن اسٹائن کے نظریہ زمان و مکان پر اقبال کی تنقید کی طرف جاتا ہے جس میں اقبال لکھتے ہیں کہ زمان کو مکان کا چوتھا بعد تسلیم کرنے سے زمان کو ایک آزاد تخلیقی حرکت تسلیم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے ۔ اقبال اس اعتراض سے آئن اسٹائن کے نظریہ زمان مکان کی تغلیط کرتے ہیں[۲] لیکن یہاں زروان خود روح "مکان - زمان" بن کے سامنے آتا ہے ۔

یہ روح "مکان - زمان" نمودار ہوتے ہی اقبال سے کہتی ہے :

۱- زروان کہ روح زمان و مکان است مسافر را بہ سیاحت عالم علوی می برد (صفحہ ۱۲) ۔

۲- The universe, according to Einstein, is not a kind of island in an infinite space ; it is finite but boundless ; beyond it there is no empty space. In the absence of matter the universe would shrink to a point. Looking, however. at the theory from the standpoint that I have taken in these lectures, Einstein's Relativity presents one great difficulty, i e. the unreality of time. A theory which takes time to a kind of fourth dimension of space must, it seems, regard the future as something already given, as indubitably fixed as the past. Time as a free creative movement has no meaning for the theory.

The cause and its effect are mutually so related that the former is chronologically prior to be latter, so that if the former

بقیہ صفحہ ۲ پر

گفت زروانم جہاں را قاہرم ہم نہانم از نگہ ہم ظاہرم
بستہ ہر تدبیر با تقدیر من ناطق و صامت ہمہ نخچیر من
غنچہ اندر شاخ می بالد ز من مرغک اندر آشیاں نالد ز من
دانہ از پرواز من گردد نہال ہر فراق از فیض من گردد وصال
ہم عتابے ہم خطابے آورم تشنہ سازم تا شرابے آورم

مولانا شبیر احمد خان غوری ان اشعار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''زروان کی کارفرمائیوں کو گنانے کے بعد اسلام کے خدائے فعال لما یرید کی قدرت کاملہ کی چھاپ معلوم ہوتی ہیں ۔ ''روح زمان'' زروانیت کے اصل الاصول کی توضیح کرتی ہے جس کی رو سے زمانہ ''مبدء اولین کائنات'' ہے ۔

من حیاتم من مماتم من نشور من حساب دوزخ و فردوس و حور
آدم و افرشتہ در بند من است عالم شش روزہ فرزند من است
ہر گلے کز شاخ می چینی منم اُم ہر چیزے کہ می بینی منم
در طلسم من اسیر است ایں جہاں از دمم ہر لحظہ پیر است ایں جہاں

لیکن مولانا نے اس بند کے آخری دو اشعار نقل نہیں کیے[۱] :

''لی مع اللہ'' ہر کرا در دل نشست آن جوانمردے طلسم من شکست
گر تو خواہی من نباشم درمیاں ''لی مع اللہ'' باز خواں از عین جاں

یہ صحیح ہے کہ ''گفت زروانم جہاں را قاہرم'' سے ''ازدمم ہر لحظہ پیراست ایں جہاں'' تک اقبال نے زروان کی خصوصیات جس طرح سے بیان کی ہیں اُن سے گمان یہ ہوتا ہے کہ باری تعالی کی صفات ہیں لیکن دراصل ان میں اقبال نے نکتہ

گزشتہ صفحہ سے آگے ۔

is not, the latter cannot be If mathematical time is serial time, then on the basis of the theory it is possible, by a careful choice of the velocities of the observer and the system in which a given set of events is happening, to make the effect precede its cause. It appears to me that time regarded as a fourth dimension of space ceases to be time. A modern Russian writer, Ouspensky, in his book called Tertium Organum conceives the fourth dimension to be the movement of a three dimensional figure in a direction not contained in itself. (The Reconstruction of Religious Thought in Islam pp 38, 39)

۱۔ مولانا شبیر احمد خاں غوری محض اپنے اعتراض کو وزن دار بنانے کے لیے اقبال کے یہ دو شعر نظر انداز کر رہے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ ان دو اشعار کی موجودگی میں مولانا کے اعتراض کی نوعیت کیا ہے ۔

یہ رکھا ہے کہ یہ تمام صفات اللہ کی شیئون متعددہ ہیں اور چونکہ زمانہ استمرار شیئون باری تعالی ہی کا دوسرا نام ہے اس لیے اگر ان شیئون یا تجلیات کا سلسلہ رک جائے تو زمان اور مکان ہی نہیں بلکہ ان کا تصور ہی نابود ہو جائے۔ اس بند کے آخری دو اشعار جن میں حدیث نبوی "لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ نبی مرسل او ملک مقرب" کا[1] حوالہ ہے اسی نکتے کی گرہ کشائی کر رہے ہیں کیونکہ اگر اقبال زروان سے خدا تعالیٰ مراد لیتے تو حدیث "لی مع اللہ" کا یہاں محل استعمال باقی نہ رہتا۔

یوں تو زمان کا قریب قریب ایسا ہی تصور — "گفت زروانم جہاں را قاہرم" بھگوت گیتا میں بھی آیا ہے[2] لیکن اقبال نے لفظ زروان قدیم پہلوی اور ژند سے لیا ہے اور ژند میں یہ لفظ زمان نامحدود کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اس سے تقدیر بھی مراد لی جاتی ہے۔

۱۔ مجھے اللہ کے ساتھ وہ وقت بھی ہوتا ہے (یعنی ایسا قرب حاصل ہو جاتا ہے) کہ اس قرب میں نہ اس وقت کوئی نبی مرسل بار پا سکتا ہے نہ فرشتہ مقرب۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب وقت کا احساس ہی فنا ہو جاتا ہے۔ (یوسف سلیم چشتی)۔

۲۔ کرشن نے ارجن سے کہا: میں سراپا آتش، زمان ہوں — کائنات کو برباد کر دینے والا۔ یہاں میرا مقصد ان لوگوں کو فنا کرنا ہے۔ اگر تو (اس وقت) گرم عمل نہیں بھی ہوگا تو بھی یہ تمام دشمن کی فوج میں صف بستہ جنگ آزما زندہ نہیں رہیں گے (یہ تمام جنگ جو لوگ پہلے ہی میرے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں۔ اے ارجن! تجھے تو صرف بظاہر ایک ذریعہ ہی بننا ہے)۔
گیتا کا یہ شلوک پڑھتے وقت مجھے کلام پاک کی یہ آیت اکثر یاد آ جاتی ہے۔ "کل شی ھالک الا وجھہ" ۔ اس آیت کی شرح میں یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں: اس کا ترجمہ عموماً اردو اور انگریزی میں یوں کیا جاتا ہے کہ ہر شے ہلاک (فنا) ہونے والی ہے (بزمانہ آئندہ) حالانکہ ھالک میں زمانہ مستقبل کا مفہوم ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر شے اس وقت معرض فنا میں ہے یا اس وقت معدوم ہے چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ "تمام کائنات کی ذات ہر وقت معدوم ہے یعنی اس وقت بھی معدوم ہے" نیز مولانا عثمانی مرحوم حاشیے میں لکھتے ہیں کہ ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے" (صفحہ ۵۱۳ قرآن مجید مطبوعہ مدینہ پریس کانپور)۔

اقبال بھی اپنے اس دور فکر میں زمانے کو تقدیر کا مترادف قرار دیتے ہیں اور اس کی تشریح یوں کرتے ہیں :

''وقت کو جب ہیئت و ترکیب کے اعتبار سے ایک مکمل نظام تصور کیا جاتا ہے تو قرآن کے الفاظ میں اسے تقدیر کہا جاتا ہے اور تقدیر ایک ایسا لفظ ہے جس کے مفہوم کو بڑی حد تک مسلمان اور غیر مسلمان علماء نے غلط سمجھا ہے۔ تقدیر زمان ہی ایک صورت ہے لیکن امکانات کے انکشاف سے قبل کی صورت''۔

مولانا شبیر احمد اسی نظریے پر معترض ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ نظریہ قدیم زروانیت کی اختراع ہے اور تعلیم اسلام سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین نے بھی اس مسئلے پر ''روح اقبال'' میں بحث کی ہے لیکن اس بحث کو بڑی حد تک نامکمل چھوڑ دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

جاوید نامہ میں اقبال نے جہاں اپنے آسمانی سفر کے آغاز کا ذکر کیا ہے وہاں وہ زمان کے فرشتے زروان[۲] سے ملاقات کا حال بیان کرتا ہے۔ زمان و مکان کا فرشتہ اقبال کو عالم علوی کی سیر کے لیے لے جاتا ہے۔ باتوں باتوں میں زروان حیات و تقدیر کے اسرار شاعر پر کھول دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نہاں بھی ہوں اور ظاہر بھی، زندگی بھی ہوں اور موت بھی، دوزخ بھی ہوں اور جنت بھی، پیاسا بھی کرتا ہوں اور پیاس کو بجھاتا بھی ہوں۔ یہ تدبیر میری تقدیر سے وابستہ ہے۔ شاخ میں غنچہ بغیر میرے حکم کے نہیں کھلتا اور گھونسلے میں جو چڑیاں چہچہاتی ہیں تو وہ بھی میرے اشارے پر غرض کہ سارا جہاں میرے طلسم میں اسیر ہے۔

---

1. It is time regarded as an organic whole that the Quran describes as 'Taqdeer' on the destimy a word which has been so much immedastood both in and outside the world of Islam. Destiny is time regarded as prioi to the disclasure of its pomssibities (the Reconstruction of of Religious thought in Islam).

۲۔ اگرچہ اس تحریر میں ڈاکٹر یوسف حسین خان نے ایک بار زروان کو زمان و مکان کا فرشتہ لکھا ہے لیکن حاشیے میں وہ پھر زروان کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''قدیم ایرانی الٰہیات میں زمان کا فرشتہ ہے'' حالانکہ اقبال خود زروان کو روح زمان و مکان کہہ کے قاری سے اس کا تعارف کراتے ہیں۔ گویا ڈاکٹر یوسف حسین خان کے نزدیک اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں کہ زروان زمان کا فرشتہ ہے یا ''مکان۔ زمان'' کا۔

زمانے اور تقدیر کا مسئلہ اسلامی علم کلام میں بڑا معرکہ آرا مسئلہ رہا ہے - اقبال نے اپنے عام ذہنی رجحان کے رنگ میں اس مسئلے کا حل پیش کیا ہے - وہ زمانے کی تسخیر کو تقدیر پر قابو پانے کے لیے از بس ضروری خیال کرتا ہے'' -

ڈاکٹر یوسف حسین خان نے اس بحث میں اس اہم نکتے کو چھیڑا تک نہیں کہ زروان یعنی روح زمان و مکاں کے ساتھ اقبال نے وہ خصوصیتیں وابستہ کی ہیں جو صرف ذات الٰہی کے ساتھ متصف ہو سکتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ روح زماں و مکاں یہ بھی کہتی ہے کہ:

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست آں جوانمردے طلسم من شکست
گر تو خواہی من نباشم درمیاں لی مع اللہ باز خواں از عین جاں

مولانا شبیر احمد خان غوری نے مذکورہ بالا دو اشعار نظر انداز کرتے ہوئے اپنا اعتراض بال جبریل کی نظم ''مسجد قرطبہ'' کے سلسلے میں یہ کہہ کر دہرایا ہے:

''آخری شاہکار جس میں اُنھوں نے اس مسئلے کو در خور اعتنا سمجھا ''بال جبریل'' ہے جو ۱۹۳۵ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی'' -

دراصل اقبال نے مسئلہ زمان پر اپنے غور و خوض کو کبھی معطل نہیں کیا - نہ ہی ''بال جبریل'' اُن کا آخری شاہکار ہے جس میں ''اُنھوں نے اس مسئلے کو در خور اعتنا سمجھا ہو'' - ''بال جبریل'' کی نظم ''مسجد قرطبہ'' کے بعد اس مسئلے پر اُن کے افکار ''ضرب کلیم'' اور ''ارمغان حجاز'' دونوں مجموعوں میں موجود ہیں لیکن ''ضرب کلیم'' اور ''ارمغان حجاز'' تک آتے آتے اقبال کے نظریہ زمان میں جو تبدیلی رونما ہوئی اُس کا ذکر کرنے سے قبل ڈاکٹر عالم خوندمیری کے خیالات سے مستفید ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے - ڈاکٹر عالم خوندمیری اس مسئلے کی گرہ کشائی کرتے وقت منطق کو نہیں بلکہ وجدان کو رہنما بناتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اقبال کے کسی بھی نظریے کا تجزیہ کرتے وقت ہمارے لیے مناسب طریق کار یہی ہے کہ ہم اقبال کے فلسفیانہ افکار کا مطالعہ اُس کے وجدان کی روشنی میں کریں کیونکہ کسی بھی کورے فلسفی کو ''کبھی حیرت کبھی مستی کبھی آہ سحر گاہی'' کی منزل سے گزرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوتی - یہ سعادت شاعر فلسفی کے نصیب میں تو آسکتی ہے لرے فلسفی کے حصے میں نہیں -

عالم خوندمیری اپنے مقالے ''Conception of Time''[1] میں اس مسئلے کی عقدہ

---

1. Iqbal, Poet Philosopher of Pakistan - Columbia University Press, Newyork and London, 1971.

کشائی یوں کرتے ہیں :

It was not Iqbal the philosopher, who became concious of the importance of time. On the contrary, it was the poet that forced the philosopher to look for the immediate fact of experience.

ڈاکٹر عالم خوندمیری نے اس قصر فکر کی خشت اول کو جس سلیقے اور حسن کے ساتھ اپنی جگہ پر رکھا ہے اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں لیکن اس کے فوراً بعد ہی آپ اس سلسلے میں اقبال کے نظریہ زمان کی متعدد منزلیں مقرر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

As a young poet he had a vision of the divastating aspect of time

اپنے اس دعوے کی دلیل میں عالم خوندمیری ، اقبال کی نظم "حقیقت حسن" پیش کرتے ہیں - یہاں میں یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ "حقیقت حسن" ۱۹۰۵ء کی نظم ہے اور یہ نظم اقبال نے اس وقت کہی جب وہ پہلی بار یورپ پہنچے تھے - اس نظم کا خیال بقول اقبال ایک جرمن نظم سے ماخوذ ہے - خیر زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ۱۹۰۵ء تو بہت دور کی بات ہے - ۱۹۰۸ء تک جب ان کی دوسری تصنیف Development of Metaphysics in Persia شائع ہوئی انھوں نے نظریہ زمان و مکان سے کوئی علاقہ نہیں رکھا - اس وقت تک بلکہ ۱۹۱۰ء تک ان کی نظم و نثر اور مکاتیب اس موضوع سے قطعاً خالی ہیں - ۱۹۱۰ء کا ذکر بھی میں اس لیے کرتا ہوں کہ اس برس کی ایک نظم "سیر فلک" میں یہ شعر :

حلقۂ صبح و شام سے نکلا\
اس پرانے نظام سے نکلا

موجود ہے ورنہ دراصل اگر دیکھا جائے تو ۱۹۱۰ء سے قبل جب کہ مثنوی "اسرار خودی" چھپی ان کی نظم ، اردو یا انگریزی نثر یا مکاتیب میں کہیں بھی دور دور تک تصور زماں کا سراغ نہیں ملتا - اقبال کے یہاں devastating aspect of time کا تصور ملتا ضرور ہے لیکن اپنی قطعی صورت میں یہ پہلی بار "پیام مشرق" میں نظر آتا ہے جس میں وقت کہتا ہے :

چنگیزی و تیموری مشتے ز غبار من

لیکن اس کے ساتھ جب کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وقت یہ بھی کہتا ہے :

پنہاں بہ ضمیر من صد عالم رعنا بین\
صد کوکب غلطاں بین صد گنبد خضرا بین

از جاں تو پیدایم در جان تو پنہانم

یا

من رہرو و تو منزل من مزرع و تو حاصل

——اور ''پیام مشرق'' ۲۵ء کی تصنیف ہے ۔ اس تصور کو کھینچ کے ۱۹۰۵ء تک لے جانے کا بظاہر کوئی جواز نظر نہیں آتا ۔

اس کے بعد بھی تصور جاوید نامہ (۱۹۳۲ء) میں بھی نظر آتا ہے جب کہ ''زروان کہ روح زمان و مکان است'' زندہ رود سے کہتا ہے :

زروانم جہان را قاہرم

لیکن یہاں بھی یہ تصور یہیں تک محدود نہیں رہتا بلکہ روح زمان و مکان ساتھ ہی یہ بھی کہتی ہے :

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست

ڈاکٹر عالم خوندمیری نے ''حقیقت حسن'' کو اقبال کے تصور زمان کی پہلی منزل قرار دینے کے بعد ''خضر راہ'' کو یہ کہہ کر آخری منزل قرار دیا ہے ۔

Finally, in Khizr-i-Rah (The Guide), the last poem of "Bang-i-Dara", the concept of time as a ceaseless duration emerges[1].

۱۔ ''بانگ درا'' کی آخری نظم ''خضر راہ'' نہیں ہے بلکہ ''طلوع اسلام'' ہے ۔ اگرچہ دونوں نظموں میں زمانی بعد بہت زیادہ نہیں ہے ۔ صرف دو برس کا فرق ہے لیکن دونوں نظموں کے ماحول اور پس منظر میں زمین آسمان کا فرق ہے (زمان و مکان کا فرق ہے) ۔ ''خضر راہ'' ۲۱-۱۹۲۰ میں کہی گئی جب ابھی ''بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفےٰ'' اور ''خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش'' کا صدمہ تازہ تھا اور مشرق وسطی کے مسلمان مایوسی اور نا امیدی کے طوفان میں غرق تھے اور دو برس بعد جب مصطفےٰ کمال نے یونانیوں کو شکست دے کر اس بات کا ثبوت پیش کر دیا کہ ترکمان سخت کوش صرف خاک و خون میں ملنے ہی کے لیے پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ یونانیوں کو شکست فاش دینے کے ساتھ ہی ساتھ سمرنا کو فتح کرکے برطانوی ارادوں کو خاک میں ملا سکتا ہے تو اقبال کے یہاں یہ سارا تاثر ''طلوع اسلام'' کی صورت میں ظاہر ہوا اور

ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبور نیاز

کی جگہ

افق سے آفتاب ابھرا گیا دور گراں خوابی
عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا

اور

نے لے لی ۔

ڈاکٹر عالم خوندمیری نے اقبال کے تصور زمان کی پہلی اور آخری منزل کا تعین کرنے میں ایک طرح سے مختصر رستے کو اپنایا ہے اور اس کے بعد آپ نے اگرچہ اسرارخودی، پیام مشرق، جاوید نامہ اور بال جبریل کے حوالوں سے اقبال کے نظریہ زمان کی نشان دہی بڑے عالمانہ انداز سے کی ہے لیکن ڈور کا سرا آپ کے ہاتھ سے نکل گیا ہے چنانچہ وہ اس مقالے کے آخری حصے میں انتہائی مایوسی کے ساتھ کہتے ہیں :

Iqbal clearly says that beyond Him and apart from His creative activity, there is neither time nor space to exclude Him from any reference to other egos He calls the space and time the possibilities of ultimate ego, only partially realized in the shape of mathematical time and space. These two statements put together do not convey a clear idea

دراصل ڈاکٹر عالم خوندمیری نے اقبال کے وجدان کو اپنا رہنما بنانے کے باوجود یہاں آ کر پھر منطق کا سہارا لے لیا کیونکہ دونوں بیانات میں کوئی تضاد یا الجھن نہیں ہے ۔ صرف اقبال کے فقروں کی ترتیب بدل دینے سے "غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر" کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے ۔ اقبال کی مکمل عبارت صحیح ترتیب کے ساتھ یوں ہے :

There is, however, one question which will be raised in this connection. Does not individuality imply finitude? If God is an ego and as such an individual, how can we conceive Him as infinite? The answer to this question is that God cannot be conceived infinite in the sense of spatial infinity. In matters of spiritual valuation mere immensity accounts for nothing. Moreover, as we have seen before, temporal and spatial infinities are not absolute. Modern science regards Nature not as something static, situated in an infinite void, but a structure of inter-related events out of whose mutual relations arise the concepts of space and time. And this is only another way of saying that space and time are interpretations which thought puts upon the creative activity of the ultimate Ego. Space and time are possibilities of the Ego only partially realized in the shape of our mathematical space and time Beyond Him and apart from His crevtive activity, there is neither time in nor space to close Him off in reference to other egos The Ultimate Ego is, therefore, neither infinite in the sense of spatial infinity nor finite in the sense of the space—bound human ego whose body closes him oft in reference to other egos The infinity of the Ultimate Ego consists in infinite inner possibilities of His creative activity of which the universe, as known to us, is only a partial expression. In one word God's

infinity is intensive, not extensive. It involves an infinite series, but is not that series[1].

یہاں اقبال کا یہ کہنا کہ Space and time are interpretations (مکاں کیا ہے اک انداز بیان ہے) دراصل اقبال کے نظریہ زمان و مکان کی آخری اور قطعی صورت ہے - The Reconstruction of Religious Thought in Islam ۱۹۳۰ء کی تصنیف سہی لیکن یہ حقیقت

Beyond Him and apart from His creative activity there is neither time nor space.

(نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ)

اقبال پر وقتاً فوقتاً منکشف ہوتی رہی اور جہاں ایک فلسفی کا دماغ اس حقیقت سے پرے بھٹکتا بھی رہا وہاں یہی حقیقت اس کے وجدان کو چمکاتی بھی رہی اور اسے کیفیت اطمینان بھی بخشتی رہی - یہاں پھر ڈاکٹر عالم خوندمیری کے یہ دو جملے جن میں ایک پیغمبرانہ صداقت دکھائی دیتی ہے میں دہرانا مناسب سمجھتا ہوں :

It was not Iqbal the philosopher who became concious of the importance of time. It was the poet that forced the philosopher to look for the immediate fact of experience

فکری اعتبار سے اقبال کا نظریہ زمان ''اسرار خودی'' سے ''پیام مشرق'' اور ''پیام مشرق'' سے ''جاوید نامہ'' تک جن منزلوں میں سے گذرا اُن کی ایک ہلکی سی جھلک سطور بالا میں پیش کی جا چکی ہے۔ بال جبریل کے متعلق مولانا شبیر احمد خان غوری جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لکھتے ہیں آخری شاہکار جس میں انھوں نے اس مسئلے کو در خور اعتنا سمجھا ''بال جبریل'' ہے جو ۱۹۳۵ء میں منظر عام پر آئی لیکن اقبال کی تصانیف مولانا شبیر احمد خان کے اس دعوے کی تائید نہیں کرتیں - بال جبریل کے بعد ضرب کلیم اور ضرب کلیم کے بعد ارمغان حجاز شائع ہوئی اور دونوں میں اقبال کا نظریہ زمان و مکان مختلف منزلوں سے گذرتا نظر آتا ہے - بال جبریل ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی اور ضرب کلیم ۱۹۳۶ء میں - ان دونوں کتابوں کا بعد زمانی محض برائے نام ہے لیکن یہی وہ دور ہے جب اقبال کے نظریہ زمان میں ہمیں ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے - قیاس غالب یہ ہے کہ اس وقت تک حدیث مذکور لا تسبو الدھر فان الدھر ھو اللہ کے مفہوم پر اقبال شاید دوبارہ غور کر چکے تھے اور حدیث کے اس مفہوم تک پہنچ چکے تھے کہ زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالی مقلب زمانہ ہے - چنانچہ ضرب کلیم کے ابتدائی صفحات ہی میں اقبال کا نظریہ زمان اس شعر کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے :

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

1. (The Reconstruction of Religious Thought in Islam—p 64).

صرف یہی نہیں بلکہ اس دور میں زمان کو اُن خصوصیات سے لاتعلق قرار دیتے ہیں جو حقیقت مطلقہ کی خصوصیات ہیں اور پیمائش زمان و مکان کو محض ایک مقام فکر قرار دیتے ہیں :

مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکان
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

اس کے بعد ارمغان حجاز شائع ہوئی جو علامہ مرحوم کا آخری مجموعۂ کلام ہے ۔ اُس میں زمان کے متعلق اقبال کا نظریہ اسرار خودی اور جاوید نامہ میں بیان کیے ہوئے نظریے سے بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے اور یہی اس کی ارتقائی اور قطعی صورت ہے جس کی طرف اس بات چیت میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ اُس زمانے میں اقبال نے اُردو یا انگریزی نثر میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ورنہ ممکن ہے وہ زمان کے بارے میں اپنے نظریے کی یہ صورت زیادہ وضاحت سے پیش کرتے اور شاید اُس وقت حدیث مذکورہ کا بالکل لفظی ترجمہ Don't vilify time for time is God نہ کرتے بلکہ اکثر و بیشتر علمائے اسلام کے تتبع میں لفظ دہر سے خدا کی صفت ارادی مراد لیتے اور ترجمہ کچھ اس انداز کا ہوتا کہ

Do not vilify time for time is an essential element of Ultimate Reality.

اور یہ اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ اپنے لیکچر

Knowledge And Religious Experience

میں اقبال نے حدیث مذکورہ کا جو ترجمہ پیش کیا ہے اُس سے اُوپر کی سطر میں اقبال ہی کا کیا ہوا سورۃ النور کی چوالیسویں آیت کا ترجمہ یہ ہے :

God causeth the day and the night to take their turn. Verily in this is teaching for men of insight.

اور «ارمغان حجاز» کی اکثر رباعیات سے اس خیال کی تائید بھی ہوتی ہے ۔ ان رباعیات میں «دہر» کو اُن خصوصیات کا حامل نہیں بتایا گیا جو ذات باری تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں مثلاً

تو می گوئی کہ دل از خاک و خون است گرفتار طلسم کاف و نون است
دل ما گرچہ اندر سینۂ ماست و لیکن از جہان ما برون است

جہان دل جہان رنگ و بو نیست در و پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست درین عالم بجز الله ہو نیست

غالباً یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اس نظریے پر نظرثانی اقبال نے «بال جبریل»

کے زمانے ہی میں شروع کر لی تھی اور جب وہ سلسلۂ روز و شب کو نقش گر حادثات اور حیات و ممات کہہ رہے تھے اُسی زمانے میں اُنھوں نے دہر اور حقیقت مطلقہ کے خصائص میں امتیاز کرنا شروع کر دیا تھا اور اس قسم کے افکار کا اظہار شروع ہو چکا تھا :

خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں ‏ ‏ نگہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں
امان شاید ملے اللہ ہو میں ‏ ‏ نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاہی

جہاں روشن ہے سوز لا الہ سے ‏ ‏ خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے
اگر دیکھیں فروغ مہر و مہ سے ‏ ‏ فقط اک گردش شام و سحر ہے

اس ضمن میں بال جبریل ہی کی دو نظمیں ''ساقی نامہ'' اور ''زمانہ'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن میں آپ کہتے ہیں :

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے ‏ ‏ دنوں کے اُلٹ پھیر کا نام ہے

.... ‏ ‏ ....

تری آگ اس خاکداں سے نہیں ‏ ‏ جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر ‏ ‏ طلسم زمان و مکاں توڑ کر

(ساقی نامہ)

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا مشتاق ہے زمانہ

ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ

مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اُس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

اور گلشن راز جدید تو زبور عجم کے ساتھ ہی ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اُس میں یہ حقیقت کہ زمان و مکان حقیقت مطلق نہیں ہیں بلکہ اضافی حیثیت رکھتے ہیں ان اشعار میں نمایاں ہوتی ہے :

سہ پہلو این جہان چون و چند است ‏ ‏ خرد کیف و کم او را کمند است
جہان طوسی و اقلیدس است این ‏ ‏ پے عقل زمیں فرسا بس است این
زمانش ہم مکانش اعتباری است ‏ ‏ زمین و آسمانش اعتباری است
کمان را زہ کن و آماج دریاب ‏ ‏ ز حرفم نکتۂ معراج دریاب
مجو مطلق دریں دیر مکافات ‏ ‏ کہ مطلق نیست جز نور السمٰوات
حقیقت لازوال و لامکان است ‏ ‏ مگو دیگر کہ عالم بیکران است

گران او درون است وبروں نیست — درونش پست بالا کم فزوں نیست
درونش خالی از بالا و زیر است — ولے بیرون او وسعت پذیر است
ابد را عقل ما ناسازگار است — 'یکی' از گیرو دار او بزار است
چولنگ است او سکوں را دوست دارد — نہ بیند مغز و دل بر پوست دارد
حقیقت را چو ما صد پارہ کردیم — تمیز ثابت و سیارہ کردیم
خرد در لامکاں طرح مکاں بست — چو زنارے زماں را بر میاں بست
زماں را در ضمیر خود ندیدم — مہ و سال و شب و روز آفریدم
مہ و سالت نمی ارزد بیک جو — بحرف ''کم لبثتم'' غوطہ زن شو

بخود رس از سر ہنگامہ بر خیز
تو خود را در ضمیر خود فرو ریز

تن و جاں را دو تا گفتن کلام است — تن و جاں را دوتا دیدن حرام است
بجاں پوشیدہ رمز کائنات است — بدن حالے ز احوال حیات است
عروس معنی از صورت حنا بست — نمود خویش را پیرایہ ہا بست

حقیقت روے خود را پردہ باف است
کہ او را لذتے در انکشاف است

بدن را تا فرنگ از جاں جدا دید — نگاہش ملک و دیں را ہم دو تا دید
کلیسا سبحہ' پطرس شمارد — کہ او با حاکمی کارے ندارد
بکار حاکمی مکر و فنے بیں — تن بے جان و جان بے تنے بیں
خرد را با دل خود ہم سفر کن — یکے بر ملت ترکاں نظر کن[1]

گویا زماں کو حقیقت مطلقہ نہ سمجھنے کا دور ضرب کلیم اور ارمغان حجاز سے پہلے بھی اقبال پر گزر چکا تھا۔

بلکہ جہاں تک مکان و لامکان کا تعلق ہے اسے بھی وہ ۳۵-۱۹۳۲ء میں محض ایک اصطلاح یا انداز بیان سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے چنانچہ کہتے ہیں :

وہی اصل مکان و لامکاں ہے — مکاں کیا شے ہے انداز بیاں ہے
خضر کیونکر بتائے کیا بتائے — اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

۱۔ مثنوی گلشن راز جدید۔ صفحہ ۲۱۵، ۲۱۹ ۔

مطبوعات ادارۂ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱- اصطلاحات معاشیات	۱۰/-
۲- اصطلاحات نفسیات	۱۰/-
۳- اصطلاحات اطلاقی نفسیات	۱۰/-
۴- اضافیت کا نظریہ خصوصی ، از جناب خالد لطیف میر	۱۶/-
۵- سوتی گیس اور اس کا مصرف ، ڈاکٹر محمد انذیر رومانی	۱۵/-
۶- ہم ربطی کیمیا ، ڈاکٹر محمد ظفر اقبال ، ڈاکٹر نصیر احمد	۱۰/-
۷- فولاد سازی ، ڈاکٹر فضل کریم و آئی ایچ خان	۱۸/-
۸- نظریہ گروپ ، از جناب عبدالحمید	۱۴/-
۹- تسونت مادے ، از ڈاکٹر ایم - اے عظیم	۳/۵۰
۱۰- جبذ ، از ڈاکٹر ایم - اے عظیم	۳/۵۰
۱۱- ایٹم کی ساخت ، از ڈاکٹر شفیق حسین	۱۲/-
۱۲- شماریاتی میکانیات ، از ڈاکٹر عبدالبصیر پال	۱۰/-
۱۳- مرکزائی کیمیا ، از ڈاکٹر ظفر اقبال	۱۵/-
۱۴- فونڈری ٹیکنالوجی ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-
۱۵- مرکزائی اشعاع اور زراعت میں ان کی اہمیت ، از ڈاکٹر احمد سعید بھٹی	۱۰/-
۱۶- تجاذب اور سیاروی حرکت ، از ڈاکٹر عبدالبصیر پال	۱۲/-
۱۷- صنعتی معاشریات ، از پروفیسر ڈاکٹر سی اے قادر	۱۰/-
۱۸- قاموس نباتیات ، از جناب وہاب اختر عزیز	۱۵/-
۱۹- علم افزائش آبادی کے تکنیکی پیمانے ، از جناب مظہر حسین	۱۲/-
۲۰- کیمیائی بند و ساخت ، از ڈاکٹر محمد ظفر اقبال	۱۴/-
۲۱- ویکٹر اور ٹینسر ، جناب خالد لطیف میر	۲۵/-
۲۲- پاکستان کی معدنی دولت ، از جناب ذوالفقار احمد	۲۲/-
۲۳- دھاتیں اور ان کے استعمالات ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-

ملنے کا پتہ :

سیلز ڈپو ، پنجاب یونیورسٹی ، اولڈ کیمپس ، لاہور

شیخ سر عبدالقادر (مرحوم)

اقبال

(ماخوذ از خدنگ نظر مئی ۱۹۰۲ء)

[ذیل میں مسٹر محمد اقبال صاحب ایم - اے کی شاعرانہ لائف درج ہے جو ہمارے نامور ہم عصر شیخ محمد عبدالقادر بی - اے ایڈیٹر مخزن کے تراوش قلم کا نتیجہ ہے - مسٹر موصوف کی لائف لکھنے کے لیے شیخ صاحب سے زیادہ تمام پنجاب میں دوسرا اہل قلم موزوں نہ تھا جو سخن سنجی میں پوری مہارت رکھتے ہیں - اسی لیے ہم نے معزز ہمعصر کو بار بار مجبور کیا کہ وہ اپنے قابل فخر دوست کے وہ شاعرانہ حالات قلم بند فرمائیں جو وقتاً فوقتاً اُن کی نکتہ سنج نظر سے گزرتے رہے ہیں - اس لائف کے متعلق ہمیں اتنا اور جتا دینا ہے کہ یہ پرانے اصول مذکرہ سے بالکل جداگانہ ہے لیکن جدید فن بیا گرفی کا کوئی پہلو فروگذاشت نہیں ہونے پایا ہے - ایڈیٹر (خدنگ نظر)]

چند سال پہلے لاہور میں ایک بزم مشاعرہ قائم تھی ، اور پنجاب کے اکثر نامور شعرا اُس میں غزلیں کہہ کر لاتے تھے اور داد سخن پاتے تھے - کچھ کہنہ مشق حضرات تھے جو دہلی یا لکھنؤ سے تعلق رکھتے تھے - یا اساتذہ دہلی و لکھنؤ کی صحبت سے مستفید ہو چکے تھے - کچھ نو آموز تھے جو ان حضرات میں سے کسی نہ کسی کے معرف تھے - مشاعرہ کیا تھا سخن وروں کا ایک خاصہ دنگل تھا - پہلے تلامذہ غزلیں پڑھتے تھے اور ایک دوسرے کے اُستادوں پر کوئی چوٹ کر جاتے تھے اور اپنے اپنے اُستاد کو بڑھا جاتے تھے - پھر اُستادوں کی نوبت آتی تھی - وہ بھی حریفوں کو پہچانتے تھے اور باہمی اشارے کنایہ سے رک نہ سکتے تھے - یہ دل لگی شاعری کو تو ڈبو رہی تھی ، مگر مشاعرہ کے لیے باعث فروغ تھی - تماشائی جوق جوق آتے تھے اور گھنٹوں یہ تماشا دیکھتے رہتے تھے - اس گروہ میں کبھی کبھی ایک کثیر تعداد سرکاری کالجوں کے طلبہ کی آ جاتی تھی - ان میں سے اکثر انگریزی تعلیم کی وجہ سے ایشیائی شاعری کے مذاق سے نا آشنا ہوتے تھے - مگر تقاضائے سن تھا کہ ایسے مشغلے کو دلچسپ سمجھیں - آتے تھے اور اپنے اپنے دوستوں کو بلا لاتے تھے - ایک دن مقابلۂ سخن گستری حد جدال پر پہنچنے کو تھا کہ اچانک طلبہ کے گروہ میں سے ایک نوجوان اُٹھا - عمر بیس سے کچھ متجاوز

ہوگی ۔ رواج وقت کے مطابق داڑھی چٹ ۔ موچھیں بڑھائی ہوئی ۔ لباس نئے اور پرانے فیشن کے بین بین ۔ سیدھا اُس کرسی کی طرف بڑھا جس پر بیٹھ کر شعرا غزل خوانی کرتے تھے ، اور بیٹھتے ہی یہ مطلع پڑھا :

ہم آزمائیں ہان کو زبان سے نکال کے
یہ صدقے ہوگی میرے سوال وصال کے

مطلع کا پڑھنا تھا کہ کئی سخن آشنا کان متکلم کی طرف لگ گئے اور کئی آنکھیں اُس کی طرف متوجہ ہوگئیں ۔ مشاعرہ میں یہ رسم تھی کہ دبیر مجلس ہر سخن ور کی تعریف کرکے اُس سے حاضرین کی شناسائی کرا دیتا تھا ۔ مگر اس نوجوان منچلے شاعر سے خود دبیر مجلس نا واقف تھا ۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ پہلے حضرت کی تعریف تو فرمائیے ۔ نوجوان شاعر نے کہا ”لیجیے میں خود عرض کیے دیتا ہوں کہ میں کون ہوں ۔ خاکسار کو اقبال کہتے ہیں اور یہی میرا تخلص ہے ۔ سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں اور یہاں کے سرکاری کالج میں بی ۔ اے کی جماعت میں پڑھتا ہوں حضرت داغ سے تلمذ کا فخر حاصل ہے ۔ یہاں کے کسی بزرگ سے نہ خصوصیت ہے نہ خصومت ۔ چند شعر لکھ کر لایا ہوں اگر اجازت ہو تو پڑھ سناؤں“۔ مختلف آوازیں آئیں کہ فرمائیے، فرمائیے ۔ اور ہمارے نوجوان شاعر نے غزل کے باقی شعر پڑھنے شروع کیے ۔ قریب قریب ہر شعر پر بیساختہ داد ملی ۔ یہاں تک کہ اس شعر تک پہنچا :

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

مرزا ارشد گورگانی دہلوی تشریف رکھتے تھے بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھے اور بولے ”میاں اقبال اس عمر میں اور یہ شعر !“ اور واقعی اس رنگ کی کہنے والے کی عمر اور وضع سے توقع نہیں ہو سکتی تھی ۔ غرض اس طرح غزل ختم ہوئی اور مقطع میں شاعر نے دہلوی اور لکھنوی پارٹی کے جھگڑے پر اپنے خیال کا اظہار نہایت خوبی سے کر دیا اور اس میں شک نہیں کہ اس جھگڑے کے متعلق اہل پنجاب کا جو دونوں مقامات کے اصحاب فن کے خرمن کے خوشہ چیں ہیں یہی مسلک ہونا چاہیے ۔ مقطع یہ تھا :

اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خم زلف کمال کے

یہ پہلا موقع تھا کہ لاہور کے سخن دانوں کو اس اُبھرتے ہوئے شاعر سے شناسائی حاصل ہوئی ۔ اس کے بعد کبھی کبھی مشاعرہ ہوتا رہا ۔ اور سخن فہم حضرات

اقبال کی غزلوں پر پسندیدگی کا اظہار کرتے رہے لیکن کچھ تو رفتہ رفتہ مشاعرے کی گرم بازاری نہ رہی ، کچھ امتحانات وغیرہ نے کالجوں کے طلبہ کو مصروف کر دیا ، اور کچھ عرصے کے لیے اقبال کی طباعی کا چرچا گورنمنٹ کالج لاہور کے طلبہ اور ان کے ملنے والوں تک محدود ہو گیا - پہلا عام جلسہ جس میں دوستوں کے اصرار سے اقبال کو پبلک کے رو برو کھینچ بلایا انجمن حمایت اسلام کا عظیم الشان جلسہ بابت ۱۸۹۹ء تھا جہاں اُس نے ''نالۂ یتیم'' کے عنوان سے ایک دل گداز نظم پڑھی - یہ نظم ایسی مقبول ہوئی کہ جلسے میں بار بار اُس کے پڑھنے کی فرمائش ہوئی تھی اور اس پر یتیم خانے کے لیے چندے کی بارش ہو رہی تھی - اس نظم نے اس شہرت کی بنیاد رکھی جو اب اطراف ہند کو گھیری جا رہی ہے - اس سے قبل خود کار کنان انجمن کو ان کے نام اور جوہر سے یہاں تک ناواقفیت تھی کہ اُنہوں نے یہ دیکھ کر کہ شیخ محمد اقبال ایم - اے پاس کر چکے ہیں یہ قیاس کر لیا کہ وہ نظم انگریزی فرمائیں گے اور پروگرام میں اُن کے نام کے مقابل نظم انگریزی چھاپ دیا - اُن کے احباب کو یہ کیفیت دیکھ کر ہنسی آئی - مگر انہوں نے کہا کہ خیر لوگ خود ہی دیکھ لیں گے کہ کم از کم اس شخص کی حالت میں انگریزی خوانی مذاق زبان اور علوم مشرقیہ کے پڑھنے میں سد راہ نہیں ہوئی - اور ایسا ہوتا بھی کیوں - کیوں کہ اس کی انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُس کی علوم مشرقیہ کی تعلیم میں بھی پوری کوشش کی گئی تھی - اور وہ اُن چند آدمیوں میں ہیں جو جو اعلیٰ درجے کی انگریزی دانی کے ساتھ فارسی اور عربی سے بھی اچھی واقفیت رکھتے ہیں اور مزید لطف یہ ہے کہ سنسکرت سے بھی نا آشنا نہیں -

نالۂ یتیم کے پڑھے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاضرین جلسہ جس میں پنجاب اور ہندوستان کے اکثر اضلاع سے لوگ آئے ہوئے جمع تھے اپنے اپنے ہاں اُس نظم کے اثر کو لے گئے - اور اس دن سے آج تک نہ صرف انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے کے پروگرام میں نظم اقبال ایک جزو ضروری بن گئی ہے ، بلکہ لاہور میں کوئی اور بھی عظیم الشان جلسہ بغیر نظم اقبال کے مکمل نہیں ہوتا - اپریل ۱۹۰۱ء سے رسالہ مخزن کے اجرائے اقبال سے اخبار بیں دنیا کو شناسا کر دیا ہے اور جو کلام اُن کا اس رسالے میں شائع ہوا ہے وہ قوت بیان اور جوش سخن کے ساتھ اعلیٰ درجے کی علمی معلومات کا ثبوت دے رہا ہے اور صاف بتا رہا ہے کہ کہنے والا انگریزی عربی اور فارسی علم ادب پر اچھا عبور رکھنے کے علاوہ سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب کے بھی قدردانوں میں ہے - اور اپنے کلام کو ایسا گلدستہ بنا لیتا ہے - جس میں مختلف گلشنوں کے پھول ترتیب سے جمع کیے ہوتے ہیں - یہ سمجھنے کے

نہی کہ ایسا پختہ اور وسیع مذاق پچیس چھبیس سال کی عمر میں کیونکر پیدا ہو گیا۔ ضرورت ہے کہ شیخ محمد اقبال کی ابتدائی عمر اور تعلیم اور تربیت پر مختصراً نظر ڈالی جائے۔

ہمارے خیال میں اس میں وراثت کو بھی دخل ہے اور تربیت کو بھی۔ شیخ صاحب کاشمیری الاصل ہیں اور انہیں کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق ہے - جس کی ایک شاخ اب تک وطن اصلی میں موجود ہے۔ خاندان کی وہ شاخ جس میں شیخ صاحب ہیں دو سو سال ہوئے مسلمان ہو گئی۔ گوت ان کی "سپرو" ہے اور ان کے بزرگوں کا اسلام پر ایمان لانا ایک ولی کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے ہوا - جو بزرگ اول میں مسلمان ہوئے اُن کے پوتے پنجاب میں آ کر آباد ہوئے اور اس نقل مکان کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ خاندان سادات کے ایک بزرگ کے بیٹے کو پنجاب کی سیر کرانے کی تقریب سے یہاں آئے اور آخر یہیں کے ہو رہے :

غربت کے مشغلوں نے وطن کو بھلا دیا
خانہ خراب خاطر اُلفت شعار کا

اس حکایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اہل اللہ سے ارادت اور مشائخ اور اولیاء کی نسبت حسن عقیدت اس خاندان کی طبیعتوں کا جزو ہو چکے ہیں اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ شیخ محمد اقبال کے والد اگرچہ اُمی ہیں مگر تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور صوفیاء کے اکثر حالات پر حاوی ہیں اور اُن کے اقوال انہیں یاد ہیں - یہ موروثی مذاق ہمارے نوجوان شاعر میں بھی موجود ہے اور اس کی شاعری کا ضروری جزو بن گیا ہے -

شیخ محمد اقبال کے زمانۂ تعلیم میں کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں جو خصوصیت سے قابل ذکر ہو - اکثر مسلمان بچوں کی طرح کچھ دنوں مکتب کی ہوا کھائی - پھر مدرسے میں داخل ہوئے - انگریزی شروع کی ، پھر کالج کے مدارج میں پہنچے اور زینہ بزینہ چڑھتے گئے - ہاں مدرسے میں پڑھنے اور سیالکوٹ کالج میں ایف ، اے کے درجے میں تعلیم پانے کے متعلق یہ جتانا ضروری ہے کہ وہاں ایک اُستاد مشفق کی توجہ خاص نے ان کی طبیعت اور مذاق کے بنانے میں معتدبہ حصہ لیا - سیالکوٹ کے اسکاچ مشن کالج کو حسن اتفاق سے زبان عربی اور فارسی کی تدریس کے لیے ایک ایسے بزرگ دستیاب ہو گئے ہیں جن کی ذات نہ صرف اس تعلیم گاہ اور شہر سیالکوٹ کے لیے بلکہ پنجاب بھر کے لیے مغتنمات سے ہے - نام نامی اُن کا مولانا سید میر حسن صاحب ہے اور اعلیٰ درجے کے بامذاق اصحاب میں ہیں - علم اور اہل علم کے شیدائی ، ذوق کلام کے فدائی اور جویا - مولوی سید میر حسن

اب تک ایسے طالب علم ہیں کہ جو ملے ، جہاں ملے ، جس سے ملے، اور جب ملے، حاصل کرتے جاتے ہیں اور چھوڑتے نہیں۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخص کو ان کی صحبت سے فیض پہنچا ہے وہ کچھ بن کے نکلا ہے۔ متعدد ہندو نوجوان اُن کے شاگردوں میں ایسے ہیں جو اردو فارسی تو خیر معمولی بات ہے ، عربی زبان میں اعلیٰ درجے کا مذاق لے کر نکلے ہیں اور یونیورسٹی کے امتحانوں میں مسلمانوں سے بڑھ کر نمبر پا گئے ہیں ۔ مولوی صاحب کی یہ عادت ہے کہ اگر کسی شاگرد کو ہونہار دیکھیں تو اسے معمولی درس تعلیم تک محدود نہیں رہنے دیتے ۔ بلکہ خارج از وقت مدرسہ اُسے بعض دلچسپ اور مفید کتابوں پر عبور کرا دیتے ہیں ۔ بس جب سید میر حسن جیسے اُستاد کو اقبال سا شاگرد مل گیا تو اُنھوں نے کوئی دقیقہ اُن جوہروں کو جلا دینے میں جو قدرت نے طبیعت میں امانت رکھے تھے اُٹھا نہیں رکھا ۔ سید صاحب کا خاصہ تھا کہ باوجود خود ذوق شعر میں سرشار ہونے کے اکثر طلبہ کو شاعری سے روکتے تھے ۔ مگر اقبال کی طبیعت کا اندازہ اُنھوں نے شروع سے ہی کر لیا تھا اور اس کے ذوق شعر کی قدرتی ترقی کو چپکے چپکے دیکھتے گئے اور کبھی اُس کے گھٹانے کی کوشش نہیں کی ۔ شعر کا شوق تو اقبال نے بچپن سے پایا تھا ۔ اس کے والد کی زبانی ایک دوست کو معلوم ہوا ہے کہ بچپن میں جو پیسے جیب خرچ کے لیے گھر سے ملتے تھے اُن کے منظوم قصے خرید لاتا تھا اور زبانی یاد کر لیتا تھا ۔ مگر سید میر حسن صاحب کے فیضان صحبت کے زمانے میں اس شوق کو بے حد ترقی ہوئی ۔ سید صاحب کو بے شمار اچھے اچھے شعر اساتذہ کے زبانی یاد ہیں ۔ جو شعر وہ پڑھتے ، اقبال اُسے لکھ لیتا اور یاد کر لیتا۔ دیوان غالب سبقاً اُن سے پڑھا اور ''ناصر علی سرھندی'' کے دلآویز فارسی شعر بھی اسی زمانے میں نظر سے گزرے ۔

امتحان انٹرنس پاس کرنے کے بعد اقبال نے جناب نواب فصیح الملک نواب مرزا خان صاحب داغ دہلوی اُستاد حضور نظام دکن خلداللہ ملکہ سے بذریعہ خط و کتابت تلمذ کی ٹھہرائی اور کچھ عرصے تک غزل میں اُن سے اصلاح لیتے رہے۔ جب سے نئے رنگ میں مخمس اور مسدس اور ترجیع بند لکھنے شروع کیے ہیں اُس وقت سے خود اپنی اصلاح کرنے لگے ہیں ۔ گو طبیعت کی روانی بسا اوقات نہایت عجلت میں شعر زبان سے نکلواتی ہے اور کبھی اپنے شوق اور کبھی احباب کی فرمائش سے وہ قلم بند بھی ہو جاتے ہیں ، مگر اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ مضمون کھٹائی میں پڑے رہتے ہیں ۔ جب ذرا فرصت ملی اُنھیں پڑھا اور جہاں کوئی لفظ کھٹکا تھوڑی اصلاح کر دی ، پھر پڑھا اور پھر کہیں کچھ کر دیا ۔ کبھی بہت ضروری محسوس

ہوا تو کسی با مذاق دوست کے سامنے پڑھ کر اُس کی تنقید سن لی اور اگر کچھ کام کی بات تنقید میں مل گئی تو اُس سے فائدہ اُٹھا لیا۔

جس سال حضرت داغ سے اصلاح لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اُسی سال اقبال کی زندگی میں ایک اور واقعہ پیش آیا جسے ہمارے اہل ملک عموماً معمولی سمجھتے ہیں مگر جس کا ہر شخص کی زندگی پر عظیم الشان اثر پڑتا ہے یعنی ان کی شادی ہو گئی۔ پنجاب کے ایک معزز خاندان میں انھیں نسبت فرزندی حاصل ہوئی۔ گو بظاہر یہ تعلق بہمہ وجوہ جانبین کے لیے مفید اور مناسب تھا مگر چونکہ یہاں رشتہ داریاں نو عمر لڑکوں کی استرضا کے بغیر ہی کر دی جاتی ہیں اس لیے شیخ محمد اقبال باعتبار شادی بہت خوش قسمت ثابت نہ ہوئے۔ اور اس واقعے نے طبیعت کی بشاشی اور شگفتگی کو اُداسی سے بدل دیا۔ انھیں ایام میں ایک پیارے دوست کےانتقال نے غم کی آگ پر اور تیل ڈال دیا۔ اور طبیعت کا رنج اشعار سے ٹپکنے لگا اور اس درد نے شاعری کا وہ حصہ عطا کرکے جسے گداز کہتے ہیں، اقبال کو پورا شاعر بنا دیا۔ ہندوستان میں شاعری کی ستہ ضروریہ میں لاگ یا لگاؤ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ حالی جیسے متین شاعر نے اسے ''چیز وہ مضمون سمجھانے والی'' لکھا ہے اور دیگر اساتذہ نے بھی کسی نہ کسی رنگ میں کسی نہ کسی کے ساتھ لگاؤ پیدا کیا ہے اور اُس سے کلام میں واقعیت اور جوش کی چاشنی پیدا کی ہے جس کے بغیر کلام پھیکا رہ جاتا ہے۔ ہمارے اقبال بھی اس سے خالی نہ رہے کسی کی شوخی کے قائل ہوئے اور کلام میں رندانہ رنگ کی جھلکیاں نظر آنے لگیں اور بہت سے معاملے کے اشعار نکلنے لگے۔ یہ رنگ اب تک باقی ہے۔ مگر فلسفہ کا رنگ اس پر غالب آ جاتا ہے۔ طبیعت فلسفیانہ پائی تھی اس لیے بی۔ اے کے امتحان میں فلسفہ کا مضمون لے کر پاس ہوئے۔ بعد میں ایم اے میں بھی فلسفہ پڑھنے کا شوق ہوا۔ اور اس شوق کا زیادہ تر باعث یہ تھا کہ اس زمانے میں مسٹر ٹی 'ڈبلیو' آرنلڈ صاحب جو علی گڑھ کالج کے مشہور پروفیسر تھے گورنمنٹ کالج لاہور میں چلے آئے۔ فلسفہ دانی میں ان کی شہرت عالمگیر ہے، محتاج بیان نہیں اور اس شہرت نے اقبال کو بے اختیار اپنی طرف کھینچا۔ مگر قابل ذکر یہ امر ہے کہ شاگرد کی طبیعت یہاں بھی شفقت اُستاد کے لیے اچھا خاصہ مقناطیس ثابت ہوئی:

جادو عجب نگاہ خریدار دل میں تھا
بکتا ہے ساتھ بیچنے والا بھی مال کے

خود آرنلڈ صاحب بھی اقبال کی تیز فہمی اور اس کے فلسفیانہ دماغ کے معترف ہوگئے انھوں نے اُسے شاگردی کے مرتبت سے رفتہ رفتہ دوستی کے اعزاز تک پہنچا

دیا ہے اور اقبال کے بہترین دوستوں اور عنایت فرماؤں میں ہیں۔ وہ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ ایسا شاگرد اُستاد کو محقق بنا دیتا ہے اور محقق کو محقق تر۔ کئی مسئلے دوران تعلیم میں ایسے آئے جن کی تحقیقات مزید کی غرض سے آرنلڈ صاحب بہادر کو یورپ کے نامور فلسفہ دانوں سے خط و کتابت کرنی پڑی اور یہ خط و کتابت اُستاد و شاگرد دونوں کے لیے مفید ثابت ہوئی۔ فلسفہ کے شوق کا یہ بھی نتیجہ ہوا کہ اقبال کچھ دنوں ہندو فلسفے کے مطالعے میں مستغرق رہا اور اُس نے ایک دوست کو بتایا کہ اس فلسفے کے مطالعے سے طبیعت میں ایک قسم کا سکون محسوس ہونے لگا اور شانتی کے معنی سمجھ میں آ گئے۔ اور اسی سبب سے اب مذہب میں تعصب کی گنجائش نہیں رہی اور سب مذاہب کی دل سے تعظیم کرتے ہیں اور ان کو بھلا جانتے ہیں۔ مگر یہ بھلا جاننا اپنے مذہب کے عشق کے منافی نہیں جو میدان عمل میں انھی صف عشاق مذہب میں نہیں آ سکتے۔

ایم۔ اے پاس ہونے کے بعد شیخ محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور میں تاریخ و فلسفہ و سیاست مدن کے مضامین پر لکچر دینے کے لیے مقرر کر دیے گئے۔ اس عہدے کی میعاد دو سال ہوتی ہے۔ اب وہ دو سال ختم ہو چکے ہیں۔ مگر افسران کالج ان کی خدمات کو ایسا قیمتی سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے توسیع میعاد کے لیے سفارش کی ہے اور اُنھیں غالباً اور دو سال کے لیے وہاں رہنا ہوگا۔ اس کے بعد یا اسی اثنا میں اغلب ہے کہ اُنھیں صیغۂ تعلیم میں کوئی معقول ملازمت مل جائے۔ کیونکہ اکثر عہدہ داران تعلیم کی رائے ان کی نسبت اچھی ہے اور وہ ان سے تعلیمی خدمت لینے کے خواہشمند ہیں۔ آج کل علمی مشاغل میں انہاک ہے۔ نثر میں مضمون سیاست مدن پر ایک بیش بہا اور جامع کتاب زیر تصنیف ہے اور نظم میں عموماً انگریزی شعرا کی طرز پر معنی خیز نظمیں لکھتے ہیں جن میں سے اکثر بذریعۂ مخزن اشاعت پا چکی ہیں۔ فرمائشی کلام سے بہت گھبراتے ہیں اور کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ محض فرمائش سے شعر کہہ دیں اور حقیقت یہی ہے کہ شعر وہ چیز نہیں کہ کسی کے اصرار سے ہو جائے۔ یہ تو طبیعت کا ایک بے اختیار جوش ہے اور دل کا اُبال ہے اور پورا لطف اسی میں ہے کہ بیساختہ زبان پر جاری ہو۔

اقبال کے حالات زندگی کے اس مختصر خاکے کو ختم کرنے سے پہلے شاید بے جا نہ ہوگا کہ اس کے کلام پر نگاہ ڈالی جائے۔ اقبال کا کلام ابھی کمیت میں اکثر مشہور شعرا کے برابر نہیں پہنچا۔ مگر کیفیت میں انداز خاص رکھتا ہے۔ اول تو بھرتی کے اشعار اس کے کلام میں کم پائے جائیں گے۔ بقول داغ اُس کے ہر شعر میں ترکیب نئی، بات نئی، نظر آتی ہے۔ غزل کے اکثر اشعار واقعیت کا رنگ لیے ہوتے ہیں اور تصنع ان میں بہت کم نظر آتا ہے مگر طبیعت اپنے جوہر اصلی مسلسل

نظموں میں دکھائی ہے گو اُن میں بعض بند مشکل پسندی کے نمونے ہیں ۔ کئی سخن فہم حضرات نے اس مشکل پسندی پر اعتراض کیا ہے اور ایک حد تک یہ اعتراض بجا بھی تھا مگر اس کا اثر اقبال کی طبیعت پر ابتداء میں اچھا نہیں پڑا ۔ بجائے اس کی اصلاح کی فکر کے اس کا قصد ہوا کہ شعر گوئی ترک کر دے ۔ چنانچہ ایک دو بے تکلف دوستوں کے رو برو اس خیال کا اظہار بھی کر دیا ۔ مگر اُنھوں نے سمجھایا کہ اگر کہیں ایک شعر ایسا نکلتا ہے جس پر کوئی درست اعتراض وارد ہو سکے تو دس ایسے نکلتے ہیں جن کی خوبی کو سب مانتے ہیں اور ترک شعر گوئی ملک کی شاعری کو نقصان رساں ہوگا اور اسی زمانے میں دور دور سے دادیں آنے لگیں ۔ منجملہ دیگر اصحاب کے مولانا شبلی نعمانی جیسے نکتہ رس مشہور عالم نے بدیں الفاظ داد دی کہ ”جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہوں گی تو لوگ آپ کو ڈھونڈھیں گے۔“ ان باتوں نے اقبال کی ہمت پھر بندھا دی ۔ اعتراض کا ایک حصہ جو اختیاری تھا رفع ہو جاتا ہے اور اب پہلے سے زیادہ ایسے اشعار اقبال کے قلم سے نکلتے ہیں جو زور کے ساتھ سادگی اور سلاست کی خوبیوں سے بھی آراستہ ہوتے ہیں ۔ مگر اعتراض کا ایک حصہ غیر اختیاری تھا اور وہ رفع نہیں ہوا اور نہیں ہو سکتا ۔ اردو زبان بھی بمقابلہ انگریزی کے ابتدائی حالت میں ہے۔ انگریزی شاعری میں اور خصوصاً فلسفہ میں اکثر خیالات ایسے ہیں جو موجودہ اردو الفاظ اور سیدھی سادی ترکیبوں سے ادا نہیں ہو سکتے اور ان کے لیے کسی قدر مشکل عربی فارسی الفاظ کی ضرورت ہے یا ذرا پیچیدہ ترکیبوں کی ۔ اس لیے ”اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے“ ایک طرف تو شاعر اپنے سامعین کی طرف جھکے اور اُن کی سطح پر اُترنے کی کوشش کرے ، اور اس سے زیادہ سامعین اپنے مذاق کو بڑھائیں اور معلومات کو وسیع کریں اور اس کی بلند پروازی کا تتبع کریں ۔ اصل اندازہ تو کسی کے کلام کا اُس کے بعد کی نسلیں لگاتی ہیں اور اس لیے اس کے معاصرین کے لیے موقع صحیح اندازے کا نہیں ہو سکتا ، مگر اتنا کہنے میں ہمیں تامل نہیں کہ جو کچھ اقبال نے اب تک لکھا ہے وہ اس اعتبار سے کہ ایک نوجوان انگریزی خواں کا کلام ہے جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ علوم انگریزی کی تحصیل میں صرف کیا ہے اور جسے اہل زبان ہونے کا دعویٰ نہیں ، نہایت بے بہا ہے اور اُس حصہ ملک کے لیے جسے اب وہ اپنا وطن کہتا ہے مایۂ فخر و ناز ہے ۔

’عبدالقادر‘

[اقبال جادوگر ہندی نژاد ۔ عتیق صدیقی ،
ضمیمہ ۲ ص ۱۳۴ تا ۱۴۴]

صدیق جاوید*

اقبال اور ایک واقعاتی مغالطہ

سید نذیر نیازی مرحوم[1] ان معدودے چند بزرگ اقبال شناسوں میں سے تھے جنھیں علامہ اقبال سے ذاتی ربط بھی تھا۔ وہ اقبال کے حضور بھی رہے اور غیاب میں علامہ کے مکتوب الیہ بھی، ان مختلف حوالوں سے نذیر نیازی برصغیر پاک و ہند کے اقبال شناسوں میں ایک ممتاز مرتبہ اور مقام رکھتے ہیں۔ ان کے دوسرے علمی کاموں کا تذکرہ برطرف، صرف اقبالیات سے متعلق ان کے مندرجہ ذیل کارنامے یادگار حیثیت رکھتے ہیں:

(۱) اقبال کا مطالعہ اور دوسرے مضامین ۱۹۴۱ء

(۲) مکتوبات اقبال ۱۹۵۷ء اشاعت دوم ۱۹۷۷ء

(۳) تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ۱۹۵۸ء

(۴) اقبال کے حضور ۱۹۷۱ء

(۵) دانائے راز ۱۹۷۹ء

اقبالیات کے میدان میں سید نذیر نیازی کی علمی و عملی خدمات کا اعتراف ان کی زندگی ہی میں کیا گیا تھا اور ان کی رحلت کے بعد ان کی قابل قدر علمی خدمات کے پیش نظر مختلف علمی و ادبی حلقوں کی طرف سے انھیں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ راقم الحروف بھی مرحوم کے لیے عقیدت کے جذبات رکھتا ہے۔ تاہم یہاں 'مکتوبات اقبال' اور 'دانائے راز' میں ایک واقعاتی مغالطے کی طرف اہل علم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

سید نذیر نیازی نے اپنی تالیف 'مکتوبات اقبال' میں ایک واقعہ بیان کیا ہے جو اقبالیات میں حوالے کے طور پر مروج ہو چکا ہے۔ سید نذیر نیازی نے علامہ اقبال کے ۸ مارچ ۱۹۳۳ء کے اپنے نام ایک خط کا پس منظر بیان کیا ہے[2] اور بتایا ہے

---

*شعبہ اردو گورنمنٹ کالج، لاہور

۱۔ تاریخ وفات ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء، دیکھیے 'ماتمی کالم' اقبال ریویو بابت ۵ اپریل ۱۹۸۱ء محمد عبداللہ قریشی کا مضمون سید نذیر نیازی ماہ نو شمارہ جون ۱۹۸۱ء دیکھیے۔

۲۔ مکتوبات اقبال، ص ۹۵، ۹۳۔

کہ جامعہ ملیہ دہلی میں ترکی کے مشہور جلا وطن سیاست دان غازی رؤف پاشا کے چھ خطبات کا اہتمام کیا گیا ۔ ان میں سے پہلے دو خطبات کی صدارت کے لیے علامہ اقبال کو دعوت دی گئی ۔ ڈاکٹر انصاری علامہ اقبال کی خدمت میں خط لکھ ہی چکے تھے ۔ علامہ اقبال نے یہ دعوت قبول کر لی تھی ۔ پھر بھی نیازی صاحب کے مطابق :

''اس اثنا میں ڈاکٹر (انصاری) صاحب مرحوم اپنی طرف سے تو شکریے کا خط لکھ ہی چکے تھے لیکن ۱۶ مارچ کی شام کو حکم ہوا اور ذاکر صاحب نے بھی اصرار کیا کہ میں لاہور چلا جاؤں اور ۱۸ کی صبح کو حضرت علامہ کو ساتھ لیے واپس آ جاؤں ۔ لہذا ۱۷ کی صبح کو میں لاہور پہنچا ۔ حضرت علامہ ایک طرح سے منتظر ہی تھے ۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اول ڈاکٹر انصاری مرحوم اور غازی موصوف کی خیریت مزاج دریافت کرتے رہے ، پھر احباب جامعہ بالخصوص ذاکر صاحب ، عابد صاحب اور مجیب صاحب کا پوچھا ۔ باتوں باتوں میں ترکوں اور ترکی سیاست کا ذکر آ گیا اور پھر اس سلسلے میں نہ معلوم کس طرح اس روز کے اخبار کا میں نے عرض کیا آرنلڈ کا تو آپ نے سن ہی لیا ہوگا ۔ متعجب ہو کر فرمایا : کیا ؟ میں نے کہا صبح کے اخبار میں ان کے انتقال کی . . . بس اتنا کہنا تھا کہ حضرت علامہ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور پھر سر جھکا کر چند لمحے خوب روئے ۔ یوں ان کے دل کا بخار ہلکا ہوا تو فرمایا : Iqbal has lost his friend and teacher (اقبال اپنے استاد اور دوست سے محروم ہو گیا) ۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اتنے گہرے روابط اور تعلق خاطر کے باوجود جب میں نے آرنلڈ کے مرتبہ استشراق اور اسلام سے ان کی عقیدت کا ذکر چھیڑا تو فرمایا : اسلام ! اسلام سے آرنلڈ کو کیا تعلق ! میں نے کہا جب کوئی شخص بہ تحقیق اور طالب علمانہ اسلام پر قلم اٹھاتا ہے تو اس سے یہی توقع ہوتی ہے کہ اسلام کے بارے میں اس کی رائے اچھی ہوگی ، بلکہ شاید خود بھی اس کی طرف مائل ہو ، جیسے مثلاً نپولین یا گوئٹے کے بارے میں کہا جاتا ہے ۔ پھر آرنلڈ تو دعوت اسلام بھی لکھ چکے ہیں ۔ فرمایا : دعوت اسلام اور اس قسم کی کتابوں پر نہ جاؤ ۔ آرنلڈ کی وفاداری صرف خاک انگلستان سے تھی ، وہی ان کا دین تھا اور وہی ان کی دنیا ۔ انھوں نے جو کچھ کیا انگلستان کے مفاد کے لیے کیا ۔ میں جب انگلستان میں تھا تو انھوں نے مجھ سے براؤن کی تاریخ ادبیات ایران پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی تھی ۔ لیکن میں نے انکار کر دیا ، کیونکہ مجھے اس قسم کی تصنیفات میں انگلستان کا مفاد کام کرتا نظر آتا تھا ۔ دراصل یہ بھی ایک کوشش تھی ایرانی قومیت کو ہوا دینے کی ۔ اس مقصد سے کہ ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے ،

بات یہ ہے کہ مغرب میں فرد کی زندگی صرف ملک کے لیے ہے (اور وطنی قومیت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ملک اور قوم دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں" کو ہر بات پر مقدم رکھا جائے۔ لہذا آرنلڈ کو مسیحیت سے غرض تھی نہ اسلام سے، بلکہ سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو آرنلڈ کیا ہر مستشرق کا علم و فضل وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو مغرب کی ہوس استعمار اور شہنشاہیت کے مطابق ہو۔ ان حضرات کو بھی شہنشاہیت پسندوں اور سیاست کاروں کا دست و بازو تصور کرنا چاہیے۔ پھر علی بخش کو بلایا اور اسی وقت لیڈی آرنلڈ کو تعزیت کا تار بھیجا"[1]۔

سید نذیر نیازی کے متذکرہ اقتباس پر مشتمل بیان غور طلب ہے کیونکہ ان کے اس بیان کے مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے ان سے آرنلڈ کے انتقال کی خبر سنی۔ حالانکہ تقریباً تین سال پہلے ۹ جون ۱۹۳۰ء کو آرنلڈ کا انتقال ہو چکا تھا[2] اور علامہ اقبال ۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء کو لیڈی آرنلڈ کے نام تعزیتی خط بھی ارسال کر چکے تھے۔ یہ تعزیتی خط بی۔ اے ڈار کی مرتبہ کتاب Letters and Writings of Iqbal میں شائع ہو چکا ہے۔ علامہ کے اس تعزیتی خط کا عکس بھی رسالہ نقوش (اقبال نمبر) بابت دسمبر ۱۹۷۷ء میں چھپ چکا ہے۔ لہذا یہ بات بھی درست قرار نہیں پاتی کہ ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو علامہ نے "... علی بخش کو بلایا اور اسی وقت لیڈی آرنلڈ کو تعزیت کا تار بھیجا"۔ اس لحاظ سے سوانح اقبال کا، بحوالہ سید نذیر نیازی، مروج اور مشہور واقعہ یعنی آرنلڈ کے انتقال کی خبر سن کر اقبال کا اشکبار ہونا اور یہ کہنا کہ Iqbal has lost a friend and a teacher بھی محل نظر ٹھہرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس بیان سے بعض دوسری غلط فہمیاں اور شبہات بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً اس سے نہ صرف پروفیسر آرنلڈ کی Integrity مشکوک ہو جاتی ہے بلکہ کسی مستشرق کے کسی کارنامے کے خالص Genvine ہونے کا اعتبار بھی باقی نہیں رہتا اور وہ محض اپنے ملک کے سیاسی مفادات کا محافظ اور سیاست کاروں کا آلہ کار نظر آنے لگتا ہے۔ چونکہ اس بیان میں آرنلڈ، براؤن اور دوسرے مستشرقین کے بارے میں جو رائے بیان ہوئی ہے وہ علامہ اقبال سے منسوب ہے۔ اس لیے حضرت علامہ سے اس منسوب رائے کا پرکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا علامہ اقبال بلا امتیاز تمام مستشرقین کی علمی کاوشوں کو یکسر مسترد کرتے تھے؟ یا کوئی استثنائی صورتیں بھی تھیں؟ اس کا جائزہ راقم الحروف نے نیازی صاحب کے بیان کے علاوہ

۱۔ مکتوبات اقبال، ص ۹۷، ۹۶۔

۲۔ ڈکشنری آف نیشنل بیاگرافی جلد ۳۰، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۷ء، ص ۲۶، حیات شبلی، ص ۱۴۲۔

اقبال کی دوسری تحریروں کی روشنی میں لیا ہے - اور یہ جائزہ (۱) 'اقبال' مستشرقین اور آرنلڈ ، (۲) 'اقبال اور براؤن' کے عنوان سے دو زیر طبع مضمونوں پر مشتمل ہے -

علامہ اقبال کے ملفوظات کے سلسلے میں ابھی درایت اور روایت کے مسلمہ اصولوں سے کام نہیں لیا گیا - اس لیے علامہ اقبال سے منسوب ملفوظات کو عام طور پر بلا تامل درست تسلیم کر لیا جاتا ہے - جب 'مکتوبات اقبال' کے زیر تبصرہ واقعہ اور ملفوظات بیان کرنے والی ، سید نذیر نیازی جیسی معتبر شخصیت ہو تو کون ہے جو ان کا فرمایا ہوا مستند تسلیم نہیں کرے گا اور کسی کو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ سید نذیر نیازی جیسے اقبال سے فیض یافتہ اور اقبالیات کے موضوع پر اپنی عمر کا بیشتر حصہ وقف کرنے والے شیدائی کا ذاتی حوالے سے کوئی بیان محل نظر بھی ہو سکتا ہے - اسی لیے سید نذیری نیازی کے زیر تبصرہ بیان سے اقبال اور آرنلڈ کے حوالے سے بعض لکھنے والوں کے ہاں ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہوئی - مثلاً میں وہ مضمون نگار بھی ، جنھوں نے آرنلڈ کی صحیح تاریخ وفات پیش نظر رکھی ، سید نذیر نیازی کی بیان کردہ تاریخ وفات کا نوٹس لیے بغیر ، آرنلڈ کی تاریخ/سال وفات تو اپنے مضمون یا کتاب میں ٹھیک لکھ جاتے ہیں مگر اس کے ساتھ نیازی صاحب کے زیر تبصرہ بیان کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس کا کوئی نہ کوئی حصہ نقل کر جاتے ہیں - ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

جنوری ۱۹٦۸ء کے رسالہ سہ ماہی اقبال لاہور میں پروفیسر بختیار حسن صدیقی اپنے مضمون T. W. Arnold : Life And Works میں آرنلڈ کی تاریخ وفات ۹ جون ۱۹۳۰ء درج کرنے کے بعد نذیر نیازی کے بیان کا انگریزی میں ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"Iqbal was deeply moved to hear the news of his teacher's death He burst into tears, saying to himself, "Iqbal has lost his friend and teacher". He cabled to Lady Arnold bemoaning the great personal loss that his death had been to both of them. But personal affection apart, Iqbal, like his teacher, maintained his own standard of judgement, and was never swayed by Arnold's sympathetic understanding of Islam and its culture. The *Preaching of Islam*, he firmly told Syed Nazir Niazi who spoke highly of it on the tragic occasion, was in no way a proof of Arnold's love for Islam or the Muslims, Arnold was an Englishman and as such he owed

allegiance to England alone. Whatever he did, he did to serve the interests of England, of British Imperialism, by way of making the foreign yoke attractive or at least bearable in the eyes of the Indian Muslims. While in England he continued, Arnold had asked him to write something about Browne's *Literary History of Persia*, which he refused to do for the same reason The works, like the one quoted above, he said, serve but the interests of the country of their origin. Browne's raising the issue of "Iranian Nationality" he considered to be an attempt to disrupt the unity of Muslim world against the Imperialisticdesigns. In the West the individual is to live and die for the nation. This is the absolute demand of territorial nationalism. As an Englishman, therefore, Arnold had interest neither in Christianity nor in Islam, but in England and England alone. The learning and research of every Orientalist is conditioned by the wider interests of Imperialism, and Arnold was perhaps no exception to it '[1]

اقبال کے اساتذہ کے باب میں اقبال کے ایک سوانح نگار ، آرنلڈ کے تذکرے میں لکھتے ہیں :

«پروفیسر موصوف (آرنلڈ) کا انتقال لندن میں ہی ۱۹۳۰ء میں ہوا ۔ نذیر نیازی صاحب نے جب انہیں (اقبال) آرنلڈ کے انتقال کی خبر سنائی تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور چند لمحے سر جھکا کر خوب رونے اور جب ذرا جی ہلکا ہوا تو فرمایا (Iqbal has lost his friend and teacher) اقبال اپنے ایک دوست اور استاد سے محروم ہو گیا»[2]

یہ سوانح نگار انتقال ۱۹۳۰ء بتاتا ہے مگر انتقال کی خبر سے علامہ اقبال کی کیفیت نذیر نیازی کے ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کے بیان کے مطابق ہے ۔

ڈاکٹر جاوید اقبال ، علامہ پر اپنی سوانحی کتاب بہ عنوان زندہ رود (تشکیلی دور) میں لکھتے ہیں :

«آرنلڈ نے اقبال میں علمی تحقیق کے لیے جو تجسس یا تشنگی پیدا کردی تھی ، وہ اور آرنلڈ کی ذات سے وابستگی نے انہیں انگلستان جانے پر مجبور کر دیا

۱۔ سہ ماہی اقبال لاہور ، جنوری ۱۹۶۸ء ، ص ۶۵-۶۴ ۔

۲۔ بیاد اقبال مرتبہ صابر کلوروی ، مکتبہ شاہکار لاہور ، تاریخ اشاعت ۱۵۔ اپریل ۱۹۷۷ء ص ۳۹ ، ۔

. . . بہر حال یہاں اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ استاد سے گہرے روابط اور تعلق خاطر کے باوجود قبال آرنلڈ کی شخصیت اور اس کی حدود سے پوری طرح آشنا تھے ۔ سید نذیر نیازی تحریر کرتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء میں جب آرنلڈ کی وفات کی خبر اُن تک پہنچی تو اشکبار آنکھوں کے ساتھ فرمایا کہ اقبال اپنے استاد اور دوست سے محروم ہو گیا ۔ اس پر نیازی نے آرنلڈ کے مرتبہ استشراق اور اسلام سے اُن کی عقیدت کا ذکر چھیڑا تو تعجب سے گویا ہوئے [ازاں بعد مکتوبات اقبال سے وہ عبارت مقتبس کی گئی ہے جو نیازی صاحب کے بیان کے مطابق اقبال کے ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کے ملفوظات پر مبنی ہے]۱

ڈاکٹر جاوید اقبال نے بھی اصلاح کرتے ہوئے ۱۹۳۳ء کی بجائے ۱۹۳۰ء تو لکھ دیا مگر سید نذیر نیازی کا باقی بیان بلا تبصرہ درج کر دیا ہے ۔

وارث میر نے سید نذیر نیازی کی وفات پر ایک مضمون 'سید نذیر نیازی مرحوم . . . اقبال کا دانائے راز ' کے عنوان سے لکھ کر انھیں خراج عقیدت پیش کیا ۔ ان کے اس مضمون کا درج ذیل اقتباس ہمارے نقطہ نظر سے قابل توجہ ہے :

"رؤف پاشا ترکی سے جامعہ تشریف لائے تو علامہ کو اس تقریب کی صدارت کے لیے نیازی صاحب نے راضی کیا . . . نیازی صاحب جس روز اقبال کو مدعو کرنے لاہور آئے اسی روز پروفیسر آرنلڈ کے انتقال کی خبر اخبارات میں چھپی ۔ اس خبر کو سن کر اقبال بچوں کی طرح رونے لگے اور لیڈی آرنلڈ کے نام تعزیتی تار لکھوایا "۔۲

ڈاکٹر محمد معروف سید نذیر نیازی کی تصنیف ' دانائے راز ' پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال اور آرنلڈ کے تعلق خاطر کے ثبوت میں لکھتے ہیں :

> "Iqbal's love for his teacher Arnold is evident from his remarks on the latter's death in 1930: "Iqbal has lost his friend and teacher" with tears in eyes."[3]

اصحاب علم کے مندرجہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی پروفیسر آرنلڈ کے انتقال پر اشکباری اور اپنے استاد اور دوست سے محرومی کا اظہار ،

۱۔ زندہ رود (حیات اقبال کا تشکیلی دور) اشاعت اول ۱۹۷۹ء ص ۷۷ ۔

۲۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور اشاعت ۳ فروری ۱۹۸۱ء ۔

۳۔ *Iqbal Review, April, 1981, p. 87* ۔

سوانح اقبال کا ایک مستند واقعہ بن چکا ہے۔ یوں آرنلڈ سے علامہ اقبال کے قلبی تعلق کی بنا پر ، علامہ کا آرنلڈ کی وفات پر آبدیدہ ہو جانا بعید از قیاس نہیں مگر نیازی صاحب نے جس دن کو واقعہ کی بنیاد بنایا ہے ، تاریخی شواہد سے اس کی تائید نہیں ہوتی اس لیے نیازی صاحب کے زیر تبصرہ بیان کو سوانحی حوالہ کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا -- اس کی Tacit تائید خود نیازی صاحب کی تالیف 'دانائے راز' سے ہوتی ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ 'دانائے راز' کی تالیف کے وقت سید نذیر نیازی کو اپنے اس مغالطے[1] کا احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے اس غلطی کے جزوی ازالے کی کوشش بھی کی ۔

'دانائے راز' سوانح حیات حکیم الامت حضرت علامہ اقبال ، سید نذیر نیازی کی آخری کتاب ہے جو ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ۔ دانائے راز میں کئی صفحات پر مختلف موقعوں اور حوالوں سے پروفیسر آرنلڈ کا ذکر آیا ۔ اس کتاب میں ایک جگہ آرنلڈ کے وفات کی خبر ، اس پر اقبال کا تاثر اور مستشرقین کے بارے میں علامہ کی رائے قلمبند کی گئی ہے ۔ یہ ذکر چار صفحات پر محیط ہے ۔ مکتوبات اقبال کے بیان ہی کو اس روداد کی اساس بنایا گیا ہے مگر یہاں کئی جزئی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اس بیان میں مکتوبات اقبال کے مقابلے میں تفصیل زیادہ ہے ۔

سید نذیر نیازی کے علم میں یہ بات تو آ گئی کہ آرنلڈ کا انتقال ۱۹۳۳ء کے بجائے ۱۹۳۰ء میں ہوا ۔ مگر انہوں نے آرنلڈ کی اصل تاریخ وفات کے بارے میں تامل نہ کیا اور لیڈی آرنلڈ کے نام اقبال کے تعزیتی خط محررہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء کو بنیاد بنا لیا ۔ معلوم ہوتا ہے سید نذیر نیازی نے اقبال اور آرنلڈ کے روابط کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بڑی جستجو سے کام لیا تھا ۔ اس ضمن میں ان کے استفسارات کے جواب میں برمنگھم سے ڈاکٹر سعید اختر درانی نے خط لکھا نیز نذیر نیازی نے ڈاکٹر درانی کے جنگ (خصوصاً ۲ جنوری ۱۹۷۷ء) میں شائع ہونے والے مضامین کا حوالہ دیا ہے[2] ۔ ڈاکٹر درانی کا ایک مضمون "اقبال

۱۔ ۱۹۷۷ء میں راقم الحروف نے اپنے ایک مقالہ "اقبال مسجد قرطبہ میں" ایک جگہ سید نذیر نیازی کے مکتوبات اقبال میں مغالطے کی نشاندہی کی تھی ۔ یہ مقالہ ایک مجلس میں پڑھ کر سنایا گیا انتظار حسین نے اس نشاندہی کا ذکر روز نامہ مشرق لاہور میں ۸ ۔ اگست ۱۹۷۷ء کو اپنے کالم لاہور نامہ میں کیا ۔ یہ مقالہ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد شمارہ ستمبر ۱۹۷۷ء میں شائع بھی ہوا تھا ۔

۲۔ دانائے راز ، صفحہ ۱۲۶ ۔

کے استاد مشفق—مسٹر ٹامس آرنلڈ" فنون لاہور بابت دسمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا - نیازی صاحب نے فنون کا حوالہ نہیں دیا - غالباً ڈاکٹر درانی نیازی صاحب کے نام اپنے خط میں وہی معلومات فراہم کرچکے تھے جن سے مضمون کی تشکیل ہوئی — نیازی صاحب کی اس تلاش و جستجو کا حاصل تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ مکتوبات اقبال والی فرو گذاشت کو درست کر لیتے مگر معلوم نہیں کس خیال کے زیر اثر انھوں نے آرنلڈ کی اصل تاریخ وفات کے باب میں ایک بار پھر ٹھوکر کھائی -

دانائے راز میں سید نذیر نیازی نے علامہ اقبال سے ملاقات کو فطری رنگ دینے اور آن سے گفتگو کو Plausible بنانے کے لیے لیڈی آرنلڈ کے نام اقبال کے تعزیتی خط پر درج تاریخ (یعنی ١٦ جولائی ۱۹۳۰ء) سے ایک دن پہلے ، ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو دہلی سے لاہور میں اپنی آمد بتائی ہے[1] — اور یہ امر بھی بعید از قیاس ہے کہ وہ اپنے مکتوبات والے بیان کو بھول گئے ہوں - اس کا ثبوت یہ ہے کہ دانائے راز میں مکتوبات اقبال کا سات بار حوالہ دیا گیا ہے مگر اقبال کی اشکباری والے واقعہ کا ذکر نظر انداز کر دیا گیا ہے - یہاں نیازی صاحب کو اپنے مغالطے کے اظہار کا مناسب موقع ملا تھا مگر انھوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا - وہ اس معاملے کو سلجھا نہ سکے - بلکہ کئی ایسی باتیں بھی لکھ گئے جو ان کے اپنے پہلے بیان سے متصادم ہیں - اس کے ثبوت میں دانائے راز سید نذیر نیازی کا بیان یہاں نقل کیا جاتا ہے :

"تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے ترجمے کا مسئلہ تھا - ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو میں دہلی سے لاہور پہنچا - گاڑی سے باہر پلیٹ فارم پر قدم رکھا تھا کہ نگاہیں اسٹیشن کی دیواروں پر سول ملٹری گزٹ کے پوسٹروں پر جم گئیں - پوسٹروں میں بڑے بڑے جلی حروف میں آرنلڈ کے انتقال کی خبر دیکھی تو ٹھٹک کر رہ گیا - اسٹیشن سے میکلوڈ روڈ کا رخ کیا ، اس کوٹھی کا جو اس وقت بھی خستہ حال تھی اور اب کھنڈر بن رہی ہے - علی بخش نے میرے آنے کی اطلاع کی - ناشتے کے بعد ترجمے کی بات شروع ہوئی - میں نے آرنلڈ کی وفات پر اظہار افسوس کیا - میرا خیال تھا انھیں اپنے شفیق اور محبوب استاد کے انتقال کا علم ہے - لیکن انھوں نے ابھی اخبار نہیں دیکھا تھا - اخبار دیکھتے بھی کم تھے - آرنلڈ کی وفات کا سنا تو دل تھام کر رہ گئے - چند لمحے ماتھے پر ہاتھ رکھے ، سر جھکائے خاموش بیٹھے

۱- دانائے راز صفحہ ، ۱۲۳ -

رہے جیسے وہ زمانہ آنکھوں میں پھر رہا ہے جب آرنلڈ لاہور آئے، محمد اقبال نے ان کی شاگردی اختیار کی۔ شاگرد اور استاد میں رشتۂ تلمذ کے ساتھ ساتھ محبت اور عقیدت کے تعلقات قائم ہوئے۔ پھر لندن اور کیمبرج کی صحبتیں اور گفتگوئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور ایک آہ بھر کر کہنے لگے: ''افسوس اقبال اپنے استاد اور دوست سے محروم ہوگیا''[1]۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دیر تک یہ حالت رہی۔ طبیعت سنبھلی تو علی بخش سے کہا: ''کاغذ قلم لے آؤ، لیڈی آرنلڈ کی خدمت میں تعزیت کا خط لکھنا اور تار بھیجنا ہے''۔ یہ تھا محمد اقبال کی استاد سے محبت اور عقیدت کا عالم۔ سہ پہر میں پھر باتوں باتوں میں آرنلڈ کا ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کیا آرنلڈ عالم اسلامیہ کے ہمدرد تھے۔ 'دعوت اسلام' ایسی کتاب لکھی۔ انھیں اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا۔ مسلماں کیوں نہیں ہوگئے؟ ہنس کر، جیسے میری سادگی کا لطف اٹھا رہے ہوں، کہنے لگے: دنیا میں ایک چیز ہے وسیع المشربی جس میں انسان اپنے عقیدے، مسلک اور موقف پر قائم رہتے ہوئے بھی دوسرے مذاہب کی صداقت سے انکار نہیں کرتا۔ مجھے اس روش کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیونکہ اس کا ایک لازمی نتیجہ ہے تعصب اور تنگ نظری کا ازالہ، انسانوں کے باہم قریب تر ہونے کی ایک صورت۔ لیکن اس قسم کی وسیع المشربی کی روح خالصاً انفرادی ہوتی ہے۔ معدودے چند افراد سے آگے نہیں بڑھتی۔ عملاً افراد میں صلح و آشتی تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن سیاسی اجتماعی اعتبار سے اتحاد انسانی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ یہ قوموں کے نزاع و جدل اور دکھ درد کا کوئی مداوا ہے، نہ ایک عالمگیر معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ۔ آرنلڈ کی وسیع المشربی انھیں اسلام اور عالم اسلام کی ہمدردی پر مجبور کرتی، لیکن آرنلڈ انگریز تھے، مذہباً عیسائی، لہذا ریاست اور کلیسا کی تفریق کے قائل۔ سیاسی اعتبار سے ان کی وفاداری کا حق صرف انگلستان کو پہنچتا تھا۔ وہ چاہتے تھے انگلستان اور بلاد اسلامیہ میں دوستانہ روابط قائم ہوں۔ سیاسی تلخیوں کی یاد مٹ جائے۔ دلوں میں کدورت باقی نہ رہے۔ میں نے کہا بالفاظ دیگر مسلمان سلطنت برطانیہ کی غلامی پر راضی ہو جائیں۔ فرمایا: یوں ہی سمجھ لو۔ میں نے عرض کیا اندریں صورت اسلام اور عالم اسلام سے ان کی دلچسپی کی حقیقی علت کیا سیاسی نہیں تھی، سلطنت برطانیہ کے مفاد سے وابستہ، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اسلام پر قلم اٹھاتے تو بیشتر اس کے حق ہی میں لکھتے۔ عالم اسلام کے سیاسی اجتماعی کوائف پر نظر رکھتے۔ کہنے لگے: جو چاہو کہہ لو، حقیقت بہرحال یہی ہے کہ وہ عیسائی تھے۔ دل سے اپنے ملک اور قوم کے بہی خواہ اور یہ وہ بات ہے

1- Iqbal has lost his friend and teacher

جیسے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا ۔ فرمایا : براؤن بھی ایسے ہی شریف النفس انسان تھے ۔ ایران کے لیے انھوں نے کیا کچھ نہیں کیا ، لیکن وہی ریاست اور کلیسا کی تفریق ، وہی وطنی اور نسلی قومیت کا فتنہ ، سیاست اور اجتماع کی باطل اساس ۔ اسلام پر بے جا اعتراضات ۔ میں نے تاریخ ادبیات ایران پر تبصرہ نہیں کیا ۔ میرا کہنا تھا اس تاریخ سے ایرانی قومیت کا احیا مقصود ہے اور ایرانی قومیت کا تصور امت کے سیاسی اور ملی تشخص کی نفی ۔ بایں ہمہ محمد اقبال نے براؤن کی تاریخ وفات کہی ۔ یہ تھی ان کی وسیع المشربی ، اسلامی رواداری ۔

کہنا بہرحال یہ تھا کہ جس طرح محمد اقبال خوب سمجھتے تھے آرنلڈ جو کچھ لکھتے اور سوچتے مخلصانہ ، بے تعصبی اور رواداری کے ساتھ ، آرنلڈ بھی محمد اقبال کے جذبۂ دینی ، ایمان و یقین اور عالم اسلام کے لیے محبت اور ہمدردی سے بے خبر نہیں تھے ۔ پھر اگر دونوں کا خیال تھا کہ بہتر ہوگا دولت برطانیہ اور عالم اسلام میں تصادم کی نوبت نہ آئے تو اس میں خرابی کی کوئی بات نہیں ۔ یہ ہر اس شخص کی جو نوع انسانی کا خیر خواہ ہے خواہ اس کا مذہب کچھ بھی ہو ، دلی آرزو ہوگی ۔ آرنلڈ کی وفات پر ایک میموریل فنڈ قائم کیا گیا اور چندے کی اپیل کی گئی تو اس میں محمد اقبال ، عبدالقادر، اور راس مسعود نے بھی حصہ لیا''۔

زیر نظر مضمون کی حدود کے احساس کے باعث ، مندرجہ بالا طویل اقتباس پر تفصیلی تبصرہ ممکن نہیں مگر اس امر کی طرف توجہ دلانا بہر طور ضروری ہے کہ آرنلڈ کی مستند اور اصل تاریخ وفات ۹ جون ۱۹۳۰ء کے پیش نظر ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کی طرح ، دانائے راز کے مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو بھی آرنلڈ کی تاریخ وفات قرار دینا درست نہیں ۔ اس لیے ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو سول ملٹری گزٹ میں آرنلڈ کے انتقال کی خبر شائع ہونا اضافی بات ہے اور اس دن سول ملٹری گزٹ کا آرنلڈ کے انتقال پر پوسٹر شائع کرنا بھی ناقابل فہم ہے ۔

راقم الحروف کی سول ملٹری گزٹ کے فائیل تک رسائی نہیں ہو سکی ۔ البتہ روزنامہ انقلاب لاہور کی اشاعت ۱۲ جون ۱۹۳۰ء کے صفحہ نمبر ۵ پر مندرجہ ذیل الفاظ اور انداز میں آرنلڈ کے انتقال کی خبر ملتی ہے ۔ یاد رہے اس زمانے میں اخبارات پر ایک دن کی پیشگی تاریخ درج کرنے کا رواج تھا ، ۱۲ جون ۱۹۳۰ء کو انقلاب کے قارئین نے یہ خبر دیکھ لی تھی ۔ یہ خبر سرخی کے ساتھ شائع ہوئی تھی ۔ خبر پر ۱۰ جون کی ڈیٹ لائن ہے ۔ ملاحظہ کیجیے:

۱۔ دانائے راز ، ص ۱۲۶ — ۱۲۳ ۔

پروفیسر آرنلڈ کا انتقال

''لندن ۱۰ جون - سر ٹامس واکر آرنلڈ کا انتقال ہوگیا ہے سر ٹامس آرنلڈ ۱۹ اپریل ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے تھے آپ نے سٹی آف لندن سکول اور میگڈالین کالج کیمبرج میں تعلیم پائی تھی - آپ کچھ عرصہ تک گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ مشرقیات کرا رہے* - آپ دس برس تک محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کے عمدہ میں شریک رہے اور ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۹ء تک انڈیا آفس کے اسسٹنٹ لائبریرین اور ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک وزیر تعلیم ہند کے مشیر تعلیم رہے تھے''[۱] -

دوبارہ روزنامہ انقلاب لاہور کی اشاعت ۱۲ جون ۱۹۳۰ء کے صفحہ نمبر ۳ پر ادارتی کالموں میں درج ذیل سطور ملتی ہیں :

''اسلامی ہند کے تعلیم یافتہ حلقوں میں یہ خبر بہت رنج و اندوہ سے سنی جائے گی کہ پروفیسر ٹامس واکر آرنلڈ کا انتقال ہوگیا - پروفیسر صاحب آنجہانی ۱۹ اپریل ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے آپ نے سٹی آف لندن سکول اور میگڈالین کالج کیمبرج میں تعلیم پائی - آپ کچھ مدت تک گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ علوم مشرقیہ کے ڈین رہے - آپ نے دس سال تک ایم - اے - او کالج علیگڑھ میں اسلام اور مسلمانوں کی جو شاندار خدمات انجام دیں ان کےلیے مسلمانوں کا بچہ بچہ آپ کا ممنون احسان ہے اور ہندوستان میں صدہا ایسے تعلیم یافتہ مسلمان ہوں گے جنھیں اپنے قابل اور شفیق استاد کی رحلت کی خبر سے دلی صدمہ پہنچے گا -

پروفیسر آرنلڈ علوم مغربیہ کے فاضل اجل ہونے کے علاوہ السنہ مشرقیہ اور اسلامیات میں بے انتہا شغف رکھتے تھے - مسلمانوں کے متعلق آپ کا نقطہ نگاہ ہمیشہ ہمدردانہ رہا - آپ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء تک انگلستان میں وزیر ہند کے مشیر تعلیم رہے اور اس کے بعد انگلستان جانے والے ہندوستانی طلبہ کی امداد و رہنمائی کا فرض نہایت ہمدردی و سرگرمی سے انجام دیتے رہے - غرض آپ کے انتقال سے ہندوستانی اور علی الخصوص مسلمان طلبہ کا

---

*کتابت کی غلطی ہے - انقلاب کے مطابق یہاں نقل کی جا رہی ہے -

۱- روزنامہ انقلاب لاہور، اشاعت ۱۲ جون ۱۹۳۰ء

ایک بہت بڑا ہمدرد اٹھ گیا - ہمیں آپ کے متعلقین سے دلی ہمدردی ہے"۱ -

انھی دنوں انقلاب کے علاوہ لاہور اور ہندوستان کے دوسرے اخبارات میں بھی یہ خبر لازماً چھپی ہوگی - تاہم اگر نیازی صاحب کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ اقبال اخبار کم ہی دیکھتے تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاہور میں اقبال کے نیازمندوں کا جو ہجوم صبح و شام ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ان میں سے خصوصاً مدیران انقلاب اور چوہدری محمد حسین نے ایک مہینہ تک آرنلڈ کی رحلت کا ذکر کیوں نہ کیا اور سید نذیر نیازی نے تقریباً ۳۴/۳۵ دن کے بعد ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو دہلی سے آ کر علامہ اقبال کو مطلع کرنے کی سعادت حاصل کی -

سید نذیر نیازی ہی کے اپنے ایک بیان سے شروع جون ۱۹۳۰ء سے ۱۳ جولائی ۱۹۳۰ء تک لاہور میں ان کے موجود رہنے کی شہادت ملتی ہے - مکتوبات اقبال میں علامہ کے یکم جون ۱۹۳۰ء کے مکتوب کی وضاحت کرتے ہوئے نیازی صاحب لکھتے ہیں :

"بہرحال میں شروع جون* میں لاہور پہنچا - اور حضرت علامہ کے زیر ہدایت ترجمے کی ابتدا کر دی . . . ایک روز تیسرے خطبے کے سلسلے میں جہاں خودی کی بحث آئی ہے - علاج کا ذکر آ گیا اور حضرت علامہ نے بعض مسائل کی تشریح کرتے ہوئے اس صوفی مصلوب و مظلوم کی کتاب الطواسین کا حوالہ بھی دیا . . . اور پھر ارشاد ہوا کہ مجھے خود بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہیے - میں نے عرض کیا یونیورسٹی لائبریری میں تو شاید اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں - فرمایا : کیا مضائقہ ہے ، میرا ذاتی نسخہ لے جاؤ اور بہ غور اس کا مطالعہ کرو . . . -

لیکن ۱۳ جولائی کی شام کو جب میں لاہور سے دہلی روانہ ہوا اور حضرت علامہ سے اجازت طلب کی تو فرمایا : کتاب الطواسین کہاں ہے . . .۲-

---

* نذیر نیازی "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "۱۹۳۰ء کی گرمیوں میں راقم الحروف لاہور آیا اور حسب ارشاد دوسرے خطبے کے بعض اجزا کا ترجمہ شروع کر دیا . . ." ص ب -

۱- روزنامہ انقلاب لاہور ، ۲۰ جون ۱۹۳۰ء (یہی ادارتی نوٹ نقوش لاہور کے اقبال نمبر (۲) شمارہ ۱۲۳ دسمبر ۱۹۷۷ء میں نقل کیا گیا ہے) -

۲- مکتوبات اقبال ، ص ۲۷—۲۶ -

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نذیر نیازی کو شک یا امکانی صورت کا فائدہ دیا جائے۔ راقم الحروف کا احساس ہے کہ نذیر نیازی آرنلڈ کی وفات کے دنوں (یعنی وسط جون ۱۹۳۰ء) میں لاہور میں موجود تھے اور وہ اقبال کے لیکچرز کے ترجمے کے سلسلے میں علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جون کے دوسرے ہفتے میں خبر سن کر اقبال نے آرنلڈ کی وفات پر اپنے احباب کے سامنے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہوگا اور کئی صحبتوں میں آرنلڈ کی رفاقت اور معیت میں گذرے ہوئے زمانے کی باز آفرینی کی ہوگی۔ ممکن ہے سید نذیر نیازی کسی ایسی صحبت میں حاضر خدمت رہے ہوں۔ غالباً اس موقع کی اصل گفتگو اور تاریخ نیازی صاحب کے ذہن سے محو ہوگئی اور کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا۔ تاہم شواہد کے پس منظر میں مکتوبات اقبال اور دانائے راز کے متذکرہ بیانات کو اصولی طور پر تسلیم کرنا مشکل ہے کیونکہ جس تقریب کے باعث علامہ کے تاثرات بیان ہوئے ہیں وہ تقریب رونما ہی نہیں ہوئی۔

قصہ کوتاہ آرنلڈ کا انتقال ۹ جون ۱۹۳۰ء کو ہوا اور اس کی خبر روزنامہ انقلاب لاہور میں ۱۲ جون ۱۹۳۰ء کو شائع ہو گئی تھی۔ شاید سول ملٹری گزٹ میں ۱۰ اور ۱۲ جون ۱۹۳۰ء کے دوران میں یہ خبر شائع ہوئی ہو۔ جہاں تک آرنلڈ کے "رتبہ استشراق" اور ان کی اسلام کی خدمات کے بارے میں علامہ اقبال کی رائے کا تعلق ہے۔ علامہ اقبال نے قطعی اور غیر مشروط الفاظ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ لیڈی آرنلڈ کو اپنے تعزیتی خط میں لکھتے ہیں:

> " . . I know, words expressive of grief can bring but little consolation to you ; but I assure that your grief is shared by people in England, India and all those countries where his work as a great orientalist was known. Indeed his death is a great loss to British scholarship as well as to the world of Islam whose thought and literature he served with unabated zeal till the last moment of his earthly life. To me his loss is personal, for it was his contact that formed my soul and put it on the road to knowledge"[1].

خاتمۂ کلام سے پہلے ایک اور تسامح کی طرف توجہ منعطف ہوتی ہے، سید نذیر نیازی کے مطابق علامہ اقبال نے ۱۵ جولائی ۱۹۳۰ء کی صبح علی بخش سے

۱- Letters and Writings of Iqbal, edited and compiled by B.A. Dar, November 1967. p 115.

لیڈی آرنلڈ کے نام تعزیت کا خط لکھنے کے لیے کاغذ اور قلم منگوایا تھا۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر خط پر ۱۶ جولائی کے اندراج کا کیا جواز ہے؟ اس سے بھی سید نذیر نیازی کے محولہ بیانات کی تاریخوں میں عدم تطابق پر روشنی پڑتی ہے۔ مکتوبات اقبال اور دانائے راز کی محولہ تحریروں کی جزئیات میں بھی بڑا فرق ہے جن کا موازنہ و مقابلہ ایک دلچسپ مطالعہ ہے مگر یہ امر ہمارے موضوع کے دائرے سے خارج ہے۔ [illegible]

[illegible]

"... I know, words ... of grief can bring in little consolation to you, but I am sure ... people in England, India and all those countries ... work as a great oriental scholar was known. Indeed his death is a great loss to British scholarship as well as to the world of Islam whose thought and literature he served with ... zeal till the last moment of his earthly life. To me his loss is personal, for it was his contact that formed my soul and put it on the road to knowledge."

[illegible]

Letters and Writings of Iqbal, edited and compiled by B. A. Dar, [illegible] November 1967, p 115

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی*

اقبالیات پر نئی کتابیں

علامہ اقبال کے فکری تنوع اور شاعرانہ عظمت نے اُن کے اثرات کو اپنی ہمہ گیر وسعت عطا کی ہے کہ اقبالیات، نہ صرف پاکستان اور عالمِ اسلام بلکہ دنیا بھر کے علمی حلقوں میں مطالعہ و تجزیہ اور تنقید و توضیح کا ایک اہم موضوع بن چکا ہے — اقبالیات پر تحقیق و تنقید کے ضمن میں حوالہ جاتی کتابوں خصوصاً کتابیات کی ضرورت و افادیت محتاج بیان نہیں۔ کتابیات ہی سے کسی موضوع کے پھیلاؤ اور رفتارکار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

«کتابیات اقبال» (اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۷۷ء) میں راقم الحروف نے اقبال کے صد سالہ یوم ولادت (۹ نومبر ۱۹۷۷ء) تک اشاعت پذیر ہونے والی کتابوں کے حوالوں کو منضبط کرنے کی کوشش کی تھی مگر عین اس زمانے میں اقبالیاتی ادب کی اشاعت کا سلسلہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ جاری تھا۔ سالِ اقبال کے حوالے سے مطالعۂ اقبال کی طرف جو توجہ مبذول ہوئی تھی، اس کے نتیجے میں اقبالیات کے مختلف پہلوؤں پر نت نئی کتابیں، کتابچے، علمی و ادبی جرائد کی خصوصی اشاعتیں اور کلام اقبال کے تراجم چھپ کر سامنے آ رہے تھے۔ یہ مطبوعات صرف پاکستان یا اُردو زبان تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان کا دائرہ دنیا کی دو درجن سے زائد زبانوں تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ سلسلہ خاصے عرصے تک جاری رہا بلکہ اب بھی جاری ہے اور اس عرصے میں اقبالیات پر بعض نہایت اہم اور وقیع کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں۔

زیر نظر فہرست میں اقبالیات پر شائع ہونے والی نئی کتابوں کے حوالے جمع کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں ۹ نومبر ۱۹۷۷ء کے بعد شائع ہوئی ہیں البتہ اس میں اُن مطبوعات کے حوالے بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو بوجوہ مکمل صورت میں «کتابیات اقبال» میں نہیں آ سکے تھے یا جن تک راقم کی رسائی نہ ہو سکی تھی — اس طرح زیر نظر توضیحی فہرست «کتابیات اقبال» (لاہور، ۱۹۷۷ء) کا تکملہ ہے۔

۹ نومبر ۱۹۷۷ء کے بعد «کتابیات اقبال» میں مذکور بعض کتابیں کسی ردّ و بدل یا اضافے کے بغیر دوبارہ یا سہ بارہ چھاپی گئی ہیں یا پرانی کتابوں کی ایسی

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، لاہور۔

نئی اشاعتوں کے حوالے ، اس فہرست میں شامل نہیں کیے جا رہے — مزید برآں ایسے صرف اردو زبان میں مطبوعہ تصانیف و مرتبات تک محدود رکھا گیا ہے ۔ کلام اقبال کے مختلف نسخوں ، کلام کی شرحوں ، امتحانی مقالات یا جرائد کے اقبال نمبروں کے حوالے بھی درج نہیں کیے گئے ۔

زیر نظر فہرست ، کتابیات کے معروف اصولوں کے مطابق مرتب کی گئی ہے، تاہم بعض امور کی وضاحت ضروری ہے ۔

حوالوں کی ترتیب ، بہ اعتبار اسمائے مصنفین و مرتبین الفبائی ہے ۔ بعض کتابوں پر کتاب کے نام (Title) کے بعد وضاحتی عبارات بھی موجود ہیں ، انھیں جوں کا توں نقل کر دیا گیا ہے ۔ ہر حوالے میں کتاب کے یہ کوائف درج کیے گئے ہیں :

(۱) مصنف یا مرتب کا نام ۔
(۲) کتاب کا عنوان ۔
(۳) ناشر کا نام اور پتہ ۔
(۴) اشاعت کی تاریخ اور ماہ و سال (جن کتابوں پر اشاعت کی تاریخ یا سال درج نہیں ، ان کے اندراج میں «س ـ ن» لکھ دیا گیا ہے ۔ لیکن اگر کسی اور ذریعے سے سال اشاعت کا علم ہو سکا ، تو اسے قلابین [ ] میں درج کیا گیا ہے ۔
(۵) ضخامت ۔
(۶) قیمت ۔
(۷) کتاب کی تقطیع ۔
(۸) بعض کتابوں کے نام (Title) ہی سے اُن کے موضوعات و مباحث واضح ہیں مگر بیشتر کتابوں کے موضوعات تشریح طلب تھے ، چنانچہ ان کے ابواب ، مباحث یا مقالات کے عنوانات بھی لکھ دیے گئے ہیں ۔ اگر کوئی کتاب مختلف اہل قلم کے مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے تو مضمون کے عنوان کے ساتھ ، مضمون نگار کا نام بھی دیا گیا ہے ۔

متعدد کتابوں پر مرتب کا نام درج نہیں ، ان کے حوالے عناوین کتب کی الفبائی ترتیب سے شامل کیے گئے ہیں اور ان کے ساتھ «مرتب نامعلوم» کی صراحت کر دی گئی ہے ۔ مخففات کی علامتوں کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے :

مرتب نا معلوم : [م ـ ن]
سال اشاعت درج نہیں : [س ـ ن]
قیمت درج نہیں : ق ـ ن ۔
سنٹی میٹر : س ـ م ۔

امید ہے نئی کتابوں کی اس توضیحی فہرست سے اقبالیات پر ہونے والے کام کی سمت و رفتار اور پیش رفت کا اندازہ ہو سکے گا اور اس سے مطلوبہ کام کے ضمن میں راہنمائی بھی ملے گی ۔

آفاق احمد (مرتب)

اقبال ، آئینہ خانے میں : مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی ، بھوپال - ۱۹۷۹ء -
ص : ۸ + ۱۷۹ ، ۳۰/- روپے - ۲۱ × ۱۴ سم -

[اقبال صدی سیمینار منعقدہ بھوپال ۱۹۷۸ء کے مقالات و تقاریر — اقبال آئینہ خانے میں (سیمینار کی روداد) - خطبۂ افتتاحیہ ازہری بھاؤ جوشی - خطبہ استقبالیہ از حکیم سید قمر الحسن — مقالات و تقاریر : اقبال اور عصر حاضر از ڈاکٹر شبیہہ الحسن نونہروی - اقبال کا تصور فقر از ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری - اقبال کی تلاش میں از ڈاکٹر ظ - انصاری - اقبال کے اُردو کلام کا عروضی مطالعہ از ڈاکٹر گیان چند - تلاش اقبال از انعام الرحمٰن - اقبال : فکر و فن از ڈاکٹر ابو محمد سحر - اقبال کے خطوط از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروق - اقبال کے قومی اور وطنی نظریات از اختر سعید - اقبال کی نثری تخلیقات از ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی — انگریزی مضمون بہ عنوان «محمد اقبال» از فیض احمد فیض] -

آل احمد سرور ، پروفیسر

اقبال کا نظریۂ شعر و شاعری : شعبۂ اُردو ، دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۸ء -
ص : ۹۶ - ی - ن - ۲۱ × ۱۳ سم -

[تعارفی تقریر از ڈاکٹر قمر رئیس —— خطبات : اقبال کا شعری نظریہ - اقبال کی شاعری ، اُن کے نظریۂ شعر کی روشنی میں —— «نظام اُردو خطبات» ۱۹۷۷ء - ۱۹۷۸ء کے سلسلے میں یہ خطبے دہلی یونیورسٹی میں پیش کیے گئے] -

آل احمد سرور ، پروفیسر (مرتب)

اقبال اور مغرب : اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی ، سری نگر - فروری ۱۹۸۱ء - ص : ۲۱۲ - ۱۵/- روپے - ۲۱ × ۱۴ سم -

[پیش لفظ از آل احمد سرور - اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر کے زیر اہتمام ۳ تا ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو منعقدہ سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالات : اقبال کے ذہن پر مغرب کا اثر از ڈاکٹر حامدی کاشمیری - آین سٹائن اور برگساں کے نظریات زماں اور اقبال از جگن ناتھ آزاد - اقبال اور نئی مشرقیت از آل احمد سرور - مشرق اور مغرب ، علامت اور روایت از عالم خولد میری - اقبال اور صنعتی تمدن از شمیم حنفی - معیاروں کی باتیں از قاضی غلام محمد - تصور خودی اور مغربی اثرات از کمال احمد صدیقی - اقبال اور ورڈس ورتھ از غلام رسول ملک - اقبال اور کمیونزم از علی سردار جعفری - مغرب ، اقبال کا ذہنی آسیب از محمد یوسف ٹینگ - اقبال

اور مملکت از ریاض پنجابی ۔ اقبال اور جمہوریت از ڈاکٹر آکبر حیدری ۔ خلاصہ بحث از محمد نصیر زماں آزرمعو نصرت انصاری]۔

ابوالاعلیٰ مودودی ، سید

اقبال نے کیا چاہا؟ پنجاب یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین لاہور ۔ [۱۹۷۷ء]
ص : ۴۴ ، ق ، ۲ ، ۲۲×۱۴ سم ۔

[اقبال کا اصل کارنامہ ۔ حیات اقبال کا سبق ۔ اقبال ، عہد ساز شخصیت (انٹرویو مطبوعہ سیارہ ، اقبال نمبر ۱۹۷۳ء) تشکرات ۔ اقبال کا نظریہ آرٹ ۔ اقبال سے دو ملاقاتیں ۔ فکر اقبال کا مستقبل ۔ فلسفہ خودی ۔ چھ خطبات ۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ کا مفہوم] ۔

ابوالاعلیٰ مودودی ، (مرتبہ : سمیع اللہ خالد ہمایوں)

اقبالیات : مرکزی مکتبہ اسلامی ، دہلی ، نمبر ۲ ۔ جنوری ۱۹۷۹ء ۔ ص : ۴۰ ، ۱/۵۰ روپے ۔ ۲۲×۲۱ سم ۔

[یہ کتاب بہ متذکرہ بالا "اقبال نے کیا چاہا؟" کا نیا ایڈیشن ہے ۔ البتہ اس میں مولانا مودودی کے ایک انٹرویو مطبوعہ سیارہ "اقبال" نمبر فروری مارچ ۱۹۷۸ء کا اضافہ کیا گیا ہے] ۔

ابواللیث صدیقی ، ڈاکٹر

اقبال اور مسلک تصوف : اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور ۔ ۱۹۷۷ء ۔
ص ۴+ ۶۲۷ ، ۱۷/۔ روپے ۔ ۲۱×۱۴ سم ۔

[مباحث : تاریخ تصوف کا ایرانی اور ہندی پس منظر ۔ تاریخ تصوف کا ہندی ، یونانی اور اسلامی پس منظر ۔ برصغیر پاک و ہند میں تاریخ تصوف اسلام ۔ اقبال اور مسلک تصوف ۔ اقبال اور صوفیائے کرام ۔ تصوف کا نفسیاتی اور فکری پہلو اور علامہ اقبال] ۔

احسن عمرانی ، سید

اقبال در مدح محمد و آل محمد : حق برادرز نی انارکلی لاہور ۔ [۱۹۷۷ء]
ص ۲۲ ، ق ، ن ، ۲/۴۰ روپے ۔ ۲۱×۱۳ سم ۔

احمد نبی خاں

سب کا اقبال : کراچی ۔ [۱۹۸۰ء] ص : ۵۸ ، ۱۷ ½×۱۲ سم ۔

ارمغان دکن ، ——— علامہ اقبال کی خدمت میں حیدر آباد دکن کے ادیبوں اور شعرا کا نذرانۂ عقیدت [مر ۔ ن] بہادر یار جنگ اکادمی کراچی ۔ ۱۹۷۷ء ۔
ص ۸۵ ، ۵/۔ روپے ۔ ۱۸×۱۲ سم ۔

[مقالات : اقبال کا پیام آزادی ۔ از بہادر یار جنگ ۔ حیدر آباد دکن سے علامہ اقبال کے تعلقات از عبدالواحد معینی ۔ اقبالیات اور حیدر آباد از مولانا غلام محمد ۔ دکن میں منعلق اقبال کی تین نظمیں ۔ شعرائے دکن کی پانچ منظومات] ۔

اسعد گیلانی

اقبال ، دارالاسلام اور مودودی : اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور ۔ ۱۹۷۸ء ۔ ص ۳۰۸ ، ۲۷/- روپے ۔ ۲۲ × ۱۴ سم ۔

[مباحث : اقبال کا فکری محور ۔ تعلیمات اقبال ۔ اقبال کی نظریاتی مملکت ۔ اقبال اور تجدید و احیائے دین ۔ اقبال اور تدوین جدید فقہ اسلامی ۔ اقبال ، چودھری نیاز علی اور مودودی ۔ تاریخی مراسلت (مکاتیب چودھری نیاز علی بنام مودودی اور مکاتیب مودودی بنام چودھری نیاز علی) اقبال کا مرد مومن اور مودودی کا مرد صالح ۔ مولانا مودودی اور فریضہ اقامت دین ۔ مولانا مودودی اور تحریک اسلامی ۔ ضمیمے : علامہ اقبال ۔ مولانا مودودی ۔ چودھری نیاز علی ۔ دارالاسلام] ۔

اسلوب احمد انصاری

نقش اقبال : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۔ جنوری ۱۹۷۹ء ۔ ص ۱۹۲ ، ۱۴/- روپے ۲۲ × ۱۴ سم ۔

[مقالات : اقبال کی معنویت ہمارے عہد میں ۔ مطالعہ اقبال کے چند پہلو ۔ اقبال کا نظریہ وجدان ۔ اقبال کے یہاں تصورات کی شاعری ۔ اقبال کا تصور فقر ۔ اقبال کی شاعری میں ڈرامائی عناصر ۔ مسجد قرطبہ ۔ ذوق و شوق ۔ جاوید نامہ کا ایک پہلو ۔ غالب اور اقبال ۔ کلام اقبال میں سیاسی شعور کی جھلکیاں] ۔

اعجاز الحق قدوسی

اقبال اور علمائے پاک و ہند : اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ۔ ص ۴۰۲ + ۵ ، ۳۵/- روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ ۱/۲ سم [بہ قول مصنف یہ کتاب : "داستان حیات ہے برصغیر پاک و ہند کے ان دینی علمائے کرام کی جن سے علامہ اقبال کو قلبی تعلق تھا یا ان قدیم علما کی جن کی کتابوں کے مطالعے کا وہ غیر معمولی ذوق رکھتے تھے" عنوانات : برصغیر پاک و ہند کے علما کا علمی اور قومی کردار ۔ مجدد الف ثانی ۔ ملا محمود جونپوری ۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ۔ قاضی محب اللہ بہاری ۔ حافظ امان اللہ بنارسی ۔ شاہ ولی اللہ ۔ شاہ عبدالعزیز ۔ (شیخ محمد عاشق) شاہ اسماعیل شہید ۔ مولانا نور الاسلام ۔ ... شبلی نعمانی ۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن ۔ حضرت ... مفتی عزیز الرحمن ۔ حکیم برکات احمد ٹونکی ۔ سید ... مولانا ... عبدالماجد بدایونی ۔ علامہ انور شاہ کاشمیری ۔ شاہ سلیمان پھلواروی ۔ مولانا مظہر الدین ... مولانا عبداللہ العمادی ۔

مولانا شبیر احمد عثمانی ۔ حبیب الرحمان شیروانی ۔ سید سلیمان ندوی ۔ مسعود عالم ندوی ۔ محمد اسلم جیراج پوری ۔ مولانا حسین احمد مدنی ۔ ابوالکلام آزاد ۔ مولانا احمد علی لاہوری ۔ عبدالماجد دریا بادی ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی] ۔

افضال حسین نقوی ، سید

مدحت آل محمد اور اقبال : انجمن سفینہ ادب $\frac{۵}{۱۶۹۸}$ ڈرگ کالونی کراچی ۔ ۲۵ نومبر ۔ ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۶۶ ؛ -/۵ روپے ۔ ۲۲ × ۱۳ س م

[پیش لفظ از نادم سیتا پوری ۔ بہ قول مصنف : «اقبال کی شاعری کا نتھار ، اس کا حسن اور اس کی ناقابل بیان جھلا جھلی مدحت آل محمد میں مضمر ہے . . . اس . . . کمال کے لیے تاریخ ادب اور ملت اسلامیہ کو حضرت علامہ شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی کا مشکور ہونا چاہیے جن کے فیضان نظر نے اقبال کو اس منزل کمال تک پہنچایا»] ۔

افضل حق قرشی، قاضی (مرتب)

اقبال کا فکر و فن [از ڈاکٹر تاثیر] : منیب پبلی کیشنز لاہور ۔ ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۱۵۰ ؛ -/۱۸ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[ڈاکٹر تاثیر از افضل حق قرشی ۔ تاثیر کے مقالات : شاعر مشرق کے حضور ۔ اقبال کا نظریہ فن و ادب ۔ اقبال کا نظریہ شاعری ۔ اقبال کا شاعرانہ فکر ۔ اقبال کا سیاسی نظام ۔ فلسفہ اقبال ۔ سرود رفتہ ۔ کلام اقبال ۔ اقبال ، ایک آفاقی شاعر ۔ اسماء الرجال اقبال ۔ اقبال کی موت — شذرات — اقبال کی دو فارسی نظموں کا منظوم ترجمہ — دو اردو نظمیں ۔ مضمون : شکم الملت حضرت اکال الکل ۔ مکتوب اقبال بنام تاثیر ۔]

اقبال کے ممدوح علماء : مکتبہ محمودیہ کریم پارک، راوی روڈ لاہور ۔ طبع اول : ۱۹۷۷ء ۔ ص ۱۴۴ ۔ مجلد -/۱۵ روپے، غیر مجلد -/۱۲ روپے ۲۲ × ۱۴ س م ۔ طبع دوم: اگست ۱۹۷۸ء ۔ ص ۱۴۴ ۔ مجلد -/۱۵ روپے ۔ غیر مجلد -/۸ روپے ۔ ۲۲ × ۱۴ س م [مقالات : اقبال اور علماء از قاضی افضل حق قرشی ۔ اقبال ، مولانا سید میر حسن کی خدمت میں از قاضی افضل حق قرشی ۔ اقبال اور مولانا سید انور شاہ کشمیری ۔ حضرت علامہ انور شاہ اور ڈاکٹر اقبال از مولانا محمد صاحب انوری ۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی از سید صباح الدین عبدالرحمن ۔ اقبال اور مولانا سید حسین احمد مدنی از یوسف سلیم چشتی ۔ اقبال اور مولانا ابوالکلام آزاد از قاضی افضل حق قرشی ۔ اقبال اور سید عطاءاللہ شاہ بخاری از شورش کاشمیری ۔ ڈاکٹر اقبال کی چند ... و ترجیعات از حکیم فضل الرحمن — «ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر» سے اقتباس ۔ اقبال کی نثری تحریروں کے اقتباسات جن میں اقبال نے علماء سے ... کا اظہار کیا اور انہیں خراج تحسین پیش کیا] ۔

اقبالیات

انٹرمیڈیٹ ، یونٹ ۱ - ۱۰ ، [س - ن] : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۔
اشاعت اول : ۱۹۷۹ء - ص : ۳۲۰ - ق - ن - ۲۳ × ½ ۱۲ س م ۔

[اقبالیات کی یہ نصابی کتاب حسب ذیل دس اسباق پر مشتمل ہے ۔ سوانح اقبال از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ۔ تصانیف اقبال از صدیق جاوید ۔ خطوط اقبال از جہانگیر عالم ۔ منظر نگاری سے مقصدی شاعری تک (حقیقت حسن ، چاند اور تارے نظموں کے حوالے سے) از حسن سجاد سید ۔ منظر نگاری سے مقصدی شاعری تک (ماہ نو اور صبح کا تارہ کے حوالے سے) از حسن سجاد سید ۔ عشق رسول از توصیف تبسم ۔ اسلام ، ماضی اور مستقبل (صقلیہ اور فاطمہ بنت عبداللہ نظموں کے حوالے سے) از توصیف تبسم ۔ فرد اور ملت (بزم انجم اور پیوستہ رہ شجر سے ۔ کے حوالے سے) از مرزا رفیق بیگ] ۔

اقبالیات

انٹرمیڈیٹ ، یونٹ ۱۱ — ۲۰ [س - ن] : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد - ۱۹۷۹ء - ص : ۳۰۴ - ق - ن ۲۳ × ۱۸ س م ۔

[نثر اقبال از ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی ۔ ترانۂ ہندی اور ترانۂ ملی از انور محمود خالد ۔ شکوہ از انور محمود خالد ۔ جواب شکوہ از انور محمود خالد ۔ غزلیات اقبال از نظر صدیقی ۔ فارسی تصانیف از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ افکار اقبال از نظیر صدیقی] ۔

اقبالیات

بی ۔ اے، یونٹ ۸ - ۱۰ [س - ن] : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۔
۱۹۸۰ء - ص : ۳۸۲ - ۳۴/۵۰ روپے ۲۴ × ½ ۱۸ س م ۔

[اقبالیات کی یہ نصابی کتاب حسب ذیل اسباق پر مشتمل ہے ۔ اقبال کا ذہنی ارتقا از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ۔ اقبال کی اردو تصانیف از ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ۔ اقبال اور پاکستان از محمد جہانگیر عالم ۔ اقبال شناسی از ڈاکٹر سلیم اختر ۔ تصویر درد از سید افتخار حسین شاہ ۔ خضر راہ از ریاض مجید ۔ طلوع اسلام از حسن سجاد سید] ۔

اقبالیات

بی ۔ اے ، یونٹ ۹ — ۱۸ [س - ن] : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۔
۱۹۸۱ء - ص : ۴۶۰ - ۲۷/۵۰ روپے - ۲۴ × ۱۹ س م ۔

[بی ۔ اے اقبالیات کی نصابی کتاب ۔ اسباق: تصانیف اقبال از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ افکار پریشاں از ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی ۔ ذوق و شوق از ڈاکٹر محمد صدیق

خان شبلی ۔ ضرب کلیم کی نظمیں از انور محمود خالد ۔ غزلیات اقبال از نثار احمد قریشی ۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ از احسان اکبر ۔ نثر اقبال از رحیم بخش شاہین ۔ تسخیر فطرت از ڈاکٹر سید محمد اکرم ۔ افکار اقبال از ڈاکٹر محمد ریاض ۔]

اکرم زیبائی (معتمد)

صد سالہ یوم ولادت شاعر مشرق علامہ اقبال ، سوینیر میزان ادب : میزان ادب ، ۲۰ بہادر شاہ مارکیٹ ، ایم اے جناح روڈ کراچی ۔ [۱۹۷۷ء] ص : ۳۱ ۔ ق ۔ ن ۔ ۲۲ × ۱۴ س م [منظوم ہدیہ عقیدت بہ حضور اقبال از ماہر القادری ، شاعر لکھنوی ۔ مضامین : حضرت علامہ اقبال از ایم اسلم ۔ بچوں کے اقبال از مظہر یوسف زئی ۔ اقبال لالو کھیت میں از اکرم زیبائی] ۔

انعام الحق کوثر ، ڈاکٹر

مرد حر : اصغر اسٹیشنرز اینڈ بک سیلرس پرنس روڈ کوئٹہ ۔ اپریل ۱۹۷۸ء ۔ ص ۴۲ -/۵ روپے ۱۷ × ۱۲ س م ۔ [مقالات : مرد حر ۔ مرد مومن ۔ علامہ اقبال اور عصبیت ۔ تعلیم ، علامہ اقبال کی نظر میں ۔ تعلیم ایک تاریخی عمل کی حیثیت سے ۔]

انور علی، سید

علامہ اقبال اور مولانا مودودی : مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۔ دسمبر ۱۹۸۰ء ص : ۴۳ — ۱/۵۰ روپے ۔ ۱۸ × ۱۲ س م ۔

بلیغ الدین جاوید

اقبال اور خلافت راشدہ : انتخاب ادب ۱۰ ۔ ایبک روڈ ، لاہور ۔ -/۱۵ روپے ۔

پرویز

اقبال اور دو قومی نظریہ : ادارہ طلوع اسلام ، ۲۵ ۔ بی گلبرگ لاہور ۔ اشاعت اول : نومبر ۱۹۷۷ء ، اشاعت دوم : فروری ۱۹۷۸ء ۔ ص : ۲۴ ۔ ایک روپیہ ۔ ۲۴ × ۱۸ س م ۔

تاثیر ، ڈاکٹر محمد دین

دیکھیے : افضل حق قرشی قاضی (مرتب) ۔

تبسم کاشمیری ، ڈاکٹر

شعریات اقبال : مکتبہ عالیہ ، ایبک روڈ لاہور ۔ ۱۹۷۸ء ۔ ص : ۱۱۰ ۔ ۱۲/۵۰ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[دیباچہ از سجاد باقر رضوی ۔ مقالات : اقبال کی امیجری ۔ اقبال کی شعری علامتیں ۔ اقبال کی شاعری کا تشکیلی دور ۔ اقبال اور نئی اردو شاعری ۔ اقبال اور پنجابی شعری روایت ۔ اقبال اور نئی تہذیبی کلیت ۔]

جابر علی سید، پروفیسر

اقبال کا ارتقا: بزم اقبال ۲ - کلب روڈ، لاہور، جولائی ۱۹۷۸ء - ص: ۱۷۳ - ۱۳/- روپے - ۲۰ × ۱۲ ۱/۲ س م -

[اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ۔ سپنوزا اور ہماری شاعری، اقبال سے پہلے - اقبال کا فنی ارتقا - ابوالعلا معری، ایرج مرزا اور اقبال - اقبال کے تین لہجے - اقبال اور پروفیسر پطرس بخاری - مکالماتی نظم، اقبال کا ایک فنی پیکر - اقبال اور خطابیہ نظم - اقبال کی ایک غزل - اقبال کا شعری آہنگ - اقبال کا تصور فن] -

جاوید اقبال [ڈاکٹر]

زندہ رود، «حیات اقبال کا تشکیلی دور» : شیخ غلام علی اینڈ سنز، چوک انار کلی، لاہور - ۱۹۷۹ء - ص ۸ + ۱۵۷ - ۲۴ × ۱۵ س م -

[سلسلہ اجداد - خاندان سیالکوٹ میں - تاریخ ولادت کا مسئلہ - بچپن اور لڑکپن- گورنمنٹ کالج لاہور - تدریس و تحقیق - یورپ — کتاب ۱۹۰۸ء تک کے واقعات پر ختم ہوتی ہے - بقول مصنف : «کتاب میں اقبال کے افکار کے تدریجی ارتقا اور ان کے ماحول پر بحث زیادہ تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے اور زندگی کے نجی پہلو کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے»]

زندہ رود، «حیات اقبال کا وسطی دور» : شیخ غلام علی اینڈ سنز، چوک انارکلی لاہور - ۱۹۸۱ء - ص ۱۷۶ - ۳۵/- روپے- ۲۳ ۱/۲ × ۱۵ ۱/۲ س م -

[فکر معاش - ازدواجی زندگی کا بحران - ذہنی ارتقا- تخلیقی کرشمہ- قلمی ہنگامہ - خانہ نشینی - ہندو مسلم تضاد — بقول مصنف : اس حصے کا آغاز ستمبر ۱۹۰۸ء یعنی اقبال کی دنیا دارانہ جدو جہد سے ہوتا ہے اور دسمبر ۱۹۲۵ء تک کی مدت میں ان کے افکار کے بتدریج ارتقا کے جائزے پر اختتام پذیر ہوتا ہے» -]

جمیل احمد رضوی

پنجاب یونیورسٹی اور اقبال: عزیز پبلشرز اردو بازار، لاہور ۱۹۷۷ء - ص: ۹۶ + ۲۷ - ۱۵/- روپے - ۲۱ × ۱۳ س م - [پنجاب یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں ۱۹۷۶ء تک اقبالیات سے متعلق لکھے گئے تحقیقی و تنقیدی مقالات کی کتابیات]-

جیلانی کامران

اقبال اور ہمارا عہد: مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ لاہور - ۱۹۷۷ء - ص ۱۷۳ ۱۵/- روپے- ۲۱ × ۱۳ س م -

[مقالات : اقبال اور ہمارا عہد - بیسویں صدی کی دو شعری آوازیں - اقبال کی

شہرت کا باعث ۔ اقبال کا نئی نسلوں کے ساتھ تعارف ۔ مذہب کے مستقبل کا مسئلہ ۔ یورپی تہذیب اور زوال مغرب کا تصور ۔ حسین بن منصور حلاج ۔ صنم کدہ ہے جہاں . . .] ۔

فکر اقبال کے چند سوالات : مجلس اقبال گورنمنٹ کالج باغبان پورہ لاہور ۔ [۱۹۷۷ء] ص : ۱۱ - ۲۲ × ۱۴ س م ۔

حاتم رام پوری، ڈاکٹر

تصور بشر اور اقبال کا مرد مومن : بہار یونیورسٹی مظفر پور (بھارت) مئی ۱۹۷۹ء ۔ ص : ۵۶۸ - ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[مباحث : فوق البشر کے تصور کا ارتقا (ہومر تا ہیگل) ۔ مغربی افکار و آراء ۔ افکار مشرق : ارتقائے انسانی کا ہندوستانی تصور ۔ اسلام کا تصور انسان ۔ اقبال کا مرد مومن ۔ مرد مومن کا تقابلی مطالعہ ۔ محاکمہ] ۔

[اس مقالے پر مصنف کو بہار یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی]۔

حامد کاشمیری، ڈاکٹر

اقبال اور غالب : تخلیقی عمل کا مطالعہ : ادارۂ ادب ۳۹۶ ۔ جواہر نگر ، سری نگر ۔ جنوری ۱۹۷۸ء ۔ ص : ۲۳۵ - -/۲۰ روپے ۔ ۲۱ × ۱۴ س م ۔

[بہ قول مصنف : «اقبال اور غالب کا یہ مطالعہ . . . بنیادی طور پر اُن کے تخلیقی محرکات اور شعری عمل کے تجزیہ و تحلیل سے وابستہ ہے تاہم اس عمل میں دونوں کے مابین بعض مماثلتوں یا اختلافات کا ذکر ناگزیر ہو گیا ہے ۔ اقبال . . . تخلیقی عمل میں غالب سے مکمل طور پر مطابقت رکھنے کے باوجود اکثر مقامات پر متوازی راستے پر چلتے ہیں»]۔

حسن اختر ملک

دائرہ معارف اقبال : مکتبہ عالیہ ، ایبک روڈ انارکلی لاہور ۔ ۱۹۷۷ء ص : ۵۴۴ - -/۴۰ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[بہ قول مصنف : «زیر نظر کتاب . . . میں لغت کی صورت میں ، حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ان تمام الفاظ کی تشریح و توضیح کر دی گئی ہے جو اقبالیات کا حصہ ہیں ۔ اس مجموعے میں اقبال کی شخصیت ، شاعری ، نظریات ، افکار نیز اُن سے متعلق تمام تحریکات ، شخصیات ، مقامات اور وہ تمام دوسرے متعلقات جو اقبال کے تذکرے اور اقبالیات کے ضمن میں کسی نہ کسی طور ، کہیں نہ کہیں آتے ہیں ، یکجا کر دیے گئے ہیں اور ان کی تشریح و معانی میں اس بات کا بہ طور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اپنے اختصار کے باوجود کوئی بات تشریح طلب نہ رہ جائے»] ۔

حسن اعراقی

ڈاکٹر اقبال : پنجاب بک ڈپو لاہور ۔ اشاعت دوم [س ۔ ن]

ص ۲۷ ۔ قیمت ؟ ½۱۷ × ۱۲ س م ۔

[مختصر حالات زندگی ۔ بچوں کے لیے دو نظمیں]

حسین احمد مدنی ، مولانا سید

متحدہ قومیت اور اسلام : کتب خانہ عزیزیہ ، اردو بازار ، جامع مسجد دہلی ۔ س ۔ ن ۔ قیمت ؟ ۔ ۱۷ × ۱۳س م ۔

خالد بزمی

دیکھیے : خالد شفیق ۔ خالد بزمی (مرتبین)

خالد حامدی (مرتب)

تلاش اقبال : ادارہ شہادت حق ، ۸۰۱ چھتہ شیخ منگو جامع مسجد ، دہلی ۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء ۔ ص ۲۸۸ ۔ ۱۸ × ۱۲س م ۔

[دور اقبال ایک نظر میں (حیات اقبال کی مختصر میقات) از مرتب ۔ اقبال کے پیام کا متن اور شرح از سید سلیمان ندوی ۔ حیات اقبال کا سبق از ابو الاعلیٰ مودودی اقبال از رشید احمد صدیقی ۔ اقبال کا جذبۂ مذہبیت از سعید احمد اکبر آبادی ۔ اقبال کی شاعری از ماہرالقادری ۔ تلاش اقبال از انعام الرحمان ۔ علامہ اقبال کے کے بارے میں جسٹس جاوید اقبال سے انٹرویو از ایم ایس ناز ۔ علامہ اقبال کی زندگی کا ایک دن (۱) از میاں علی بخش — علامہ اقبال کی زندگی کا ایک دن (۲) از پروفیسر حمید احمد خاں ۔ خواجہ عبدالوحید کی ڈائری میں ذکر اقبال از خواجہ عبدالوحید ۔ علامہ اقبال اور مولانا مودودی از سید نذیر نیازی ۔ تعلیمی نظریات علامہ اقبال اور دارالاسلام کی تعلیم اسکم از اسعد گیلانی ۔ علامہ اقبال کا مجوزہ ادارہ «دارالاسلام» اور مولانا مودودی از ابو راشد فاروق ۔ بصیرت اقبال کی رو سے تقدیر امم از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ اقبال اور سوشلزم از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ۔ اسلام اور اشتراکیت اقبال کے آئینہ میں از نعیم صدیقی ۔ مطالعہ سائنس اور اقبال از خیرات ابن اسا ۔ حیات بعد موت کا اسلامی نظریہ اور سائنس از علامہ اقبال ۔ عظمت موت کے دروازے پر از میاں محمد شفیع (م ۔ ش) ۔ دور جدید اور انسانیت کی زبوں حالی از علامہ اقبال ۔ حیات اقبال ، ایک اجمالی جائزہ از صابر کلوروی ۔ علامہ اقبال کا ایک اہم مکتوب (بنام ظفر احمد صدیقی ، ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء) اقبال تصاویر کی روشنی میں] ۔

خالد شفیق ، خالد بزمی (مرتبین)
یاد اقبال : مجلس اردو ، ڈی ۳۸۹۵ لوہاری منڈی لاہور - [۱۹۷۷ء] ص : ۱۲۸ - قیمت : «احترام اقبال» - ۱۸ × ۱۲ س م -
[مضمون : «عظیم شاعر اور فلسفی» از اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی ——— مختلف شعراء کا منظوم ہدیہ عقیدت بہ حضور اقبال]

داؤد عسکر
جوئے شیر ، حصہ اول : رشید اینڈ سنز ، اردو بازار ، کراچی - فروری ۱۹۷۹ء - ص : ۶۳۰ ، ۵/-۷ روپے - $19\frac{1}{2} \times 15\frac{1}{2}$ س م -
[اقبال کے اردو کلام کا مکمل اشاریہ - اندراجات کی ترتیب اس طرح ہے : سب سے پہلے کالم میں الفبائی ترتیب سے مصرع ، دوسرے کالم میں متعلقہ مجموعہ کلام کا نام ، پھر قدیم نسخوں کا صفحہ نمبر ، بعد ازاں طبع جدید (۱۹۷۳ء و ما بعد) کا صفحہ نمبر — پھر اس نظم عنوان جس میں متعلقہ مصرع شامل ہے ، اس کے بعد نظم یا غزل کی ترتیب میں شعر کا نمبر اور آخر میں یہ وضاحت کہ یہ مصرع ، شعر کا پہلا مصرع اول ہے یا دوسرا —] -

رحمان ، جسٹس ایس - اے
اقبال اور سوشلزم : ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور - ۱۹۷۸ء ص : ۹۷ -/۱۰ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -
[مصنف کے انگریزی مقالے Iqbal and Socialism کا اردو روپ — دیکھیے : کتابیات اقبال : ص ۱۷۲] -

رشید محمود ، راجا
اقبال و احمد رضا : انجمن خدام احمد رضا ملتان روڈ لاہور - دسمبر ۱۹۷۷ء - ص : ۱۰۴ - ایک روپیہ - $\frac{1}{2}$ ۲۱ × ۱۴ س م -

رشید نازکی ، محمد اسد اللہ وانی (مرتبین)
محفل اقبال : جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز سری نگر- ۱۹۷۸ء - ص : ۲۳۲ ، ۶/۸۰ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -
[جموں اور سری نگر میں منعقدہ اقبال سیمیناروں میں پڑھے جانے والے مقالات : اقبال اور اسلامی فکر کی تشکیل نو از ڈاکٹر وحید اختر - علامہ اقبال اور حلاج از پروفیسر محی الدین حاجنی - اقبال خاور شناسوں کی نظر میں از پروفیسر جگن ناتھ آزاد - تصور وطن و آزادی اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر قمر رئیس - اقبال اور تصوف ار محمد یوسف ٹینگ - اقبال اور امام غزالی از رشید نازکی - اقبال اور اہل زبان از

ڈاکٹر منظر اعظمی ۔ اقبال اور پنجاب از ڈاکٹر نریش ۔ اقبال ، حافظ اور گوئٹے از غلام نبی خیال ۔ اقبال اور شیخ سعدی از پروفیسر محمد عبداللہ شیدا ۔ اقبال اور قرآن از مولانا مفتی حلال الدین ۔ اقبال اور ملت افغانیہ از ڈاکٹر عابد پشاوری ۔ اقبال ، خطوط کے آئینے میں از ڈاکٹر عبدالحق ۔ علامہ اقبال اور مولانا انور شاہ کشمیری از عبدالرحمان کوندو] ۔

ریاض صدیقی

اقبال ، اقبال ہے : آغا مسعود اکادمی ، کراچی ۔ نومبر ۱۹۸۰ء ص : ۱۱۲ ، ۱۵/- روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[پیش لفظ بہ عنوان : «قبلہ نما» از کامل القادری — مقالات : افکار اقبال ، اقبال اور معاشرت ۔ اقبال کے معاشی افکار ۔ اقبال اور تعلیم ملی ۔ انکار سے اثبات تک ۔ ذکر ، اقبال کی انگریزی تصانیف کا ۔ اقبال اور علم] ۔

سعید اختر (مرتب)

جرس کاروان : رابطہ کمیٹی صد سالہ تقریبات علامہ اقبال پاکستان آرڈننس فیکٹری ، واہ کینٹ ۔ [۱۹۷۸ء] ص : حصہ اردو : ۱۲۵ + حصہ انگریزی : ۷۲ ۔ ق ۔ ن ۔ ۲۱ × ½۱۳ س م ۔

[جشن ولادت اقبال کے سلسلے میں پاکستان آرڈیننس فیکٹری واہ کینٹ میں منعقدہ مختلف تقاریب میں پڑھے جانے والے مقالات — خراج عقیدت از میجر جنرل سید علی نواب خطبہ استقبالیہ از عبدالمالک — مقالات : اقبال کا فلسفہ خودی از فضل مقیم خان ۔ نیرنگ خیال [اور اقبال] از حکیم یوسف حسن ۔ حکیم الامت از نذیر نیازی ۔ اقبال اپنے دور کا ابراہم از پروفیسر کرار حسین ۔ اقبال عالم بالا میں از غلام جیلانی برق ۔ اقبال کے فکری ارتقاء کا ایک مرحلہ از فتح محمد ملک ۔ درویش با عمل از منظورالحق صدیقی ۔ ولائے مصطفوی کا معجزہ از سعید اختر فرمودات اقبال از سیف ذوالقرنین — انگریزی مقالات : اقبال اور اسلام از شیخ ریاض الخطیب ۔ پاکستان کا تاریخی پس منظر اور اقبال از جسٹس ایس اے رحمان ۔ مسلم سیاسی فکر کے ارتقا میں اقبال کا مقام از ڈاکٹر سید ریاض احمد] ۔

سعیدالدین شیر کوٹی

شاعر مشرق : کتب خانہ انصاریہ پشاور ۔ [۱۹۵۴ء] ص : ۶۴ ۔ قسم اول : ۱۲ آنے ۔ قسم دوم : ۸ آنے ۔ ۱۹ × ۱۲ س م ۔

[مباحث : حالات زندگی ۔ تصنیفات اقبال پر ایک نظر ۔ کلام و پیام اقبال دو تنقیدی نظریے (طرز بیان ۔ خیالات و جذبات) اقبال کا طرز بیان اور طریقہ اظہار ۔ کلام اقبال کی معنوی خوبیاں ۔ فلسفہ عشق و عقل ۔ تصوف اور اقبال ۔ مصور فطرت اقبال ۔ خودی اور اقبال ۔ ملت اور اقبال ۔ تسخیر فطرت ۔ اقبال کا تدریجی ارتقا] ۔

سلطانہ مہر (مرتب)

اقبال دور جدید کی آواز: ادارہ تحریر ۱۸۸۷ پی آئی بی کالونی کراچی۔ دسمبر ۱۹۷۷ء۔ ص: ۱۳۸ ، -/۱۵ روپے - ۲۱ × ۱۴ سم -

[**مقالات:** اقبال ، سوشلزم اور اسلام از پروفیسر کرار حسین ۔ خطوط اقبال کی اہمیت از ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ ڈاکٹر اقبال میری نظر میں از پروفیسر منظور حسین شور ۔ اقبال کا نظریہ فن از احمد ندیم قاسمی ، اقبال کا سفر ، سعدی سے اقبال تک از شان الحق حقی ۔ اقبال کی چند اصطلاحات کی تعبیر نو از پروفیسر مجتبول حسین ۔ اقبال کا ایک شعری کردار ، ابلیس ، وقت کی آواز از افتخار احمد مدنی ۔ پیام اقبال ایک مسیحی کی نظر میں ۔ اقبال اور حب الوطنی از سعید رضا سعید ۔ اقبال اور سرمایہ داری ار کمال الدین احمد ۔ علی گڑھ تحریک میں اقبال کا حصہ از سلطانہ مہر]

سلیم احمد

اقبال ، ایک شاعر: نقش اول کتاب گھر ، صندوق البرید ۱۱۸۱ ، لاہور ۔ جمادی الاول ۱۳۹۸ھ [۱۹۷۷ء] ص: ۱۱۸ ، -/۳۶ روپے - ½۲۳ × ۱۶ سم -

[پیش لفظ از کرار حسین - مباحث : اقبال ، اقبالیات اور ہم - ایک سچے شاعر کا المیہ ۔ اقبال اور اردو شاعری کی چار قسمیں۔ اقبال کی ایک داخلی تصویر۔ اقبال کا جہاد ۔ اقبال اور صدائے کن فیکون ۔ اقبال کا سورۂ اخلاص ۔ موچی دروازے کی شاعری ۔ اقبال کا معجزۂ فن ۔ اقبال کا ایک شعری کردار ، ابلیس ۔ اقبال کا ایک شعری کردار : شاہین] ۔

سلیم اختر ، ڈاکٹر (مرتب)

اقبال ، شعاع صد رنگ: سنگ میل پبلی کیشنز لاہور - ۱۹۷۸ء - ص ۳۶۸ -/۳۰ روپے - ۲۱ × ۱۴ سم -

[**مقالات:** علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال از دیا نرائن نگم ۔ اقبال کے چند جواہر ریزے جنھیں چننے کا مجھے موقع ملا از پروفیسر عبدالحمید ۔ خطبۂ صدارت از مہاراجہ شن پرشاد شاد ۔ اقبال کی نسبت میرے ذاتی تاثرات از محمد جلال الدین اشک ۔ حسن عقیدت از محمد عمر نور الٰہی - اقبال کا ذہنی ارتقا از اسلوب احمد انصاری ۔ اقبال اور فلسفہ خودی از بشیر احمد ۔ حضرت علامہ اقبال کا فکری جہاد از مولانا سرور ہاشمی۔ علامہ اقبال اور فلسفہ خودی از رفعت ۔ اقبال اور مارکس کے زاویہ ہائے نگاہ از م - م جوہر میرٹھی ۔ اقبال اور اشتراکیت از مرزا صفدر بیگ ۔ اقبال از بشیر احمد ۔ مجاہد اقبال از مخدوم محی الدین ۔ اقبال اور اس کی شاعری از لطیف النساء بیگم ۔ ترجمان حقیقت کی ایک فانی سیر از شجاع الدین ۔ علامہ اقبال کی شاعری از اکرام قمر ہوشیارپوری ۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال از محمد احمد

سبزواری ۔ اقبال کی شاعری کا ایک اہم پہلو از میر سراج الدین علی خان ۔ اقبال اور جدید آردو شاعری از میاں ارشد محمود ۔ کلام اقبال کی بعض خصوصیتیں از خواجہ حمید الدین شاہد ۔ اقبال کی حب‌الوطنی از سید احمد جعفری ۔ اقبال کی تعلیم جواں مردی و زندہ دلی از محمد اسماعیل مسلم ۔ نذر اقبال از جہاں بانو ۔ ہمارا قومی شاعر ، اقبال از ذکیہ احمد — اقبال اور عشق رسول از ایس ایم الہی ۔ اقبال کی نعتیہ شاعری از سید وحید اللہ وحید ۔ شاعر اسلام از ظفر قریشی دہلوی — اقبال نے بچوں کے لیے کیا لکھا از ح انصاری ۔ حضرت اقبال نے بچوں کی کیا خدمت کی؟ از محمد عبدالسلام ذکی ۔ علامہ اقبال کا فلسفہ از م ۔ م ۔ جوہر میرٹھی ۔ علامہ اقبال کا فلسفہ از محمد عبدالقیوم فانی ۔ علامہ اقبال کا فلسفہ از م ۔ م جوہر میرٹھی — ترجمان حقیقت از سید الطاف حسین ۔ ترجمان حقیقت از میاں ارشد محمود] ۔

اقبال کا ادبی نصب‌العین : شیخ غلام علی اینڈ سنز ادبی مارکیٹ ، چوک انارکلی لاہور ، [۱۹۷۷ء] ص : ۲۷۳ ، ‎۱۸/-‏ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[اقبال کا نظریہ شعر و فن آردو ، اشعار کی روشنی میں (منتخب اشعار) مقالات : فن اور مقاصد حیات (پیش لفظ مرقع چغتائی) از علامہ اقبال ۔ اقبال اور شاعری کا نصب‌العین از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ۔ اقبال کا نظریۂ شعر از احمد ندیم قاسمی ۔ اقبال کا نظریۂ ادب از پروفیسر محمد عثمان ۔ اقبال کا نظریۂ ادب از ممتاز حسین ۔ اقبال ، انا اور تخلیق از خواجہ عبدالحمید ۔ اقبال ، انا اور تخلیق از اسد ملتانی ۔ شاعری یا فن اقبال کے نقطۂ نظر سے از ڈاکٹر فرمان فتح پوری ۔ اقبال کا نظریہ شاعری از ڈاکٹر محمد دین تاثیر ۔ اقبال کا تصور شعر از ڈاکٹر محی‌الدین قادری زور ۔ اقبال کا نظریۂ فن از پروفیسر وقار عظیم ۔ اقبال کا نظریۂ فن و ادب از ڈاکٹر محمد دین تاثیر ۔ اقبال اور نظریۂ فن از عبدالرحمان چغتائی ۔ اقبال کی شاعری میں آرٹ کا تصور از شیخ اکبر علی ۔ اقبال کا نظریۂ فن از میاں محمد شریف ۔ ادب اور فنون لطیفہ کے متعلق اقبال کا نظریہ از عندلیب شادانی ۔ اقبال کا نظریۂ مقصود ہنر از شاہد حسین رزاقی ۔ اقبال اور فنون لطیفہ از سلطان صدیقی — اقبال کا نظریہ حسن‌کاری از محمد معین ۔ کلام اقبال میں خون جگر کی اصطلاح از عزیز احمد ۔ خون جگر کی نمود از محمد طاہر فاروقی ۔ اقبال کے ہاں خون جگر کی اصطلاح از بھولی اعجد ۔ اقبال کا تنقیدی شعور از سلیم اختر] ۔

اقبالیات کے نقوش : (علامہ اقبال کی شاعری اور فکر و فن پر ۱۹۳۸ء تک لکھے گئے مقالات کا انتخاب) : اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۔ ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۸۰+۵۲۷+۵۲ ، ‎۲۷/-‏ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[مقالات : اقبال کا تصور حیات از ڈاکٹر یوسف حسن خاں۔ اقبال اور سیاسیات از ڈاکٹر سید عبداللہ۔ اقبال کا نوجوان از نورالحسن ہاشمی۔ زندگی اور مقاصد از مرزا سلطان احمد ۔ علامہ اقبال ایک ریفارمر کی حیثیت میں از محمد عبدالرشید فاضل ۔ اقبال ایک مصلح کی حیثیت سے از شیخ عبدالرحمان ۔ اقبال کا تصور حیات از معراج خالد اعوان ۔ اقبال، وطنیت، پان اسلام ازم اور سیاسی تحاریک ازکفایت علی۔ اقبال کی نگاہ میں عورت کی حیثیت از سعید جعفری۔ اقبال، انسان اور عالم پر، بال جبریل میں از شمشاد سید۔ اقبال کا پیام حریت ار ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ۔ اقبال اور فلسفۂ مغرب از یوسف سلیم چشتی ۔ فلسفہ اقبال پر ایک اجمالی نظر از حفیظ ہوشیار پوری ۔ اقبال کا فلسفۂ حیات از برکت علی فراق ۔ اقبال کا تصور زماں از سید بشیر الدین ۔ اقبال کا شاعرانہ فلسفہ از ابو ظفر عبدالواحد ۔ بہشت و دوزخ کا تصور اور فلسفۂ خودی از اکبر ملک ۔ شاعر حکمت شناش از مہندر راج سکسینہ ۔ مثنویات اقبال از عبدالرحمان بجنوری ترجمہ: مالک رام ۔ رموز بے خودی از سر عبدالقادر ۔ جبریل مشرق از آل احمد صدیقی سرور ۔ ارمغان حجاز از صوفی تبسم ۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ از سید نذیر نیازی ۔ اسرار خودی از چودھری محمد حسن ۔ ضرب کلیم از قمرالدین خاں ۔ اقبال ، حالات اور شاعری از خلیفہ عبدالحکیم ۔ اقبال کا نظریہ شاعری از ڈاکٹر تاثیر ۔ اقبال کی شاعری میں آرٹ کا تصور از شیخ اکبر علی ۔ اقبال کا شاعرانہ ارتقا از حمید احمد خاں ۔ اقبال کی شاعری میں حسن و عشق کا عنصر از عزیز احمد ۔ اقبال کا اثر اردو شاعری پر از محی الدین قادری زور ۔ اقبال کی شاعری کا آخری دور از عبدالقادر سروری ۔ اقبال کی منظر نگاری از سلطان احمد ۔ حضرت اقبال کا طرز جدید از سلطان احمد ۔ اقبال اردو کا بہترین شاعر از ارشاد حسین بقائی ۔ اقبال کے کلام میں رجائیت کا عنصر از لطیف النسا بیگم ۔ نظم اقبال پر ایک سرسری تنقید از محمد مشتاق علی خاں ۔ اقبال تاریخ کے آئینے میں از محمود مجاہد ۔ اقبال اور اسلامی دنیا کے دیگر شعرا از ملک عبدالقیوم ۔ اقبال اور عشق رسول از محمد فاضل ۔ تنقید نقاد از شمشیر قلم ۔ اعتراضات اور جوابات از خواجہ عبدالوحید ندوی ۔ علامہ اقبال ، اعتراف کمال پر طعنہائے دلخراش از احضاء حسین ۔ اقبال اور اس کے نکتہ چیں از آل احمد سرور] ۔

اقبال ، ممدوح عالم : بزم اقبال ، ۲۔ کلب روڈ لاہور ، نومبر ۱۹۷۸ء ص : ۵۳۶ ، -/۴۰ روپے۔ $\frac{1}{2}$ ۲۰ × ۱۴ سم ۔

[مقالات : اقبال کے غیر مسلم مداح اور نقاد از ڈاکٹر سید عبداللہ ۔ اقبال ندیش

زبانوں میں از سید عبدالواحد ۔ اقبال ، ممدوح عالم از ڈاکٹر سلیم اختر ۔ اسرار خودی از ڈاکٹر آر ۔ اے ۔ نکلسن ۔ پیام مشرق از ڈاکٹر آر ۔ اے ۔ نکلسن ۔ عظمت اقبال از ہربرٹ ریڈ ۔ رموز بے خودی از اے ۔ جے آربری ۔ کلام اقبال ، بلبل ہندوستان از ای ایم فارسٹر ۔ محمد اقبال از ای ایم فارسٹر ۔ دانتے اور اقبال از الیسندرو بوزانی ۔ اقبال اور انسانی اخوت کا پیغام از پروفیسر جی توچی ۔ منصور حلاج ، اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر اینا ماری شمل ۔ فکر اقبال کی جہات از لوس کاوڈ متیخ ۔ مسجد قرطبہ ، کشف یا فنا از ڈاکٹر شیلا میکڈونف ۔ عظیم شاعر اور فلسفی از ڈاکٹر ایل آر ایلسن ۔ اقبال روس میں از خالد ۔ سوویت یونین میں اقبال شناسی از فتح محمد ملک ۔ روس میں اقبال شناسی کی روایت از ڈاکٹر سخوچوف ۔ ازبکستان اور علامہ اقبال از پروفیسر سعداللہ یلدا شیف ۔ اقبال کے سماجی نظریات از ایل آر گورڈن پولنسکایا ۔ فلسفۂ اقبال میں اخلاقیات کے مسائل از ایم ۔ ٹی ۔ ستے پین ینس ۔ اقبال کی روحانی وراثت اور سوویت علما از نکولائی گلیبوف ۔ افغانستان اور ایران میں اقبال پر مقالات و کتب از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ عصر حاضر کا عظیم مفکر اور فلسفی اقبال از ڈاکٹر ضیاء الدین سجادی ۔ اقبال کا ایک شعر از ڈاکٹر احمد علی رجائی ۔ مصر میں فکر اقبال از عباداللہ فاروقی ۔ اقبال کا پہلا عرب مترجم ڈاکٹر عبدالوہاب عزام از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ۔ پیام مشرق از ڈاکٹر عبدالوہاب عزام ۔ اقبال از ڈاکٹر طہٰ حسین ۔ ترکی میں مطالعۂ اقبال از ڈاکٹر حنیف فوق ۔ اقبال ، آفاقی شاعر اور نابغہ از ڈاکٹر علی نہاد تارلان ۔ علامہ اقبال از شہزادہ احمد علی خاں درانی ۔ اقبال کا انقلابی فلسفہ از پروفیسر ایس ۔ آئی ۔ فہد ۔ اقبال کا سیاسی فلسفہ از محمد ناصر ۔ اقبال بنگلہ میں از محمد عبداللہ ۔ بنگلہ ادب اور اقبال از وفا راشدی ۔ بنگلہ ادب اور اقبال از وحید قیصر ندوی ۔ اقبال، اسلامی احیا کا داعی از تیسا وجے رتن] ۔

سلیم اختر (مترجم)

فکر اقبال کا تعارف : سنگ میل پبلی کیشنز چوک، اردو بازار لاہور ۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء ۔ ص ۔ ۱۱۰ ، ۱۵/- روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ سم ۔

[لوس کلاڈ متیخ Luce-Claude Maitre کی کتاب Introduction to the Thought of Iqbal کا انگریزی سے اردو ترجمہ ۔ مباحث : اقبال ، حیات و تصانیف ۔ اقبال کا فلسفہ شخصیت ۔ انسان کامل اور مثالی معاشرہ ۔ اقبال کی ما بعدالطبیعات اور فلسفۂ مذہب ۔ اقبال اور مشرقی فکر ۔ اقبال اور مغربی فکر ۔ اقبال بحیثیت شاعر ۔ — کتاب کے آخری حصے «منتخب غزلیات» میں بال جبریل کی اردو غزلیں شامل ہیں جب کہ اصل کتاب میں مصنفہ نے زیادہ تر فارسی غزلیات درج کی تھیں —

سل کتاب فرانسیسی زبان میں تھی ، جس کا انگریزی ترجمہ ملا عبدالمجید ڈار نے کیا تھا اور اسے اقبال اکادمی پاکستان کراچی نے شائع کیا تھا ۔ دیکھیے کتابیات اقبال : ص ۱۷۸]

سلیم خان گمی

اقبال اور کشمیر : یونیورسل بکس ذوالقرنین چیمبر ، گنپت روڈ لاہور ۔ ۱۹۷۷ء ۔ ص ۱۵۲ ، -/۱۵ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[مباحث : کشمیر کا مذہبی اور فکری پس منظر ۔ کشمیر کا تاریخی اور سیاسی پس منظر ۔ کشمیر کی تحریک حریت اور اقبال ۔ اہل کشمیر کلام اقبال میں ۔ کشمیر ، کلام اقبال میں ۔ اقبال کے آباء و اجداد اور کشمیر ۔ ساقی نامہ کا مطالعہ] ۔

سہیم انصاری مراد آبادی ، ابو الاختر

کافر اقبال (اول) فرشتوں کا استغاثہ خدا کے حضور میں : عاصم بہاری پبلی کیشنز ، بورڈ پیرزادہ اسٹریٹ مراد آباد ۔ فروری ۱۹۷۶ء ۔ ص : ۸ + ۱۳۱ ۔ -/۸ روپے ۔ ۲۱ × ۱۴ س م ۔

[ڈرامائی انداز میں ، ملائکہ کی زبانی اقبال پر وہ الزامات لگائے گئے ہیں جو مختلف حلقوں کی طرف سے اقبال کی زندگی میں اُن پر عائد کیے گئے تھے ۔ موضوعات یہ ہیں : خودی ۔ خدا کی شان میں گستاخیاں ۔ ملائکہ پر الزام تراشی ۔ علماء کے خلاف ہرزہ سرائی ۔ وطینت ۔ تقسیم ہند ۔ خدائی رازوں کا سرقہ ——— مصنف نے بتایا ہے کہ اس کتاب کا دوسرا حصہ «اقبال کا جواب خدا کے حضور میں» پر مشتمل ہوگا] ۔

شانتی رنجن بھٹا چاریہ

اقبال ، ٹیگور اور نذرل ، تین شاعر ایک مطالعہ : ہندوستان آرٹ پریس کلکتہ ۔ ستمبر ۱۹۷۸ء ۔ ص : ۱۷۶ ، -/۱۰ روپے ۔ ۱۸ × ۱۲ س م ۔

[کتاب ایک مسلسل مقالے کی شکل میں ہے ۔ درمیان میں صرف ایک مقام پر ایک عنوان قائم کیا گیا ہے : «عورت اقبال کی نظر میں»] ۔

شرافت اللہ

نذر اقبال : فرینڈس بک کارنر اسلامیہ مارکیٹ ، اربلی ۔ اپریل ۱۹۷۶ء ۔ ص : ۱۰۴ ، -/۳ روپے ۔ ۱۸ × ۱۲ س م ۔

[اقبال ، ایک شاعر ۔ اقبال کا فلسفہ شاہین ۔ اقبال غزل گو ۔ اقبال کا مرد مومن ۔

اقبال کا فلسفۂ خودی ۔ اقبال کا قومی نظریہ ۔ اقبال ایک فلسفی شاعر ۔ اقبال اور فلسفۂ عورت ۔ اقبال کا نظریۂ فن ۔ اقبال کا تصور ابلیس ۔ ساقی نامہ ۔ ذوق و شوق ۔ لینن ۔ مسجد قرطبہ] ۔

شکیل الرحمان ، ڈاکٹر

اقبال ، روشنی کی جمالیات : پنجابی پستک بھنڈار ، دریبہ کلاں ، دہلی ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۱۲۸ ، -/۱۰ روپے ۔ ½ ۱۷ × ۱۲ س م ۔اشاعت دوم : اسٹار پبلی کیشنز لیمٹڈ (پرائیوٹ) لمیٹڈ دہلی ، ۱۹۷۷ء ۔ ص ۱۲۸ ، -/۱ روپے ۱۳ × ۱۰ س م ۔

[اندر کا فلیپ : ''روشنی ، علامہ کا بنیادی حسیاتی پیکر اور تصور ہے جو ان کے کلام کا جوہر ہے ۔ ان کی جمالیات کا مطالعہ اس کے بغیر نامکمل ہے ۔ ڈاکٹر شکیل الرحمان کے منفرد تخلیقی اسلوب نے اقبال کے ایسے تمام جمالیاتی تجربوں کو حد درجہ محسوس بنا دیا ہے جن میں روشنی کا حسیاتی پیکر فن کار کی سائیکی سے بے قرار ہو کر سامنے آیا ہے» ص : ۵] ۔

شمیم طارق

فہم اقبال : شفاعت بک ڈپو ، حافظ مینشن ، سولوی گنج لکھنؤ ۔ مئی ۱۹۷۶ء ۔ ص : ۸۹ - -/۳ روپے ۱۸ × ۱۲ س م ۔

[حرف آغاز از ساجد صدیقی ——— مباحث : سید ابو الحسن علی ندوی اور اقبال ۔ ابو الاعلیٰ مودودی اور اقبال ۔ مجنوں گورکھپوری اور اقبال ۔ اقبال اور اشتراکیت ۔ اقبال میری نظر میں —] ۔

[مصنف کا ذہن الجھا ہوا ہے ، ان کا کوئی خاص نقطۂ نظر نہیں ہے اور اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں —]

صدیق شبلی ، ڈاکٹر

اشاریہ کلام اقبال (اردو) : کتاب مرکز بھوانہ بازار ، فیصل آباد — دسمبر ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۱۲۰ ، -/۱۰ روپے ۔ ½ ۲۰ × ۱۳ س م

[پیش گفتار از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ «اقبال کے ابیات کے دو تین آغازی الفاظ طلبہ ، علماء کو عموماً یاد ہی ہوتے ہیں اس کتاب کی مدد سے مطلوبہ شعر یا اشعار کی فوری دریافت آسان ہو گئی ہے»] ۔

صدیق شبلی ، ڈکٹر ۔ محمد ریاض ، ڈکٹر (مرتبین)

کشف الابیات اقبال : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ، دسمبر ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۱۷۵ ، -/۴۰ روپے ۔ ۲۴ × ۱۹ س م ۔

[اقبال کے فارسی کلام کا اشاریہ۔ کلیات اقبال لاہور، ۱۹۷۳ء اور کلیات اقبال، تہران ۱۹۷۳ء کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے] ۔

طاہر تونسوی (مرتب)

اقبال اور سید سلیمان ندوی : مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ لاہور ۔ ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۱۶۰، ۱۲/۵۰ روپے ۔ ۲۱×۱۳سم ۔

[تقریظ از سید صباح الدین عبدالرحمان ۔ دیباچہ از پروفیسر مرزا محمد منور ۔ علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی از مولف ۔ مکاتیب اقبال بنام سید سلیمان ندوی ۔ اقبال کے متعلق سید سلیمان ندوی کی متفرق تحریریں ۔۔ ضمیمہ جات : حیات سلیمان کا خاکہ ۔ اشاریہ معارف ۱۹۱۲ء تا ۱۹۵۳ء (اقبال کی یا آن سے متعلق تحریروں کا اشاریہ)] ۔

اقبال اور عظیم شخصیات : تخلیق مرکز، ۳۳۔اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۔ ۱۹۷۹ء ص : ۱۷۶، ۲۰/- روپے ۔ ۲۱×۱۳سم ۔

[مقالات : اقبال اور عبدالرحمان الداخل از ڈاکٹر سید محمد یوسف ۔ اقبال اور سلطان ٹیپو شہید از یوسف سلیم چشتی ۔ اقبال اور قائداعظم از مرزا محمد منور ۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی از ڈاکٹر محمد معزالدین ۔ اقبال اور بو علی قلندر از عباداللہ فاروقی ۔ اقبال کے اساتذہ از ڈاکٹر سلیم اختر ۔ اقبال اور جمال الدین افغانی از ڈاکٹر معین الدین عقیل ۔ اقبال اور ابو الکلام آزاد از افضل حق قرشی ۔ اقبال اور سر اکبر حیدری از رفیع الدین ہاشمی ۔ اقبال اور نادر شاہ از اختر راہی ۔ اقبال اور بھرتری ہری از میرزا محمد بشیر] ۔

اقبال اور مشاہیر : سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اُردو بازار، لاہور ۱۹۷۸ء ۔ ص : ۲۳۰، ۲۵/- روپے ۔ ۲۱×۱۳سم ۔

[مقالات : اقبال اور حافظ از حامد حسن قادری ۔ اقبال اور رومی از خلیفہ عبدالحکیم ۔ اقبال اور حلاج از بشیر احمد ڈار ۔ اقبال اور غالب از عبدالمغنی ۔ اقبال اور چغتائی از ڈاکٹر وحید قریشی ۔ اقبال اور بیدل از ڈاکٹر عبدالغنی ۔ اقبال اور شبلی از ڈاکٹر محمد ریاض ۔ اقبال اور سرسید از ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ۔ اقبال اور حالی از پروفیسر سلیم اختر ۔ اقبال اور اکبر از جعفر شاہ پھلواری ۔ اقبال اور برگساں از ڈاکٹر عشرت حسین انور ۔ اقبال اور نطشے از ڈاکٹر عشرت حسین انور ۔ اقبال اور گوئٹے از ممتاز حسن ۔ اقبال اور آرنلڈ از صدیق جاوید] ۔

طفیل عرشی

اقبال، انقلابی شاعر : پاکستان ادبی سنگت لاہور ۔ دسمبر ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۸۰

-/۷ روپے - ۱۷ × ۱۲ سم -

ظ ۔ انصاری

اقبال کی تلاش : میٹرو پرنٹنگ اینڈ لیتھو ورکس ، بمبئی ، ۱۹۷۸ء - ص ۱۹۱-
-/۲۰ روپے ۲۱ × ۱۳ سم -

[مقالات : اقبال اور ہم - چار سرچشمے - بمبئی میں چند روز - اقبال اور جرمنی - پنجاب کے پس منظر میں - شان جمالی ، شان جلالی - فراق و وصال - قلندر کا لہو ترنگ - خدا لگی (کتابوں پر تبصرے) رد و قبول کا عمل - تصوف کا تاریخی رول] -

ظفر احمد صدیقی

فلسفہ ، شاعری اور اقبال : شعبۂ اردو ، دہلی یونیورسٹی ، دہلی - ۱۹۷۵ء -
ص ۷۶ - ۱۲/۵۰ روپے - ۲۱ × ۱۴ سم -

[تعارف از ظہیر احمد صدیقی - خطبات - فلسفہ اور شاعری - اقبال کا فلسفہ اور شاعری — یہ خطبے ، «نظام اردو خطبات ۱۹۷۵ء» کے سلسلے میں دہلی یونیورسٹی میں پیش کیے گئے] -

ظہور احمد اظہر ، ڈاکٹر

اقبال ، عرب شعراء کی نظر میں : مکتبۂ العلمیہ لیک روڈ لاہور ، ۳۰ نومبر ۱۹۷۷ء ص : ۱۲۸ ، -/۲۲ روپے - ۲۱ × ۱۴ سم -

[عرب شعراء کے منظوم ہدیہ ہائے عقیدت - بعض قصائد کا نثر میں ترجمہ]

عالم خوند میری ، ڈاکٹر - مغنی تبسم ، ڈاکٹر (مرتبین)

فکر اقبال : کل ہند اقبال صدی تقاریب کمیٹی حیدر آباد [بھارت] جنوری ۱۹۷۷ء - ص : ۲۲۴ ، -/۱۵ روپے - $\frac{1}{2}$۲۱ × ۱۴ سم -

[پیش لفظ از مغنی تبسم - خطبۂ استقبالیہ از ابراہیم علی انصاری - خطبہ افتتاحیہ از درگا پرشاد دھر - اقبال صدی تقاریب حیدر آباد نومبر ۱۹۷۴ء ، کے موقع پر پڑھے جانے والے مقالات : جاوید نامہ ، ایک تعارف از جگن ناتھ آزاد - اقبال کی مسجد قرطبہ از عمیق حنفی - اقبال اور فرنگی از علی سردار جعفری - اقبال کا نظریۂ وجدان از اسلوب احمد انصاری - اقبال اور مغربی فکر از ڈاکٹر وحید اختر - علامہ اقبال ، ان کا ورثہ اور ان کی کوتاہیاں از ڈاکٹر راج بہادر گوڑ - فکر اقبال کا ابہام از ڈاکٹر سید وحیدالدین - اقبال کے تصور عشق کی قلب ماہیت از گربچن سنگھ طالب - علامہ اقبال کا نظریۂ اجتہاد از مولانا سعید احمد اکبر آبادی - اقبال کا نصب العین انسان ، مرد مومن از ڈاکٹر غلام عمر خاں - اقبال ، مذہب اور سائنس از ڈاکٹر محمد حسن - انسان کی تقدیر اور وقت اقبال کی نظر میں از ڈاکٹر عالم خوند میری]

عبادت بریلوی ، ڈاکٹر

اقبال ، احوال و افکار : مکتبہ عالیہ ، ایبک روڈ ، انارکلی لاہور - ۱۹۷۷ء - ص : ۲۰۷ ، ۱۸/- روپے - ۲۱×۱۳ س م -

[مقالات : احوال اقبال - افکار اقبال - اقبال کا تنقیدی نقطۂ نظر - اقبال کی عظمت - کلام اقبال میں عظمت انسانی کا تصور - اقبال ، شاعر ملت - اقبال اور تہذیب مغرب - اقبال اور صنف لطیف - اقبال کی غزل - خضر راہ - ساقی نامہ - ذوق و شوق - اقبال کی نثر نگاری] -

عبدالحمید ، ڈاکٹر

اقبال ، بحیثیت مفکر پاکستان : اقبال اکادمی پاکستان لاہور - ۱۹۷۸ء - ص : ۱۷۹ ، ۲۶/- روپے - ۲۱ × ۱۳ ۲/۲ س م -

[بہ قول مصنف : «کتاب کے پہلے حصے میں ان خطرات کا جائزہ لیا گیا ہے جو ۱۹۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی قومی وحدت پر منڈ لا رہے تھے - دوسرے حصے میں اقبال کی زندگی کے سیاسی پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے»] -

عبدالرؤف عروج

اقبال اور بزم اقبال (حیدر آباد دکن) **:** دارالادب پاکستان ، کراچی - ستمبر ۱۹۷۸ء - ص : ۱۶۴ ، ۱۸/- روپے - ۲۱ ۱/۲ × ۱۴ س م -

[بہ قول مصنف : اقبال حیدر آباد شناس تھے اور حیدر آباد اقبال شناس - میں نے . . . اسی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے - میں نے حیدر آباد کے تمام روز ناموں ، ماہناموں اور ہفتہ وار جریدوں میں شائع ہونے والی ان رپورٹوں اور رودادوں سے فائدہ اٹھایا جو ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک شائع ہوتی رہی ہیں . . . سارا ریکارڈ اقبال کے سچے قدردان . . . نواب حسن یار جنگ کے کتب خانے میں محفوظ ہے»] -

عبدالسلام خورشید ، ڈاکٹر

سرگذشت اقبال : اقبال اکادمی پاکستان لاہور - ۱۹۷۷ء - ص : ۸ + ۶۱۱ - ۷۳/- روپے - ۲۱ × ۱۴ س م -

[علامہ اقبال کی سوانح حیات - «حرف تعارف» از ایس اے رحمان : «جہاں تک راقم اندازہ لگا سکا ، تالیف کے متن میں حیات اقبال کے ضروری کوائف اجاگر ہو گئے ہیں»] -

عبداللہ ، ڈاکٹر سید

مقاصد اقبال : علمی کتب خانہ ، اردو بازار ، لاہور - [نومبر ۱۹۸۱ء] ص : ۲۵۲ ، -/۲۰ روپے - ۲۱ ½ × ۱۴ س م -

[مباحث : فکر اقبال کا مرکزی نکتہ ، بازیافت - ملی وجود کے چند بڑے دشمن ، نئے اور پرانے - خارجی عصری حملہ ، مغربیت - اسلامی وحدت کے تین داخلی فتنے - ضعف قوائے ملی کا علاج - فکر اقبال مسلمانوں کی علمی روایت کے تسلسل میں - اقبال اور سائنس] -

عبداللہ ، ڈاکٹر سید (مرتب)

متعلقات خطبات اقبال : اقبال اکادمی پاکستان لاہور - ۱۹۷۷ء - ص : ۳۴ + ۲۸۰ ، -/۳۳ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -

[تعارف نامہ مقالہ نگاران از مرتب - مقالات : اقبال اور دینی تجربہ از عبدالحفیظ کاردار - اقبال کا جنوبی ہند کا سفر از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی - اعلام خطبات اقبال از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار - علامہ اقبال کا تصور تقدیر از پروفیسر محمد منور - اقبال کا تصور بقائے دوام از مظفر حسین - خطبات میں حکمائے اسلام کے حوالے از ڈاکٹر امین اللہ وثیر - اقبال اور فخر رازی از ڈاکٹر سید عبداللہ - گلشن راز جدید خطبات کے آئینے میں از ڈاکٹر سید عبداللہ - اقبال اور شبستری از ڈاکٹر سید عبداللہ - اقبال کے ہم صفیر نادر و نیرنگ از محمد عبداللہ قریشی] -

عبدالجبار شاکر (مرتب)

قاموس الاقبال : بورڈ آف انٹرمیڈیٹ و سیکنڈری ایجوکیشن لاہور - ۹ نومبر ۱۹۸۱ء - ص ۵۹ + ۱۷ : ق - ن - ۱۸ × ۲۵ س م -

قاموس الاقبال : (جلد دوم) بورڈ آف انٹرمیڈیٹ و سیکنڈری ایجوکیشن لاہور - نومبر ۱۹۸۱ء - ص ۴۰ + ۳۹ : ق - ن - ۱۸ × ۲۵ س م -

[اقبال کے بارے میں ایک نئی کتابیات جس میں کتابوں اور اقبال نمبروں کے حوالوں کے علاوہ «اقبال ریویو» لاہور ، «اقبال» لاہور «اقبال ریویو» دکن میں اقبال پر شائع ہونے والے مقالات کا اشاریہ بھی شامل ہے] -

عبداللطیف اعظمی

دانائے راز : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی - جولائی ۱۹۷۸ء - ص : ۲۴۰ - -/۱۵ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -

[مباحث : حالات زندگی ـ مکاتیب اقبال کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ ـ اقبال کے خطوط اپنے معاصرین کے نام ـ حیات اقبال کی اہم تاریخیں — بہ قول مصنف : «بنیادی طور پر اُن کے خطوط اور معاصر تحریروں کی روشنی میں ان کے حالات زندگی مرتب کرنے اور ان کے خطوط پر تجزیاتی اور تنقیدی نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے»] ۔

عبدالقوی دسنوی

اقبال اور دلی : نئی آواز ، جامعہ نگر ، نئی دلی ـ جون ۱۹۷۸ء ـ ص : ۱۵۰ ۹/۵۰ روپے ـ $21 \times 13\frac{1}{2}$ ۔

[اقبال اور دلی کے تعلق پر ایک تفصیلی مقالہ ـ دلی سے مطبوعہ کتب اقبالیات کی فہرست ـ دلی سے شائع شدہ رسائل و جرائد میں اقبال سے متعلق مضامین اور تبصروں کا اشاریہ] ۔

بچوں کا اقبال : نسیم بک ڈپو ، لاٹوش روڈ لکھنؤ ـ جنوری ۱۹۷۸ء ـ ص : ۸۴ ۴/- روپے ـ ۱۸ × ۱۲ س‌م ۔

[ایک مقالہ بہ عنوان «بچوں کا اقبال» ـ بچوں سے متعلق اقبال کی اُردو منظومات] ۔

عبدالماجد دریابادی

اقبالیات ماجد : اقبال اکیڈیمی ، مدینہ منشن ، نارائن گوڑہ ، حیدر آباد (اے ـ پی) بھارت ـ اپریل ۱۹۷۹ء ـ ص : ۷۰ ، ۷/- روپے ۲۱ × ۱۶ س‌م ۔

[پیش لفظ بہ عنوان : اقبالیات ماجد از ڈاکٹر غلام دستگیر رشید — مکتوب عبدالماجد دریابادی بنام معتمد اسٹڈی سرکل کل ہند مجلس تعمیر ملت — عبدالماجد دریابادی کی تحریریں : اقبال ـ پیام اقبال ـ شکوہ ، جواب شکوہ ـ جنون الحاد ـ مغرب کی ترقی کا راز ـ شیشہ اور موتی ـ پس چہ باید کرد ـ ضرب کلیم ـ دانش حاضر ـ جاوید نامہ ـ ارمغان حجاز ـ دو لفظ مرد خدا کی بارگاہ میں ـ نشتے ، رومی اور اقبال — مکاتیب اقبال بنام عبدالماجد دریابادی] ۔

عتیق صدیقی

اقبال ، جادوگر ہندی نژاد : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ، اگست ۱۹۸۰ء ـ ص ۱۶۰ ، ۱۴/- روپے ـ $17\frac{1}{2} \times 12$ س‌م ۔

[کل دس ابواب ہیں جن میں بقول مصنف : «اقبال شاعری کی روشنی میں ان کے سیاسی افکار و اعمال کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے» — اُن کے خیال میں

«اقبال دہری شخصیت کے مالک» تھے - وہ پہلے دور میں وطن پرست تھے ، پھر ابوالکلام آزاد کے زیر اثر اسلامیت کی طرف مائل ہو گئے - تاہم : «۱۹۲۴ء کے بعد آن کی شاعری کا جو دور شروع ہوا ، اس میں اتحاد اسلامی کی لے مدھم پڑ گئی اور عالم انسانیت کے وسیع تر اتحاد کا ، نیز سوشلزم کا ، سر تیز ہو گیا» عتیق صدیقی کے بقول : «ان کے نزدیک انسان کے معاشی مسائل صرف سوشلزم ہی سے حل ہو سکتے ہیں» اور یہ کہ ان کے ہاں «ہندوستان میں مسلم ریاست کے قیام کے اس تخیل کا کہیں ذکر نہیں ملتا ، جس سے انہیں متہم کیا جاتا ہے» — ضمیموں میں شیخ عبدالقادر کا ایک مضمون (مطبوعہ خدنگ نظر مئی ۱۹۰۲ء) اور اقبال کے سیاسی افکار و اعمال کے بارے میں محمد علی جوہر کا مضمون شامل ہیں — سر عبدالقادر کے مضمون سے داغ سے اقبال کے آغاز تلمذ کا سال (۱۸۹۳ء) متعین ہوتا ہے] -

عطش درانی (شریک مدیر : میاں محمد افضل)

اقبال کا انسائیکلوپیڈیا : مکتبہ زرین ، ذوالقرنین چیمبرز ، گنپت روڈ ، لاہور - ۱۲- اپریل ۱۹۷۸ء - ص : ۲۴۰ ، ۱۰/۵۰ روپے - ۱۸ × ۱۱س م -

[مختلف عنوانات و موضوعات پر اقبال کے کلام نظم و نثر کا الفبائی ترتیب میں ایک فکری انتخاب] -

عقیل الرحمان عقیل (مرتب)

نذر اقبال : وقار خلیل معتمد نیشنل یونٹری فورم ، حیدر آباد [دکن] نومبر ۱۹۷۷ء - ص : ۶۴ - مجلد : -/۴ روپے ، غیر مجلد ۲/۸۰ روپے - ۱۸ × $12\frac{1}{2}$س م -

[مقالہ : «اقبال شناسی میں حیدر آباد کا حصہ» از عقیل الرحمان عقیل - مختلف شعرا کی تیس منظومات جن میں اقبال کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے] -

علی سردار جعفری

اقبال شناسی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی - طبع اول : دسمبر ۱۹۷۶ء ص : ۱۱۱ ، ۱۰/۵۰ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م - اشاعت دوم : پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور - دسمبر ۱۹۷۷ء - ص : ۱۱۱- خاص ایڈیشن -/۱۵ روپے - عام ایڈیشن -/۱۰ روپے - $20\frac{1}{2}$ × ۱۳ س م -

[شاعر مشرق - اقبال اور فرنگی - اقبال کا تصور وقت] -

عمر حیات غوری

اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی - مئی ۱۹۸۱ء
ص : ۲۸۸، -/۱۴ روپے ۲۱×۱۳ س م -

غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر

اقبال کا ذہنی ارتقاء: مکتبہ خیابان ادب لاہور - جنوری ۱۹۷۸ء - ص :
۲۱۶، -/۳۰ روپے - ۲۱×۱۳ س م -

[بہ قول مصنف: ''اس تالیف میں علامہ اقبال کی اپنی تحریروں کی (نظم و نثر) کو بنیاد بنایا گیا ہے اور ثانوی مآخذ کے طور پر صرف ان بیانات کو لیا گیا ہے جو روایت اور درایت کے مسلمہ اصولوں کے مطابق مستند کہے جا سکتے ہیں . . . اقبال کے ذہنی ارتقاء کو ابتدا میں چند ادوار میں اور پھر ماہ و سال کے آئینے میں پیش کیا گیا ہے''] -

اکبر اور اقبال: مکتبہ عالیہ، ایبک روڈ لاہور - ۱۹۷۷ء - ص : ۱۵۲،
۱۳/۵۰ روپے - ۲۱+۱۳ س م -

[مقالہ: اکبر پیش رو اقبال از مصنف - خطوط اقبال بنام اکبر - خطوط اقبال بہ سلسلہ اکبر بنام عشرت، شاد، گرامی اور نیاز - خطوط اکبر بنام اقبال - خطوط اکبر بہ سلسلہ اقبال بنام مرزا سلطان احمد، شیخ عبدالقادر، خواجہ حسن نظامی اور عبدالماجد دریابادی - مضمون اکبر اور اقبال از مصنف — ضمیمے : لسان العصر اکبر اور ہیگل از اقبال - نظم فریاد اکبر «ملا و صوفی»] -

سرگذشت اقبال، ایک محاکمہ: مکتبہ خیابان ادب ۹۳ - چیمبرلین روڈ لاہور -
اپریل ۱۹۷۹ء - ص : ۹۵، -/۴ روپے - $\frac{1}{2}$۲۱×۱۴ س م -

[سوانح اقبال، چند معروضات - سرگذشت اقبال، ایک جائزہ - م - ش کی ڈائری، ایک اقتباس - ایک خط بہ سلسلہ سرگذشت اقبال - پہلا عنوان - مسئلہ اقبال کی تاریخ ولادت کا] -

غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر

اقبال اور قرآن: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور - دسمبر ۱۹۷۷ء، ص :
۸+۱۸۹، -/۹۰ روپے ۲۱×$\frac{1}{2}$۱۳ س م -

[کتاب دو حصوں میں منقسم ہے - مصنف کے الفاظ میں : پہلا حصہ بہ عنوان :

«تبصرہ و ذکریٰ» کے ذیل میں قرآن سے متعلق علامہ اقبالؒ کے خیالات ، نظریات اور واقعات درج کر دیے گئے ہیں اور (دوسرے حصے بہ عنوان : «لکل عبد سیب» کے تحت ان کے ہر مجموعہ کلام کے قرآنی مضامین کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے»] -

معارف اقبال : اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ ، I-J.45/10 ناظم آباد ، ی روڈ ، کراچی - ۱۹۷۸ء - ص : ۱۶۰ ، ۱۲/- روپے - ۱۲×۱۷ س م -

[مقدمہ از سید حسین امام - مقالات : کلام اقبال کا تاریخی اور سیاسی پس منظر - اقبال کا نظریہ شعر و ادب - اقبال اور حدیث - اقبال اور عشق رسول - اقبال کے دینی عقائد - اقبال اور نرک - اقبال اور برگساں - اقبال اور تصوف - ترجمان خودی]-

غلام مصطفیٰ فقیر، الحاج ملک

فیض اقبال : الحاج ملک غلام مصطفیٰ فقیر ، گوالمنڈی لاہور - ۱۹۷۸ء - ص : ۲۷۲ - قیمت درج نہیں - ۱۴×۲۱ س م -

[بہ قول مصنف : «اقبال اور دیگر صوفیائے کرام کے نظریات و ارشادات کی روشنی میں اس فقیر کا مجموعہ خیال تصوف کے ایک نئے رنگ میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے . . . دیگر واقعات کے علاوہ صد سالہ تاریخ اسلام کے چند حسین نقوش اور جھلکیاں ہیں جو اشعار اور رباعیات کی شکل میں پیش کی گئی ہیں . . . میں فطرتاً شاعر نہیں ہوں . . . میں نے احساسات سے متاثر ہو کر کیفیات میں ڈوب کر حقیقت کو پیش کرکے شاعری کی محض ایک شکل اختیار کی ہے . . . میری شاعری میں گو کافیہ (کذا) ہوگا لیکن ردیف سے بعض جگہ بالکل بے نیازی برتی گئی ہے - اگر میں ایسا نہ کرتا تو اصل مفہوم فوت ہو جانے کا خطرہ تھا اس لیے وہاں کافیہ (کذا) کو ردیف گردانا گیا وغیرہ وغیرہ» — مصنف نے بحر اور وزن سے بھی بے نیازی برتی ہے] -

غیاث الدین (مرتب)

ملت مقالات : ادارہ معارف اسلام ۹ - بی شاہ عالمی گیٹ لاہور - [۱۹۷۷ء] ۱۰/- روپے - ص: ۱۱۲ -

[مقالات : یادگار اقبال از مرزا احمد علی - اقبال کے عقائد مذہبی از غیاث الدین - فقر شبیری از ڈاکٹر عسکری بن حمد - اقبال کا مرد مومن از سید محمود عباس بخاری - اقبال اور عزاداری امام حسین از غیاث الدین - مسلک اقبال پر علامہ شیخ عبدالعلی الہروی کی علمیت کا اثر از غیاث الدین - اقبال اور عقیدہ ظہور امام مہدی از غیاث الدین] -

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر

اقبال سب کے لیے : اردو اکیڈمی سندھ، کراچی - ۱۹۷۸ء - ص : ۲۳+۵۲۸ ق - ن - ۲۱ × ۱۳ س م -

[مباحث : ماحول ، زندگی اور شخصیت - تصانیف اقبال - پیغام حیات یا فلسفہ خودی و بے خودی - تصور تعلیم - سیاسی افکار و تحریک پاکستان - دنیائے اسلام اور اقبال - اقبال کا فن اور نظریۂ فن - اقبال کا تصور عقل و عشق - اقبال پر مشرق و مغرب کے اثرات - اردو شاعری - فارسی شاعری - اقبال اور نئی نسل - علمی و ادبی دنیا پر اقبال کے اثرات] -

قمر الدین احمد

اقبال سے گستاخی کی معذرت : قمرالدین احمد چاننا ہاؤس ، میٹھا در چوک ، کراچی نمبر ۲ - ۱۹۷۶ء - ص : ۳۸ - قیمت -/۱ روپیہ - ۱۸ × ۱۲ س م -

[بقول ، مصنف : «اقبال کے نظریہ کی رو سے جو تجربہ سے صحیح ثابت ہوا نہ تو ہندوستان ہمارا وطن ہو سکتا تھا اور نہ ہندو ہمارے ہم قوم اور یہ کہ حسین احمد مدنی ہمیں صریحاً دھوکہ دے رہے تھے» — مزید یہ کہ ہندو ، آزادی سے قبل : ذلت کی انتہائی پستیوں میں ڈوبے ہوئے تھے آج . . . عروج اور کامرانی سے ہم کنار ہیں اور ہم جو سات سو سال تک برصغیر پر علم اقتدار لہراتے رہے ، اب اسفل السافلین میں اپنی کامیوں میں گرفتار ہیں . . . کیا یہ حکیم الامت کی شان میں گستاخی نہیں ؟ اور کیا ہمارا اخلاقی فرض نہیں کہ ہم روح اقبال سے معذرت خواہ ہوں جس کا بہترین طریقہ ، اقبال کے مشن کی تکمیل یعنی حب‌الوطن اور حب القوم کے جذبات نیک کو فروغ دے کر پاکستان کو مضبوط بنانا ہے» -

قمر رئیس، ڈاکٹر (مرتب)

اقبال کا شعور و فن ، عصری تناظر میں : شعبہ اردو ، دہلی یونیورسٹی ، دہلی - مئی ۱۹۷۹ء - ص : ۱۹۲ ، -/۲۰ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -

[شعبہ اردو ، دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد مذاکرے (۲ ، مئی ۱۹۷۹ء) میں پڑھے جانے والے مقالات : اقبال اور جمہوریت از آل احمد سرور - اقبال اور اس کا عہد از جگن ناتھ آزاد - اقبال : آواز شکست از پروفیسر مشیر الحق - اقبال اور معاصرین ایران از ڈاکٹر نورالحسن انصاری - اقبال اور تیسری دنیا از اصغر علی انجنیئر - اقبال کا عہد اور ان کی رومانیت از ڈاکٹر وہاب اشرفی - اقبال شاعر مشرق از خواجہ احمد فاروقی - اقبال اور عہد مشرق از پروفیسر محمد حسن - اقبال اور زرواں از شبیر احمد غوری - اقبال اور اس کا عہد : فنی جہات از ڈاکٹر عنوان

چشتی ۔ اقبال کا عمرانیاتی مطالعہ از ڈاکٹر ابن فرید] ۔

کامل القادری

اقبال کا شعور مزاح : میزان ادب ایم ۔ اے جناح مارکیٹ ، کراچی ۱۵ نومبر ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۱۰۸ ، ۱۵/- روپے ۲۱ × ۱۴ س م ۔

مباحث : موضوع مطالعہ ۔ ذوق لطیفہ ۔ خطوط بولتے ہیں ۔ رنگ اکبر کی حقیقت ۔ طنزیہ اسلوب تنقید کا ارتقا ۔ ضربت کاری کے مقامات ۔ بندہ گستاخ ۔ علامہ اقبال کا اسلوب — ضمیمے: میر کی وا سوخت اور اقبال کا شکوہ ۔ اقبال کی ایک نادر تحریر (گورستان شاہی پر اقبال کا نوٹ مطبوعہ مخزن جون ۱۹۱۰ء) دو مصاحبے (۱) پروفیسر احمد علی (۲) جمیل جالبی ۔ انگریزی مضمون بہ عنوان [Epigramatic Style of Iqbal ۔

کریم اللہ درانی، جسٹس

اقبال کا اسلامی ریاست کا تصور : اقبال اکادمی پاکستان لاہور [۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء] ص : ۱۲ ۔ قیمت درج نہیں ۔ $\frac{1}{2}$ ۲۳ × ۱۵ س م ۔

کلیم الدین احمد

اقبال ، ایک مطالعہ : کریسنٹ کوآپریٹو پبلشنگ سوسائٹی لمیٹڈ ، جگ جیون روڈ ، گیا ۔ جولائی ۱۹۷۷ء ۔ ص : ۲۱۶ ، ۳۰/- روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[مباحث : دانتے اور اقبال ۔ اقبال کی پانچ نظمیں ۔ اقبال کی فارسی نظمیں ۔ اقبال کی اردو اور فارسی غزلیں ۔ اقبال کی آٹھ مختصر نظمیں ۔ شاہین اور The Wind Hover ۔ اقبال اور ملٹن] ۔

گوپی چند نارنگ (مرتب)

اقبال، جامعہ کے مصنفین کی نظر میں : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۔ فروری ۱۹۷۹ء ۔ ص : ۳۹۲ ۔ ۲۵/۵۰ روپے ۔ ۲۱ × ۱۳ س م ۔

[عکس مکتوب گاندھی بہ نام مدیر رسالہ «جامعہ» ۔ پیغام از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں — مقالات : عقل و عشق اقبال کی شاعری میں از ڈاکٹر سید عابد حسین خاں ۔ ڈاکٹر اقبال از پروفیسر محمد مجیب ۔ مقام عقل و عشق از خواجہ غلام السیدین۔ مثنوی اسرار خودی از محمد اسلم جیراج پوری ۔ اقبال اور انسانیت از حسن سبحانی۔ خودی اور اقبال از بشیر احمد انصاری ۔ اقبال کی اردو شاعری پر ایک نظر از محمد حسنین سید ۔ علامہ اقبال کی آخری علالت از نذیر نیازی ۔ اقبال کی دو طویل نظموں [خضر راہ اور مسجد قرطبہ] کی باز آفرینی از پروفیسر مسعود حسین ۔ اقبال اور تصوف از ضیاءالحسن فاروقی ۔ اقبال کی عصری معنویت از انور صدیقی ۔ اقبال

کا علامتی تخیل از ڈاکٹر عنوان چشتی ۔ اقبال از شمیم حنفی ۔ اقبال کے استعاروں کا حرکی نظام از ڈاکٹر قاضی عبیدالرحمن ہاشمی ۔ اقبال کے افکار اور فن از سید فرحت حسین ۔ اقبال اپنے نظریہ فن کی روشنی میں از جمیل احمد ۔ اقبال کی شاعری کا صوتیاتی نظام از گوپی چند نارنگ ۔ اقبال کے خطوط اپنے معاصرین کے نام از عبداللطیف اعظمی] ۔

محمد احمد خاں

اقبال اور مسئلہ تعلیم : اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور۔ ۱۹۷۸ء ص : ۱۰+٦۲۵—/۱۷ روپے ۲۲ × $\frac{1}{2}$ ۱۳ سم

[پیش لفظ از ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ۔ مباحث : اقبال بحیثیت معلم و مفکر تعلیم ۔ علوم جدیدہ اور ان کے بنیادی اصول اقبال کی نظر میں ۔ تعلیم جدیدہ پر اقبال کی تنقید ، مقاصد تعلیم ، اقبال کے نقطہ نظر سے ۔ سیکولرزم ، سیکولر تعلیم اور اقبال ۔ اقبال کا نظریہ امتزاج علم و عشق ۔ سیکولر تعلیم اور اسلامی قومیت ۔ نام نہاد اسلامی ریسرچ پر اقبال کی تنقید ۔ اسلامی ریسرچ اقبال کے نقطہ نظر سے ۔ تعلیم نسواں ، صنعتی تعلیم ، جبری ابتدائی تعلیم ، تعلیمی مطمح نظر ، ام المسائل]

محمد اسد اللہ وانی

دیکھیے : رشید نازکی ۔ محمد اسد اللہ وانی (مرتبین)

محمد افضل ، میاں

اقبال اور عالمی سیاسیات : سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ، ۱۹۷۸ء ص : ۱٦۷ -/۱۵ روپے - ۲۱×۱۳ سم

[مباحث : اقبال کا حقیقی پیغام ، اقبال کے ہاں اظہار خیال کا پیرایہ ، اقبال کا سیاسی فلسفہ ، دور اقبال میں عالمی سیاست ، اقبال اور بین الاقوامی سیاست ، چند عالمی سیاسی نظریات ، فکر اقبال کے آئینے میں] مزید دیکھیے : عطش درانی (شریک مدیر میاں محمد افضل) ۔

محمد اکرم مجید ، معین الدین معین (مرتبین)

اقبالی معلومات : رنگا رنگ کتاب کاب ، ۳۷ اردو بازار کراچی ، ۱۰ دسمبر ۱۹۷۷ء ، ص ۱۲۷ ، قیمت -/۵ روپے ، $\frac{1}{2}$ ۱۷ × ۱۲ سم

[اقبالیات پر معلومات کی کتاب ، سوال و جواب کی شکل میں]

محمد باقر ، ڈاکٹر

احوال و آثار اقبال : اقبال اکادمی پاکستان ۱۱٦ میکلوڈ روڈ لاہور ۔ ۱۹۸۱ ۔ ص ۹۹+۵۵ ، /۱۷ روپے ۲۱×۱۳ سم

[اردو مقالامات : بال جبریل ـ اقبال اور مسلمان مفکر۔ سنائی ـ تقدیر امم ـ قائدین ملت ـ اقبال کا معیار ـ علامہ اقبال کے اجداد ـ اقبال ، جمہوریت اور اسلام ، اتحاد عالم اسلام ، اقبال کی سوچ ـ اقبال کی توضیحات ، بندۂ مومن کے بارے میں ـ اقبال کے نظریات—انگریزی میں نو مقالات]

محمد جاوید اقبال (مرتب)

اقبال کی ترجمانی (ان کے صاحبزادے کی زبانی) : مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ٦ اپریل ١٩٧٨ء ، ص ٣٢ ، قیمت ستر پیسے ، ١٨ × ١٢ س م

[ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کا ایک انٹرویو جو محمد جاوید اقبال نے آن کے دورۂ ہند کے موقع پر دسمبر ١٩٧٧ء میں آن سے دہلی میں لیا]

محمد جلیل نقوی ، پروفیسر

مطالعۂ اقبال : علمی کتاب خانہ ، اردو بازار ، لاہور ، س ـ ن ، ص : ٢٨٣ ، ١٣/٥٠ روپے ، ½ ٢١ × ١٣ س م

[بہ قول مصنف : ایم اے اردو کے ایک پرچے کے نصاب تعلیم کو یونیورسی سطح کے امتحانی سوالات کی روشنی میں مختلف مباحث و موضوعات کے تحت پیش کیا گیا ہے''—مباحث : اقبال کا ذہنی و فکری ارتقا ـ اقبال کے ذہنی ارتقا پر قیام یورپ کے اثرات ـ بانگ درا اور بال جبریل میں فکر و تخیل زبان و بیان اور مضامین و معانی کا تفاوت ـ فلسفہ خودی ـ بے خودی کا تصور ـ فلسفۂ خودی کا تیسرا پہلو ـ کیا فلسفہ خودی محض شاعرانہ تخیل ہے یا انفرادی زندگی کا لائحہ عمل ـ نظریۂ وطنیت و قومیت ـ نظریہ ملت و قومیت ـ تصور عقل و عشق ـ تصور حیات و ممات ـ مسئلہ جبر و قدر ـ تصور ابلیس یا مسئلہ خیر و شر ـ تصور شاہین ـ اقبال اور فاشزم ـ اقبال کا نظریۂ تعلیم ـ مرد مومن کا تصور ـ عورت کا مقام ـ اقبال اور مغربی تہذیب ـ اشتراکیت اور اقبال ـ جمہوریت اور اقبال ـ اقبال اور تصوف ـ اقبال کی فقر پسندی اور خانقاہ سے بیزاری] ـ

محمد حنیف شاہد (مرتب)

اقبال کی کہانی ، اقبال کی زبانی : مکتبہ حفیظ ٢/٨٩٦ ، ابن سمن آباد ، لاہور ، نومبر ١٩٧٧ء ، ص ١٨٣ ، -/١٢ روپے ، ½ ١٧ × ١٢ س م ـ

[مرتب کے بقول : ''یہ خود نوشت سوانح عمری''—''اقبال کے مکاتیب ، تقاریر ، بیانات ، مضامین ، مقالات ، ملفوظات اور منظوم تحریروں سے مرتب کی گئی ہے . . . بعض مقامات پر مفہوم واضح کرنے اور موضوع میں ربط و ضبط اور تسلسل قائم رکھنے کی خاطر قوسین میں اپنی جانب سے عبارت درج کی گئی ہے'']

محمد ریاض ، ڈاکٹر

اقبال اور ابن حلاج : کتاب الطواسین اور تصانیف اقبال کا تقابلی مطالعہ : اسلامک بک فاؤنڈیشن ، ۲۴۳۹ - این سمن آباد ، لاہور ، ۱۹۷۷ء : ص ۲۰۳ ، ۵۰/۷ روپے ، ۲۱ × ۱۳ ۱/۲ س م -

اقبال اور برصغیر کی تحریک آزادی : آئینہ ادب ، چوک مینار ، انارکلی لاہور ، ۱۹۷۷ء ، ص ۱۰۳ ، -/۹ روپے ، ۲۱ × ۱۳ س م -

[مباحث : پس منظر ـ اقبال کی ابتدائی زندگی ـ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام ـ وطنیت کی مخالفت کیوں ـ سلطنت عثمانیہ پر مصائب ـ دور استغراق اور انتقادات ـ عملی سیاسیات میں شرکت ـ پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں اقبال کی تقاریر ـ سائمن دستوری کمیشن سے تعاون ـ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا خطبہ ـ دو قومی نظریہ (نظریۂ پاکستان) ـ مسلم کانفرنس سے اقبال کا خطاب نغمۂ آزادی ـ خطوط اقبال بنام جناح ـ اقبال اور یونینسٹ ـ گول میز کانفرنس اور اس سے متعلقات ـ اقبال اور مخالفت حکومت ـ مسلم لیگ کی مدد ـ تحریک آزادی ـ معاشرت اور معیشت ـ مسلمان اور دیگر اقلیتوں کے درمیان مفاہمت ـ نتیجہ و گفتگو]

اقبال اور فارسی شعراء : اقبال اکادمی پاکستان لاہور ، ۱۹۷۷ء ، ص ۶ + ۳۷۶ ، -/۳۴ روپے ، ۲۱ × ۱۴ س م

تعلیمات اقبال : مطالعہ جاوید نامہ کی روشنی میں ، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور ـ س ـ ن ـ ص : ۱۳۷ - ق ـ ن ، ۲۴ × ۱۶ س م -

مزید دیکھیے : صدیق شبلی ، محمد ریاض دکتر (مرتبین)

محمد صدیق قریشی

اقبال ، ایک سیاست دان : تنظار پبلی کیشنز نیا محلہ روڈ ، جہلم ، [۱۹۷۸ء] ص : ۱۶۳ ، -/۱۴ روپے ۲۱ × ۱۳ س م -

[مباحث : فلسفۂ تعلیم ـ حریم وطن سے حریم بشریت تک ـ کوچہ سیاست میں]

محمد طاہر فاروقی ، ڈاکٹر

اقبال اور محبت رسول ؐ : ادارہ ثقافت اسلامیہ ، کلب روڈ لاہور ، نومبر ۱۹۷۷ء ص : ۲۳۱ ، -/۳۲ روپے ، ۲۱ × ۱۳ ۱/۲ س م -

[مباحث : عشق ـ عشق رسول ؐ ـ اطاعت رسول ؐ ـ سیرت رسول ؐ ـ انسان کامل ـ قرآن حکیم ـ ارمغان عقیدت ـ نغمات شوق]

محمد عادل عثمانی ، نسیم فاطمہ (مرتبین)

پاکستان کے جامعاتی کتب خانوں میں اقبالیات پر کتب : ڈاکٹر محمود حسین

لائبریری جامعہ کراچی ، ۱۹۷۷ء - ص حصہ اردو : ۲۰ ، حصہ انگریزی - ۳۲ ،
۳۰/- روپے - ۲۱×۱۴ سم -

محمد عبدالرشید فاضل ، پروفیسر سید

اقبال اور پاکستان : ادارہ تنویرات علم و ادب ، ۵۰۵ پیر الہی بخش کالونی کراچی - ۱۹۷۸ء - ص : ۱۸ + ۲۴۰ ، ۲۰/- روپے ۲۱×۱۳ سم -

محمد مسعود احمد ، پروفیسر ڈاکٹر

حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم : اسلامی کتب خانہ ، اقبال روڈ سیالکوٹ - ۱۹۸۰ء - ص:۹۵ - ۶/۷۵ روپے - ۲۱ × $\frac{1}{2}$۱۳ سم -

[مباحث : صوفیہ سے اقبال کی عقیدت - حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت - تصور وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور اقبال - تصور وحدہ الوجود و وحدہ الشہود اور اقبال - تصور وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور مغربی مفکرین - شریعت اور طریقت - حضرت مجدد اور اقبال کے فکری مماثلات — مصنف کے بقول : "ڈاکٹر محمد اقبال حضرت مجدد سے بے حد متاثر ہیں . . . حضرت مجدد کے افکار ، فکر اقبال کے بنیادی عناصر میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں"] -

محمود رضوی

اقبال اور عقلیت پسندی : آئینہ ادب چوک مینار ، انارکلی لاہور - س - ن - ص:۱۱۲ : ۱۰/- روپے - ۲۱×۱۴ سم -

محمود عباس بخاری ، ڈاکٹر سید

اقبال کا مرد مومن : "خودی و بے خودی کی روشنی میں" : ادارۂ معارف اسلام ۹/بی شاہ عالمی گیٹ لاہور -

محی الدین خلوت ، پروفیسر

ہفت رنگ اقبال : کتاب مرکز بھوانہ بازار ، فیصل آباد - دسمبر ۱۹۷۷ء - ص : ۱۲۸ ، ۱۰/- روپے - ۲۱×۱۴ سم -

[پیش لفظ از ڈاکٹر سید معین الرحمن ، تعارف از پروفیسر منظر مفتی ، مقالات : بیان مناظر فطرت - اقبال کا تصور وطنیت - اقبال کا تصور روح - اقبال کا تصور ابلیس - اقبال کا فلسفۂ خودی - اقبال کا فلسفۂ عمل - اقبال کا عشق قرآن] -

مسعود رضا ، ڈاکٹر آغا

عظمت اقبال : مجلس اقبال گورنمنٹ کالج باغبان پورہ لاہور ، [۱۹۷۸ء] ص ۲۵ ق - ن - ۲۲×۱۴ سم -

مشفق خواجہ (مرتب)

اقبال : علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر اردو میں شائع ہونے والی پہلی کتاب (از مولوی احمد دین) : انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو کراچی نمبر ۱ - ۱۹۷۹ء - ص ۵۲۷ - ۵۰/- روپے - ۲۱×۱۳ سم -

[مولوی احمد دین کی کتاب کا پہلا ایڈیشن تلف کر دیا گیا تھا، بعض تبدیلیوں کے ساتھ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی مگر اب یہ اشاعت بھی کم یاب ہے۔ مرتب نے اس ایڈیشن کے متن کو اصلی صورت میں برقرار رکھا ہے اور طبع اول کی زاید عبارتوں کو اختلاف نسخ کے تحت اکٹھا کر دیا ہے۔ مفصل تعلیقات اور حواشی بھی دیے گئے ہیں۔ ابتدا میں احمد دین کے حالات، اقبال سے ان کے تعلقات اور علمی و ادبی کارناموں پر ایک مفصل مقدمہ شامل ہے] -

مصباح الحق صدیقی ، تسنیم کوثر گیلانی (مرتبین)

حضور اقبال : یونیورسل بکس لاہور - جون ۱۹۷۷ء - ص: ۱۴۰ - ۲۵/- روپے - $21 \times 13\frac{1}{2}$ سم -

[پیش لفظ از پروفیسر مرزا محمد منور—منظوم ہدیہ ہائے عقیدت، ۹۵ منظومات]

مطالعۂ اقبال [م - ن] : اتر پردیش اردو اکاڈمی - لکھنؤ - ۱۹۷۸ء - ص ۱۳۴ ۵/۲۵ روپے - $21 \times 13\frac{1}{2}$ سم -

[دیباچہ از محمد حسن—۲۹ دسمبر ۱۹۷۷ء کو اقبال سیمینار منعقدہ لکھنؤ میں پڑھے جانے والے مقالات : اقبال ، خوابوں کا مسیحا از پروفیسر محمد حسن - اقبال کا مذہب از قاضی محمد عدیل عباسی ، اقبال کا سفر کشمیر از جگن ناتھ آزاد - اقبال کی شاعری کا صوتیاتی نظام از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ - اقبال کا حرف شیریں از پروفیسر محمود الٰہی - اقبال کے اردو کلام کا عروضی مطالعہ از پروفیسر گیان چند - اقبال کا المیہ از ڈاکٹر حکم چند نیر - "اقبال از جمیل مظہری—اقبال کا سب سے بڑا پیغام اور اس کی معنوی توضیح (منظوم) از جمیل مظہری]

معین الدین معین

دیکھیے : محمد اکرم مجید ، معین الدین معین (مرتبین)

معین الرحمن ، ڈاکٹر سید

جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ : اقبال اکادمی پاکستان لاہور - ۱۹۷۷ء - ص ۳۶۸ ، ۳۶/- روپے - ۲۱×۱۳ سم -

[بہ قول مولف : "یہ کتاب مختلف یونیورسٹیوں میں علامہ اقبال کے بارے

میں لکھے گئے تحقیقی اور تنقیدی مقالات کے حوالوں پر مبنی ہے"]

منظور حسین ، خواجہ

اقبال اور بعض دوسرے شعراء : نیشنل بک فاؤنڈیشن ، اسلام آباد - ۱۹۷۷ء - ص : ۵۶۳ - -/۶۶ روپے - ۲۱ × ۱۴ س م -

منور رؤف

دیدہ ور : ادارہ فروغ اقبالیات لاہور ۔ اشاعت اول : ۱۹۷۷ء - ص ۱۶۰ - -/۱۲ روپے - ۲۱ × ۱۴ س م - دوم : فروری ۱۹۸۰ء - ص : ۲۳۳ - -/۳۵ روپے - ۱۹ × ۱۲ س م -

[پیش لفظ از پروفیسر محمد طاہر فاروقی ۔ مباحث : دیدہ‌ور ، اقبال کا تصور خودی ۔ اقبال اور بے خودی ۔ اقبال کا معیار مرد مؤمن ۔ اقبال کے ہاں عورت کا مرتبہ ۔ اقبال اور نسل نو ۔ اقبال کا فلسفۂ تعلیم ۔ اقبال کا نظریۂ فن ۔ اقبال کا تصور ابلیس] ۔

میر ولی الدین ، ڈاکٹر

اقبال کا نظریۂ عقل و عشق : مطبوعہ مطبع انتظامی حیدر آباد دکن- ۱۹۴۵ء - [ص : ۲۰] ق - ن - ۲۴ × ۱۷ س م -

ناز ، ایم ۔ ایس

اقبال اور تحریک پاکستان : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، چوک انار کلی ، لاہور [۱۹۷۷ء] ص : ۲۵۶ ، -/۱۸ روپے - ۲۱ × ۱۴ س م -

حیات اقبال : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، چوک انارکلی ، لاہور - ۱۹۷۷ء - ص : ۳۷۱ ، -/۲۵ روپے - ۲۱ × $13\frac{1}{2}$ س م -

[ابتدائی زندگی - یورپ سے واپسی تک ۔ اقبال مصور پاکستان ، اقبال کا سفر آخرت ۔ تصنیفات اقبال ۔ خصائص اقبال ۔ اقبال ، عوامی عدالت میں (اقبال پر مے نوشی ، رنگ رلیوں ، طوائف کے قتل اور قادیانیت کے الزامات کی تردید)، مرقع اقبال] ۔

ناز ، ایم ۔ ایس (مرتب)

اقبال کے ہم صفیر : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، چوک انارکلی ، لاہور - ۱۹۷۷ء ص : ۲۲۱ ، -/۱۵ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -

[پیش لفظ بہ عنوان «حرف شیریں» از محمود احمد غازی ۔ مقالات : حالات اقبال از منشی محمد دین فوق ۔ اقبال ، میں اور بھائی شوکت از محمد علی جوہر - ماتم اقبال از سید سلیمان ندوی ۔ اقبال ، ایک عقیدت مند از خواجہ حسن نظامی -

کیف غم از سر عبدالقادر ۔ اقبال میرا دوست از مولانا ظفر علی خاں ۔ گرامی ۔ اقبال اور خودی از عبدالمجید سالک ۔ مشفق سایہ از حکیم احمد شجاع ۔ اقبال ایک زندہ تصنیف از فقیر سید وحید الدین ۔ میرا اقبال از مرزا جلال الدین بیرسٹر ۔ فیضانی لمحات کی یاد از ڈاکٹر محمد دین تاثیر ۔ مرد قلندر کی بارگاہ میں از راجہ حسن اختر ۔ اقبال ، اقبال کی نظر میں از چودھری محمد حسین ۔ شاعر ملت از میاں بشیر احمد بیرسٹر ۔ اقبال از خلیفہ عبدالحکیم ۔ سخن ور سیاست داں از حکیم محمد حسن قرشی ۔ اقبال ، دہلی میں از ملا واحدی ۔ مرد کامل کی تلاش از سلامت اللہ شاہ ۔ ایک دھندلی تصویر از شیر محمد اختر ۔ دو ملاقاتیں از عابد علی عابد ۔ جان محفل از حمید احمد خاں ۔ میرا محبوب شاعر از سراج الدین ۔ عمر عزیز کے بہترین لمحے از حفیظ ہوشیارپوری ۔ جلال اقبال از فاطمہ جناح ۔ شاعری ، اقبال اور آرٹ از کرنل مجید ملک ۔ میرے ڈاکٹر صاحب از علی بخش ۔ اقبال کے آخری لمحات از غلام رسول مہر] ۔

نذیر نیازی ، سید

دانائے راز : 'سوانح حیات حکیم الامت علامہ اقبال' : اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور - ۱۹۷۹ء [عملاً یہ کتاب ۱۹۸۰ء کے وسط میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی] ص : ۱۶ + ۳۵۱ ، ۵٦/- روپے - $\frac{1}{2}$۲۱ × ۱۳ س م -

[۱۹۰۵ء تک کے سوانحی حالات ۔ شخصیت ، شاعری اور افکار کا تجزیہ] ۔

نسرین اختر ، ڈاکٹر

اقبال اور وجود زن : ادارہ تحقیق و تصنیف ، پی او بکس نمبر ۱۹۱۳ء ، لاہور - دسمبر ۱۹۷۸ء ، ص ۱۲۸ - -/۳۰ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -

[مقالات : اسلام میں عورت کا مقام ۔ اقبال اور وجود زن ۔ اقبال اور پردہ ۔ اقبال اور تعلیم نسواں ۔ اقبال اور امومت ۔ کلمہائے عقیدت ۔ اقبال درون خانہ] ۔

نسیم فاطمہ ۔

آئینہ ایام اقبال : لائبریری پروموشن بیورو ، کراچی - ۱۹۷۷ء - ص : ۱۵۹ - -/۲۰ روپے - ۲۱ × ۱۳ س م -

[حیات اقبال کی یہ میقات مختلف حوالوں کی مدد سے مرتب کی گئی ہے - ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے الفاظ میں : «واقعات کو ضروری تشریح و توضیح ، ترتیب زمانی اور حوالوں کے ساتھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اقبال کی زندگی اپنے جملہ خد و خال کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے» (ص ۷)] -

مزید دیکھیے : محمد عادل عثمانی ، نسیم فاطمہ (مرتبین) -

نظیر صوفی ، ڈاکٹر

حیات و پیام علامہ اقبال : نظیر صوفی سنز ، صوفی منزل میانہ پورہ ، سیالکوٹ ۔
۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء ۔ ص : ۹۶ ، ۱۰/- روپے ۔ ۲۱×۱۳ س م ۔

[نظم بہ عنوان : «پیام علامہ از جنت» از نظیر صوفی ۔ مباحث : حیات علامہ اقبال ۔ حسب و نسب علامہ ۔ صحیح تاریخ ولادت ، حالات و واقعات زندگی ۔ علالت اور انتقال ۔ ملکی و ملی سیاسیات ۔ تصور پاکستان ۔ علامہ اور قادیانیت ۔ علامہ کی روحانی نسبت ۔ ایمان باللہ ۔ عقیدۂ حیات النبی ؐ ۔ علامہ کے نفسیاتی مطالعے کی پرکھ ۔ جوش کی ہرزہ سرائی ۔ علامہ اور حکیم قرشی حفیظ جالندھری نے گل کترا ۔ پیام علامہ اقبال ۔ شجرہ علامہ اقبال ۔ اقبال کا یوم ولادت ۔ اقبال کے برادر بزرگ پر قادیانی بہتان ۔ مفکر اسلام کے بھانجے زاد کا حکومت کے نام نوٹس] ۔

علامہ اقبال کا سال ولادت : ۱۸۷۳ء یا ۱۸۷۷ء : نظیر صوفی سنز، میانہ پورہ ، سیالکوٹ ۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۷۶ء ۔ ص : ۲۶+۶ ۔ ق ۔ ن ۔ $17\frac{1}{2}$×۱۲ س م ۔

[علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش میونسپل ریکارڈ اور خاندانی حقائق کی روشنی میں ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ ۔ علامہ اقبال کی صحیح ولادت کیا ہے ؟ انگریزی مضمون بہ عنوان : «علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کا سال ۱۹۷۳ء یا ۱۹۷۷ء»] ۔

نور احمد قادری ، سید

اقبال کا آخری معرکہ : رضا پبلی کیشنز ، لاہور ۔ ص : ۱۲۶ ، ۶/- روپے ۔

نور احمد منیر ، شیخ

علامہ اقبال اور احمدیت : تاریخی حقائق کے آئینے میں : نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ۔ س ۔ ن ۔ ص : ۳۲ ۔ ق ۔ ن ۔ ۱۷×۱۳ س م ۔

نور الحسن نقوی ، ڈاکٹر

اقبال ، فن اور فلسفہ : ایجوکیشنل بک ہاؤس ، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ ، علی گڑھ ۔ ۱۹۷۸ء ۔ ص ۱۲۳ ، ۶/- روپے ۔ ۱۷×۱۲ س م ۔

[بہ قول مصنف : «زیر نظر کتاب دو طویل مضامین پر مشتمل ہے ۔ پہلا مضمون اقبال کے فن کے بارے میں ہے جس میں نسبتاً تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے . . . دوسرا مضمون اقبال کے فلسفے پر ہے اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے] ۔

نوری

ڈاکٹر اقبال سے ، معذرت کے ساتھ : سرکوتھراپی سنٹر ، اشوک مارکیٹ

سعدی عنبر بازار ، حیدر آباد ۱۲ - [۱۹۷۸ء] ص ۸۰ ، ۲/۰ روپے - ۱۸ × $\frac{1}{2}$ ۱۲ س م -

[بہ قول مصنف : «شعر و شاعری میں صنف محکیات میں پہلی کتاب» ہے - اقبال کے مختلف اشعار کا ، شعر ہی میں جواب دیا گیا ہے - آخری حصے میں انیس ، دبیر، غالب، داغ، اکبر وغیرہ کے شعروں کو سامنے رکھ اشعار کہے گئے ہیں نمونہ :

اقبال : بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے ، محو تماشائے لب بام ابھی

نوری : بے خطر کودے کا آن پہ ہے الزام غلط
ان کو پھینکا گیا، وہ آگ میں کب کود پڑے؟]

نیر واسطی

اقبال اور طب مشرق : مجلس بو علی سینا لاہور - [نومبر ۱۹۷۷ء] ص : ۱۶ - ۲۱ × ۱۴ س م -

[ایک مقالہ جو پاکستان طبی ایسوسی ایشن کی مجلس تذکار حکمت میں ۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو پڑھا گیا] -

واجد رضوی

پاکستان کا ڈکٹیٹر : قرآن پاک کی بصیرت میں، اقبال کی نظر میں : تحریک استقلال، الرضا ، ایبٹ آباد - س - ن - ص : ۲۴ - ایک روپیہ - ۲۱ × $\frac{1}{2}$ ۱۳ س م -

[پاکستان کے ایک ڈکٹیٹر کے کارناموں کا قرآن پاک اور فکر اقبال کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے] -

چراغ لالہ : مقبول اکیڈمی لاہور - ۱۹۷۵ء - ص : ۸۸ - ۲۱ × ۱۳ س م -

وزیرالحسن عابدی، سید

اقبال کے شعری مآخذ ، مثنوی رومیؒ میں : مجلس ترقی ادب لاہور - نومبر ۱۹۷۷ء - ص : ۲۶۷ + ۶۴ ، ۰۱-/۳۷ روپے - ۲۰ × ۱۴ س م -

[بہ قول مصنف : «ہم نے یہ کتاب ایسے نہج پر مرتب کی ہے کہ اقبال و رومی کے مشترکہ کلام و پیغام کی ایک توضیحی موضوعاتی فرہنگ کے طور پر استعمال ہو سکتی ہے . . . مثنوی رومی کے ان تمام مقامات کی کامل نشان دہی اور آن قطعات کا حصرو احصا کیا گیا ہے جو اقبال کے افکار اور فلسفے پر اثر انداز رہے ہیں اور فلسفۂ خودی و بے خودی کی شاعرانہ ترجمانی میں منعکس ہوئے ہیں] -

ہدایت اللہ خان چودھری

قائد اعظم علامہ اقبال اور تحریک پاکستان: کالج رپورٹس کمیٹی گورنمنٹ کالج باغبان پورہ، لاہور [۱۹۷۶ء] ص: ۱۱ - ق - ن - ۲۱×۱۴ س م -

یوسف حسین خان، ڈاکٹر

غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات: غالب آکیڈمی بستی حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی - اپریل ۱۹۷۹ء - ص: ۲۰۲، ۱۵/- روپے - ۲۱×۱۳ س م -

[غالب اکیڈمی میں «غالب خطبات» کے سلسلے میں پڑھے گئے دو مقالات - (۱) ہئیت و اسلوب کی تخلیقی توانائی ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۷ء - (۲) متحرک جمالیات ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء] -

یوسف سلیم چشتی، پروفیسر

مولانا سید حسین احمد مدنی کے بارے میں اپنے سابقہ گستاخانہ اور توہین آمیز رویے پر اعتراف تقصیر و اظہار ندامت اور علامہ اقبال مرحوم کے اشعار متعلقہ مولانا سید حسین احمد مدنی کی ضروری وضاحت: دفتر ماہنامہ «انوار مدینہ» جامعہ مدینہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور - س - ن - [ص: ۲۰] ق - ن - ۲۳×۱۶ س م -

یوسف عزیز

شعاع اقبال: مجید بک ڈپو، فیصل آباد - لاہور ۹ نومبر ۱۹۷۷ء ص: ۲۸۸ - ۱۵/- روپے - ۲۱×۱۳ -

[تقریظ از میرزا ادیب - پیش لفظ از پروفیسر محمد عثمان - مباحث: حیات اقبال کا ابتدائی ورق - اقبال بحیثیت معلم - اقبال کے سفر نامے - فلسفۂ خودی تجزیاتی مطالعہ - فلسفہ ے خودی - اقبال، ایک رجائی شاعر - عظمت عقیدہ، اقبال کی نظر میں - اقبال کا تصور انسان کامل - اقبال کا تصور عورت - اقبال کا نظریۂ تعلیم - شاعری میں اقبال کے اجتہادات - کلام اقبال میں طنز و مزاح کا عنصر - اقبال و زبان پارسی - کلام اقبال کا تمثیلی پہلو - پیام مشرق پر ایک نظر] -

---

مطبوعات شعبہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند

پہلی جلد ، مقدمہ ، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی
دوسری جلد ، عربی ادب ، مرتبہ سید فیاض محمود ، پروفیسر عبدالقیوم ۱۷/-
تیسری جلد ، فارسی ادب ، اول (۱۵۲۶ء-۱۰۰۰ء) مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر ،
ڈاکٹر وحید مرزا ۱۶/-
چوتھی جلد ، فارسی ادب ، دوم (۱۵۲۶-۱۷۰۷ء) مرتبہ مقبول بیگ بدخشانی ۳۰/-
پانچویں جلد ، فارسی ادب ، سوم (۱۷۰۷ء-۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ،
سید وزیر الحسن عابدی ۲۴/-
چھٹی جلد ، اردو ادب ، اول (ابتدا سے ۱۷۰۷ء تک) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ۲۲/-
ساتویں جلد ، اردو ادب ، دوم (۱۷۰۷ء-۱۸۰۳ء) مرتبہ سید وقار عظیم ۱۸/-
آٹھویں جلد ، اردو ادب ، سوم (۱۸۰۳ء-۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۶/-
نویں جلد ، اردو ادب ، چہارم (۱۸۵۷ء - ۱۹۱۴ء) مرتبہ سید فیاض محمود ،
ڈاکٹر عبادت بریلوی ۲۴/-
دسویں جلد ، اردو ادب ، پنجم (۱۹۱۴ء - ۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۲۷/-
گیارھویں جلد ، بنگالی ادب ، اول (۱۱۸۷ء - ۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۸/-
بارھویں جلد ، بنگالی ادب ، دوم (۱۸۵۷ء - ۱۹۷۰ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۷/-
تیرھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، اول (پشتو ، پنجابی ، سندھی) مرتبہ
سید فیاض محمود ۲۲/-
چودھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، دوم (بلتی سے لے کر براہوئی تک) مرتبہ
سید فیاض محمود ۱۸/-
پندرھویں جلد ، اشاریہ جلد اول ، اردو ادبیات
مرتبین : ڈاکٹر عبدالغنی ، رحمٰن ملک ، نادرہ زیدی
سولہویں جلد ، اشاریہ جلد دوم ، بنگالی ادبیات " "
سترھویں جلد ، اشاریہ جلد سوم ، علاقائی ادبیات " "
اٹھارھویں جلد ، اشاریہ جلد چہارم ، فارسی ادبیات " "
انیسویں جلد، اشاریہ جلد پنجم ، عربی ادبیات " "

ملنے کا پتہ : پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو ، لاہور

رفتار ادب

(۱)

کتاب نامہ شبلی ، جناب اختر راہی نے ترتیب دیا ہے اور اسے مسلم اکیڈمی ۔ محمد نگر، علامہ اقبال روڈ لاہور نے بہ تعاون بزم ادب شبلی کالج لاہور سے شائع کیا ہے۔ تاریخ اشاعت فروری ۱۹۸۱ء ہے ۔ ۶۴ صفحات کا یہ کتابچہ علامہ شبلی کے بارے میں کتابیات پر مشتمل ہے ۔ اس موضوع پر اس سے قبل ۱۹۶۰ء میں کچھ کام ہوا تھا ۔ اختر راہی صاحب نے ان تینوں فہرست سے بھی کام لیا ہے اور اپنی طرف سے بہت سے اضافے بھی کیے ہیں ۔ جس سے اس موضوع پر اب تک شائع ہونے والی فہارس سے یہ مجموعہ سب سے زیادہ مکمل ہے اور معلومات کے لحاظ سے مفصل ہے ۔

آغاز کتاب میں ایک پیش لفظ از حافظ نذر احمد ، ایک ابتدائیہ بقلم مرتب شامل ہے جن میں سابقہ فہارس کے بارے میں بحث ہے ۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے ، حصہ اول تصانیف شبلی ، مرتبات ، ملخصات ، تراجم (بشمول انگریزی تراجم) کے اندراجات پیش کرتا ہے ۔ دوسرے حصے میں علامہ شبلی پر کتابیں اور مقالات ہیں ۔ فاضل مرتب کی نظر سے جو کتابیں اور مقالے گزرے ہیں اُن کے کوائف بقید سنین و صفحات دیئے ہیں ۔ جن کا ماخذ پہلے کی شائع شدہ فہارس میں تھیں ان کا حوالہ جس طور سے بدون تفصیل ان مصادر میں درج تھا اُسے من و عن لے لیا گیا ہے ۔

ضرورت ہے کہ اسی طرز پر حالی ، سرسید اور دوسرے اکابر کی کتابیات بھی شائع کی جائیں یہ کام راہی صاحب کے کرنے کا ہے ۔ امید ہے کہ زیر نظر کتاب نامہ شبلی دوسری کتابیات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی ۔ اب تک یا تو علامہ اقبال اور غالب خوش قسمت رہے ہیں جن پر ایک سے زائد کتابیات دستیاب ہیں یا پھر وہ چند مصنفین بھی جن کی کتابیات رسائل میں کبھی کبھی دیکھنے میں آتی ہیں مثلاً فانی ، جگر مراد آبادی ، اصغر گونڈوی وغیرہ ۔ محققین کے لیے ان کتابیات کی اہمیت مسلم ہے اس لیے جب کوئی اس طرح کی فہرست شائع ہوتی ہے تو محققین بجا طور پر ان کو خوش آمدید کہتے ہیں ۔ کتاب نامہ شبلی بھی اس سال کی اہم کتابوں میں شمار کے لائق ہے ۔

کتاب نامہ شبلی ایک بڑی حد تک جامع فہرست ہے۔ لیکن کہیں کہیں طریق کار کے اعتبار سے اور مواد کے لحاظ سے بھی ترمیم و اضافے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً بعض مقامات پر کراس ریفرنس کا اندراج مفید ہوتا۔ صفحہ ۱۱ پر شعرالعجم کی چار جلدوں کے بعد پانچویں کے لیے صفحہ ۱۷ کا حوالہ ضروری تھا۔ صفحہ ۱۸ پر شعرالعجم حصہ پنجم کا اندراج دوبارہ ہوگیا ہے اور اس سے پہلے صفحہ ۱۷ پر درج ہے یہاں سے حذف ہونا چاہیے۔ صفحہ ۱۹ پر مشتاق حسین کی باقیات شبلی کے بارے میں یہ وضاحت بھی ضروری تھی کہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھارت سے شائع ہو چکا ہے۔ صفحہ ۲۰ پر ملخصات کے تحت شعرالعجم کی پانچوں جلدوں کے وہ خلاصے بھی شامل کرنے تھے جو شیخ مبارک علی نے لاہور سے چھاپے تھے۔ صفحہ ۲۱ پر فارسی تراجم کے تحت ترجمہ رسالہ بدرالاسلام درج ہے۔ یہی نام صفحہ ۲۰ پر بدءالاسلام کے طور پر درج ہے۔ ایک ہی کتاب کا نام بھی ایک ہی ہوگا غالباً طباعت کی غلطی ہے۔ نیز فارسی ترجمہ کے مصنف عبدالحمید نہیں ، مولانا حمیدالدین فراہی ہیں۔ (رک : برائے تفصیل مجلہ فکر و نظر اسلام آباد)۔ صفحہ ۲۷ پر محمد امین زبیری کی کتاب ذکر شبلی کے بارے میں یہ وضاحت ضروری تھی کہ یہ کتاب مصنف کی مفصل کتاب کا خلاصہ ہے جو ۱۹۴۳ء میں دانش محل لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح شبلی کی زندگی ایک رنگین ورق بھی دوسری بار برق اینڈ کمپنی لاہور سے شائع ہوئی۔ صفحہ ۲۸ پر تنقید شعرالعجم کے بارے میں بھی یہ لکھنا ضروری تھا کہ یہ سلسلہ مضامین کے طور پر اول رسالہ اردو میں شائع ہوئے۔ صفحہ ۳۰ پر ابن فرید کے مقالات کے بارے میں یہ بتانا بھی اہم ہے کہ یہ مقالے ابن فرید کی کتاب ”میں ، ہم اور ادب“ میں شامل ہیں۔ صفحہ ۵۶ اور ۵۷ پر دو نام غلط درج ہوئے ہیں نام محمد معین الدین دردائی ہے نہ کہ محمد حسین الدین دردائی ، اسی طرح صحیح نام محمد شریف بلال ہے نہ کہ محمد شریف بلال۔ صفحہ ۶۲ میرے دو مقالوں کا ذکر ہے ان میں تیسرا مقالہ بھی شامل ہو سکتا ہے جس کا عنوان تنقید شعرالعجم پر ایک نظر ، تھا اور رسالہ 'کتاب' لاہور کے جون ۱۹۶۵ء ، کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس میں شبلی کی شعرالعجم کی کچھ مزید غلطیوں کی نشان دہی بھی کی گئی تھی۔

ان کے علاوہ بعض اور حوالے بھی اضافہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حسن مثنیٰ بن یحییٰ تنہا کا مقالہ علامہ شبلی کی فارسی شاعری در روداد دائرۂ معارف اسلامیہ جلد اول ، تاریخ ادب اردو مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد ، یحییٰ تنہا کی مراۃ الشعرا ، نیز تاجور نجیب آبادی مرحوم کے تنقیدی مضامین میں بھی شبلی کا تفصیلی جائزہ درج ہے۔ انگریزی

کتب میں ڈاکٹر محمد صادق کی The Twentieth Century Urdu Literature جو بمبئی سے ۱۹۴۹ء یا ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی ۔ اسی طرح موہن سنگھ دیوانہ کی کتاب Modern Urdu Poetry میں بھی شبلی پر تفصیل سے لکھا گیا ہے ۔ انگریزی حصے میں ایک غلطی یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر محمد صادق کا نام ڈاکٹر صادق حسین درج ہو گیا ہے ۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کتاب نامہ شبلی اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب ہے ۔

(وحید قریشی)

(۲)

تنبیہ الغافلین سراج الدین علیخان آرزو کی اہم کتابوں میں سے ہے جسے ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ نے ایڈٹ کیا ہے اور پنجاب یونیورسٹی سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کچھ عرصے سے بر صغیر پاک و ہند میں فارسی زبان کے ایک خاص پہلو پر کام کر رہے ہیں ۔ ہندی ایرانی نزاع ادبیات فارسی میں پوری ایک صدی تک جاری رہا ہے ۔ یہ سوال کہ فارسی زبان کے سلسلے میں ایرانی مصنفین کو مستند سمجھا جائے یا برصغیر کے فارسی داں بھی زبان دانی کا دعویٰ کر سکتے ہیں ، اس موضوع پر دو گروہ رہے ہیں ۔ خود ہندوستان کے لکھنے والوں میں ادباء کا ایک طبقہ ایران کی برتری تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک بہت بڑا طبقہ ایرانی ادباء کی تحریروں میں زبان و بیان کی غلطیوں کو دیکھ کر اس برتری کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اس صورت حال کو اگر تاریخ کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو ابتداء میں اس جھگڑے کی شکل کچھ اور ہی تھی ۔ مغل فرمانرواؤں کے ابتدائی زمانے سے ایرانی تورانی گروہ ایک دوسرے سے آمادۂ پیکار رہے جس کی شکل کبھی سیاسی اور کبھی مذہبی بنتی گئی ۔ اکبر اعظم کے دور تک فارسی زبان و ادب برصغیر پاک و ہند میں خاصا طویل عرصہ گزار چکا تھا اور امیر خسرو سے لے کر فیضی تک برصغیر میں پیدا ہونے والے اور پروان چڑھنے والے ادباء کی تحریریں سند کا درجہ حاصل کر چکی تھیں ۔ بابر کی آمد کے بعد سے ایرانی ادیب اور شعراء گروہ در گروہ برصغیر میں آنے لگے اور شاہی سرپرستی میں شعر و ادب کی محفلیں سجیں ۔ اکبر کا دور اس کا نقطۂ عروج ہے اور اس زمانے میں ایرانی تورانی نزاع نے ادب میں ایک مخصوص صورت اختیار کی اور اس زمانے سے لے کر مغلوں کے آخری زمانے تک ادبی چپقلش برقرار رہی جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے کلام پر اعتراضات اور تنقید ہوتی رہی ۔

کاونامۂ منیر جسے ڈاکٹر اکرم شاہ نے پہلے شائع کیا تھا اور جس

میں شیدا اور منیر کی باہمی آویزش درج تھی، اس ادبی نزاع کے چلے اہم آثار ہیں ۔ اس کے بعد داد سخن آخری مغلیہ دور میں ایک اہم چپقلش ہے جس کے نتیجے میں گرانقدر تنقیدی مباحث سامنے آئے ۔ تنبیہ الغافلین بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جس میں شیخ علی حزیں کے کلام پر اعتراضات کیے گئے تھے اور اس کی روشنی میں بعض اہم لغوی مسائل سامنے آئے تھے ۔ خان آرزو ہی کے ساتھ یہ معاملہ ختم نہیں ہوگیا بلکہ اس کے بعد غالب کے زمانے تک بھی ہندی ایرانی لسانی برتری کے دعوے چلتے رہے ہیں چنانچہ غالب کے سفر کلکتہ کے دوران میں مرزا قتیل کے شاگردوں کے ساتھ ان کا معارضہ بھی اسی پس منظر میں ہوا اور پھر اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں برہان قاطع پر غالب کے اعتراضات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں ۔ معاصرین غالب میں امام بخش صہبائی نے خان آرزو کے دور کے جھگڑے کو قول فیصل میں اپنے تنقیدی ارشادات کے ساتھ جگہ دی ۔ ڈاکٹر اکرم شاہ نے تنبیہ الغافلین کے حاشیے میں قول فیصل کے ضروری حصے درج کرکے تنبیہ الغافلین سے متعلق معلومہ مواد کو یکجا کر دیا ہے ۔ کتاب کے شروع میں مفصل دیباچہ ہے جس میں اس لسانی مبحث پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۔

خان آرزو اپنے وقت کے ماہر لسانیات تھے اور انہوں نے چراغ ہدایت اور مثمر لکھ کر اپنے اس ذوق کا ثبوت دیا ہے ۔ تنبیہ الغافلین میں جو اعتراضات حزیں پر کیے گئے ہیں وہ بغیر ثبوت کے نہیں بلکہ ہر اعتراض کے حوالے میں متأخر اور متقدم شعراء کے کلام سے ثبوت بھی مہیا کیا گیا ہے جس سے یہ اہم کتاب ایک تاریخی دستاویز بن گئی ہے ۔ اس سلسلۂ تصانیف میں اکرم شاہ صاحب اگر غالب کے دور کو بھی شامل کرلیں تو لسانیاتی اعتبار سے پوری تحریک سامنے آجائے گی جس کی بنیاد محض نسلی اور جغرافیائی تفاخر نہیں بلکہ حقائق پر ہے ۔ برصغیر میں فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح عربی ادب سے ایرانیوں کے کارنامے حذف کر دیئے جائیں تو ادبیات عربی کا بہت سا حصہ نظروں سے اوجھل ہو جائے گا، اسی طرح برصغیر میں جو فارسی ادب لکھا گیا اسے اگر نظر انداز رکھا جائے تو ادبیات فارسی کا نصف سے زیادہ حصہ نظروں سے غائب ہو جاتا ہے ۔ تاریخی اعتبار سے برصغیر پاک و ہند میں ادب فارسی میں تین دور ایسے آئے ہیں جب ادبیات کا مرکز ایران سے یہاں منتقل ہوگیا تھا اور ان ادوار میں ایرانی بھی زبان و ادب کے لیے برصغیر کی طرف دیکھتے تھے، پہلا دور امیر خسرو کا زمانہ ہے ، دوسرا دور مغلوں کی آمد کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور شاہجہان کے زمانے تک اپنے نقطۂ عروج پر رہا تیسرا ، دور

آخری مغلیہ زمانہ ہے جب حزیں اور ان کے بعد بہت سے ایرانی دہلی ، روہیل کھنڈ ، اودھ اور مرشد آباد میں آئے رہے ۔ لیکن یہی آخری زمانہ اورنگزیب کے عہد حکومت کے آخر میں مذہبی اختلافات کی زد میں آیا ۔ نتیجہ یہ ہے کہ اہل ایران کی دسترس میں وہ ذخیرۂ ادب نہیں رہا جسے بجا طور پر فارسی ادب کا ایک اہم دور قرار دیا جا سکتا ہے اور جس میں شاعری کے علاوہ لسانی اور تنقیدی سطح پر قابل قدر کام ہوا ہے ۔ ڈاکٹر اکرم شاہ کے توسط سے پہلی بار یہ سرمایہ ایرانیوں کی دسترس میں آئے گا ۔

تنبیہ الغافلین کا متن تین نسخوں پر مبنی ہے ۔ جس دیدہ ریزی سے متن کی تصحیح کی گئی ہے اس سے تصحیح متن کا وہ معیار برقرار رہا ہے جسے شیرانی اور شفیع نے قائم کیا تھا ۔

(وحید قریشی)

Again, in Urdu طلب (talab) generally means the state of desiring or demanding while in Arabic, it stands for the act of searching after a thing, etc. Iqbal has used it more than once to convey by it the latter meaning also In Urdu the word غریب (ghareeb) means a poor fellow. But in Arabic it bears several connotations. If at a place it means an alien or a stranger, at the other it denotes an extraordinary matter or thing Iqbal, too some times uses it to express the Arabic sense in Urdu Here is an Urdu verse taken from Iqbal's short poem captioned The River wave, (موج دریا), It reads .

زحمت تنگی دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعت بحر کی فرقت میں پریشان ہوں میں !

"I want to get rid of the suffocating narrowness of the river. In the state of separation from the vastness of the Ocean I feel distressed."

In Arabic, the word (زحمت) (Zahmat) unfolds the sense of suffocation caused by (ازدحام) (a crowd pressing together) In my view, (زحمت) is the appropriate word to convey or transport the feeling of 'snffocation' to the readers and listeners on account of the narrowness of the river as compared to the vastness of the ocean. The wave, the river and the ocean have been used here symbolically. But that is a thing fundamently different from the one being dealt with in this article.

Any way, the matter girates to what it started with *i e.* the words of Aziz Ahmad. He maintained that after studying thoroughly what Iqbal has written, one is still obliged to read a lot around Iqbal to understand him fully. No researcher can comprehend Iqbal as a whole. Scores of books covering different aspects of Iqbal's art and thought have been written so far in many languages of the world. But, no end to this effect is discrnible. Iqbal rightly says :

گماں مبر کہ بہ پایان رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

"Do not think that the work of the tavern keeper has come to an end A lot of undrunk wine is still running in the veins of vine."

(عمد ابن حمید الطائی) the Governor of Muosil (موصل), had the same theme in his mind when he said:

و کیف احتمالی للغیوث صنیعة
لاسقائها قبراً و فی لحده بحر !

"How could I bear the burden of thankfulness to the clouds for their being good enough to pour water on a grave in the bosom of which lies an ocean?"

Now we come cross another theme. Here again we have a verse by Abu Tammam :

الا ان نفس الشعر ماتت و ان یکن
عداها حمام الموت فهی تنازع

"Don't you see the soul of poetry is dead? And, if at all death has spared it, it remains in the throes of death undoubtedly."

In the following verse Iqbal bewails the death of philosophy in the same manner. He says:

یا مردہ ہے یا نزع کے عالم میں گرفتار !
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے !

"A philosophy, not written in one's life-blood is either dead or remains in the throes of death."

If more effort he spent on this errand, more traces can be found out pertaining to the fact that Iqbal's mind had been influenced greatly by the Arabian atmosphere———both physical and intellectual. Besides this, in Iqbal's verses we find words conveying the *meanings quite different from one they commonly convey in Urdu.* For example, we see دلیل *(daleel)* which in Urdu means argument and reason, whereas Iqbal, on accasions, makes it stand for a guide, in its Arabic sense.

Similarly, there is a word ادیب (adeed) which in Urdu stands for a writer a literature, etc. But in Arabic it denotes a tutor and governor of a child'. Iqbal, too has used it in this very sense.

Iqbal, while addressing the Cordova Mosque said :

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل !!!
تو بھی جلیل و جمیل ، وہ بھی جلیل و جمیل

"Your glory and elegance is a clear proof of the gory and elegance of the Man of God. You are glorions and elegant. He, too, is glorious and elegant.

This verse brings to our mind a verse by Abdur-Rahman, the founder of the Cordova Mosque :

ان البناء اذا تعاظم قدره !!!
اضحی یدل علی عظیم الشان

"When a construction becomes meritoriously magnificent it points out that the man (who built it) was worthily great."

Abu Firas Hamdani had his own way when be dealt with the same subject :

صنائع فاق صانعها ففاقت
و غرس طاب غارسها فطابا

"Works of Art are superior where the Artist is superior. A sapling is pleasant if he who plants it, is himself pleasant."

Iqbal wrote a pathetic elegy on his mother's death. The last verse of that touching poem is :

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے !
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے !

"May the sky shower dew drops on your grave. May the fresh grown grass look after this abode."

Maybe, in other countries also "showering of dew drops" on the graves of dear ones is desired and prayed for. But as is obvious, the Arabian desert regions are ever thirsty. Their thirst is never quenched, The Arabs pray to God to keep the graves of their dear ones and benefactors wet. This sort of prayer denotes height of sincerity on the part of one who prayed. **Abu Tammam** (ابو تمام) in his elegy on the death of **Muhammad-ibn-Humaid** al-Taee

"The night of this mountain and desert-tract has a restless bosom. In that tract there is visible neither a bird nor a track of water "

"This night cannot be lighted by the candle of Ribbis. You know a sun is needed for the purpose."

In his book "Pas Che Bayad Kard" Iqbal inspires the Arabs to get rid of the European over-lords in the following words :

از فریب او اگر خواهی امان !
اشترانش را ز حوض خود بران !

"If you seek safety from his (European Imperialist's) treachery then drive his camels away from your pool of water."

The impact of the Arab pool of water and the camel is there. The theme clearly depicts the meanings of a verse by Zuhair-ibn-Abi-Sulama, included in his famous معلقة (Suspended Poem) :

و من لم يذد عن حوضه بسلاحه
يهدم و من لم يظلم الناس يظلم!!

"Whosoever does not defend his pool with his weapons, his pool is destroyed. And he who does not repress others. is repressed."

A verse in Asrar-i-Khudi tells eloquently of the influenee of Imam Busiri's subject stated in his verse. Here is Iqbal's verse.

رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را

"For the Assembly of *Time* we are the glamour and grace The Holy Prophet was the Last of the Prophets and we (Muslims) are the Last of the Nations".

And Busiri had said :

لما دعا الله دا عينا لطاعته
اكرم الرسل كنا اكرم الامم

"When Allah Characterized our Mentor (Holy Prophet) for submissiveness to Him as the most superior to the Prophets, we came to be the most superior to the nations "

cussed in the beginning of this article. Some influences are direct, clear and exact. Some are vague. There are others that are mingled with other impressions of the similar kind This comingling naturally, dims the manifestations imprinted on the pages of memory. Yet the original impact is not wiped out or dimmed altogether. Therefore, it can show up itself, though partially and vaguely, whenever a chance occurs. For example we have Iqbal's verse .

گمان آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

"In this world of phantacies the conviction of a Muslim (Believer) is like the candle of a Rabbi in the dark night of a desert.

In the Jahili (جاہلی) era there were some such persons called Ribbis (Doctors in Christian Theology) who having renounced worldly involvements built cottages in places away from human habitants A twinkling candle in such a cottage, in the pitch darkness prevailing all around, presented a fascinating phenomenon for the wayfarers of the desert especially when they had gone astray and had not been able to find any trace of their path. Iqbal's above quoted verse contains a vivid influence of the following verse by Imr-ul-Qais :

تضيء الظلام بالعشي كأنها ! منارة ممسى راهب متبتل

"She transforms darkness into light, when night sets in, as if she were the lamp (candle) of a God-devoted Ribbi lighted in the evening dark."

The same theme is reverberated in Iqbal's following Qita (short poem).

شب این کوه و دشت سینه تابے
نه در وے مرغکے نے موج آبے!!
نگردد روشن از قندیل رهبان
تو میدانی که باید آفتابے!!

to olden days or they belong to our era. One thing for the benifit of traitors, if they be in a mood to hearken :

این جهان بے ابتدا بے انتہا است
بندہ غدار را مولا کجا ست

> This Universe has no beginning and no end (It has an unlimited vastness). Still, there is none is this Universe who would befriend a traitor."

Neither the traitors of the past could find any one to give them shelter nor the prospective traitors would find sympathisers expected to provide them any protection. Traitors have no masters or lords None owns them.

While studying Iqbal's poetry we find verses, lines or part of lines taken from al-Mutanabbi, Amr-ibn-Kulthum, Busiri, Ka'ab-ibn-Zuhair, Zuhair-ibn-Abi-Sulma, Imr-ul-Qais, al-Ma'ari and others For example, here is a verse of Amr-ibn-Kulthum in Armughen-i-Hijaz.

صبنت الکاس عنا ام عمرو و کان الکاس مجراها الیمینا
اگر این است رسم دوستداری بدیوار حرم زن جام و مینا

> "O mother of Amr, you have given a wrong start to the cup of wine. As a rule the cup is to bigin its circulation from the right. (You turned it left because we were on your right side)."
>
> "If that is the manner of your friendship then dash the cup and the goblet against the wall of the Sanctuary (Kaa'ba).

Besides, we find that several verses of Iqbal are clearly impressed by some Arabic verse, without verse or a line of it being incorporated in original. In this regard, if we peruse the works of al-Mutanabbi, Imr-ul-Qais, Abu Tammam, etc., we may find many verses which have affected Iqbal's verses, in respect of idea or imagery. Sometimes the impact is not direct. At times it is a sort of reflection It is obvious that mind retains not only the influences of physical spectacles seen with ones bodily eyes, but also retains the impacts of the phenomena visited upon by the eyes of ones intellect and imagination. This aspect of literature has been dis-

theme with scenes of Paradise and Hell, alongwith other stations commensurate with the actions of human beings That al-Futuhat influenced Dante's Divine Comedy is borne out by Asin in his book "Islam and The Divine Comedy". Some other Orientalists also, for example Grunebaum in "Medieval Islam" makes mention of the same fact. The effect of al Futuhat on the Divine Comedy is specially pronounced in relation to different stages of Paradise and Hell.

Then we have Kitab ul-Tawasin by Hallaj which has influenced Javed Nama. Javed Nama contains four parts. Each part is called a Tasin : (1) Tasin of Goutam , (2) Tasin of Zartusht ; (3) Tasin of Masieh (peace be upon him); (4) Tasin of Muhammad (peace be upon him.) This word "Tasin" as it is obvious, has come from Hallaj's al-Tawasin.

In Javed Nama, too, the same magnanimity is shown as was expressed in al-Ma'arri's Risalat-ul-Ghufran. Iqbal and al-Ma'arris unlike Dante do not dishonour any Prophet or even any important person belonging to a non-Muslim community. His three chapters in Javed Nama belong to Goutam, Masieh and Zartusht. And besides, a reverential reference is made to Bhartri Hari and Vishvamitr (Jehan Dost) two sages of ancient India Iqbal, like al Ma'arri has explained that God's mercy has no bouuds, neither racial not geographical. Iqbal did not consign to the fire of Hell any poet, scholar or religious leader. He has depicted the phenomena of Zuhal (Saturn) where there is a river of blood. In that river two persons are shown rising and falling They suffer from a highly painful and suffocating punishment by God. They were Mir Jafar of Bengal and Mir Sadiq of Deccan (Mysore). They earned this horrible punishment not because they had sinned against God, but because they had been traitorous to their nation and homeland. Their role had been amongst the worst causes of the decline of Muslim power in the Pak-India subcontinent and thus they had thrown their nation to the abominable abyss of slavery. And, in Iqbal's view, slaves are nothing but breathing dead bodies. Iqbal warns all to beware of traitors The nature of traitors is the same whether they belonged

his age. As is statet in Dr. Umar Farrukh's Tarikh-al-Fikr al-Arabi Ibn-al-Qarih had an aversion for a number of poets and literary figures who ignored religious duties, were given to drinking and wrote erotic poetry. Hence, in his view, their distiny was Hell. He wrote a booklet dealing with this topic and sent to al-Ma'arri. In reply al-Ma'arri wrote his celebrated "Epistle of Forgiveness (رسالة الغفران) The theme of this "Epistle" is the encompassing mercy of God. Al-Ma'arri depicted different spectacles of Paradise where he came across many poets belonging to the Islamic era. Not only that he met in Paradise some poets who had died before the advent of Islam and without having embraced Islam were enjoying boons of God. Imr-al-Qais, Zuhair, Abid-ibn-Abras, etc. were among them Al-Ma'arri hated religious fanaticism. He through his Epistle, tried to convey his idea of all-embracing Forgiveness of God At several places the style is sarcastic. The target of his sarcasm, as is obvious was Ibn-al-Qarih and all others who, like him, were narrow-minded like jurists and scholars in religious studies who were always on the lookout for driving men of letters to Hell. Their only sin being that they did not look as pious as their critics themselves, according to their own supposition, were. They felt pleasure in driving the human beings to the Fire even over a paltry fault or negligence in respect of religions duties or on account of some moral laxity.

We find al-Ma'arri inquisitive about the reason of the forgiveness of poets, especially those who belonged to the 'Jahili' days. Imr-al-Qais is shown giving his own reeson for having been forgiven. Abid-ibn-Abras and Zuhair, and similarly others, explained the why of their being blessed with boons of Paradise. Al-Ma'arri wanted to impress upon the minds of the readers of his Risalat-al-Ghufran (رسالة الغفران) that the Forgiveness for the Servants of God was unlimited. God pardons sin. God rewards every good act howsoever trivial. This topic has been discussed by Asin in some detail in his book "Islam And The Divine Comedy."

Ibn-al-Arabi's Futuhat-ul-Makkia is a book much more known than al-Ma'arris' Risala. Futuhat also contains the skyroaming

"O Hubal, the merciful master of this servant ! take back your House (the sunctuary of Ka'ba where godesses like Hubal (هبل) Lat (لات) Manat (منات) and others had been placed by the Arabs of the pre-Islamic periods) from the hands of the irreligious folk "

'Give their herd to the wolves in charity and turn their dates bitter on its tree "

"O Manat and Lat, do not leave this abode, and if at all you must depart then please do not forsake our hearts "

"O you who have strong ties with our eyes, if you have made up your mind to depart then please give us some time."

Sahban-e-Wail (سحبان وائل) was a firy orator of the 'jahili era and Zuhair-ibn-abi-Sulma was one of the greatest three or four poets of that era. The words (ان کنت از معمت الفراق) (if you have bent upon departing) turn our attention to the famous Suspended Ode of Imra-al-Qais, also of the same period. The following, in particular, mirror the nature, the mind, and the disposition of the Arabs of that age .

از قریش و منکر از فضل عرب

"Himself a Qurashite yet he (Muhammad, peace be on him) denies the superiority of the Arabs."

گنگ را گفتار سحبانی کجاست

"How can a dump person be equal to Sahban-e-wail in eloquence."

تلخ کن خرمائے ایشان برنخیل

"Turn their date bitter on its tree."

Here we have dealt with just a very small part of the pristine Arabian atmosphere. If we look at the theme of Javed Nama we find that it, too, belongs to Arab literary ancestry. The idea of sky roaming and visiting both Heaven and Hell was perhaps first of all, given by Abul Hasan Mansoor known as Ibn-al-Qarih (ابن القارح). He was one of the senior cotemporaries of Abu-Ala-al Ma'arri (d. 449 A H). Ibn-al-Qarih belonged to Aleppo and was a literary figure of

اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر !
خانهٔ خود را ز بے کیشاں بگیر !

گلهٔ شاں را بگرگاں کن سبیل !
تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل

- - - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - - -

اے منات اے لات ازین منزل مرو !
گر ز منزل می روی از دل مرو !

اے ترا اندر دو چشم ما وثاق !
مہلتے ان کنت ازمعت الفراق

"His *i.e.* the Holy Prophet's (peace be on him) religion is a deadly enemy of possessions and blood relationship. Himself a Qureshite (a proud Arab tribe) he denies the superiority of the Arabs (to other peoples)"

"He has not made a correct estimate of the freedomloving Arabs and has developed friendship with thick-built (or thick-lipped) Negroes"

"This profession of equality and fraternity is an Iranian (non-Arab) stance. I know perfectly well that Salman (who hailed from Iran) is a follower of Mazdak (the tolalitarianist)"
"The son of Abdullah (the Holy Prophet) has been deceived by Salman and has delivered the Arabs to tumult and commotion".

"How can an Iranian (a non-Arab) belong to the lineage of Adnan (عدنان) ? How can a dumb person be equal to Sahban (سحبان) in eloquence ?"

"Eyes of the Arab chiefs and men of distinction have lost sight in looking for you. O Zuhair ! Would you not come out of your grave ?"

(to sing the songs of the Arab's grandeur)

look clean and washed--------. None without the genuine taste of Arabic literature and love for Islam and the Prophet of Islam (peace be on him) could have been able to draw these words from Mahdi's mouth.

Iqbal's depiction of the mentality and outlook of the Arabs of the Jahiliyya in *Javed Nama* is highly admirable. The Taseen (طاسین) of Muhammad (peace be on him) opens with the laments of Abu Jahl (ابوجہل) in the vicinity of the sanctuary of Ka'ba. The Arabs were proud of their lineage and tribe, is well know. For them it were only they who possesed a fluent tongue. For them all peoples other than the Arabs were tongueless societies. They looked with deep scorn at all languages other than Arabic. Iqbal has artistically epitomised in a few verses the mental frame work of the Arabs of the Jahili era *i e* the era just before the advent of Islam. He makes Abu Jahl (ابوجہل) their interpreter and this is what he has to say against the Prophet (peace be on him):

مذہب او قاطع ملک و نسب !!!
از قریش و منکر از فضل عرب !!

قدر احرار عرب نشناختہ !
باکلفتان عجم در ساختہ !

این مساوات این مواخات اعجمی است !
خوب می دانم کہ سلمان مزدکی است !

این عبداللہ فریبش خوردہ است !
رستخیزے بر عرب آوردہ است !

- - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -

اعجمی را اصل عدنانی کجا ست !!!
گنگ را گفتار سحبانی کجا ست

چشم خاصان عرب گرد یدہ کور !
بر نیائی اے زہیر از خاک گور ؟

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - -

"His wine is strong and unmixed; his sword is made of pure steel."

shows clearly that "he drank deep the Arabian spring." 'Only he who can fall well, can paint well,' is an old saying.

Word (نخیل) (date-palm) had led us to qurtuba The Arabs say نخیل (date-palm) is their aunt. Then let the aunt tell their story. Here, all of a sudden the words of the Mahdi of Sudan, contained in Javed Nama of Iqbal attract our attention Mahdi addresses his dromedary driver thus:

ناقه مست سبزه و من مست دوست!
او بدست تست و من در دست دوست

آب را کردند بر صحرا سبیل !!!
بر جبل ها شسته اوراق نخیل

ساربان یاران به مسجد ما به نجد!
آن حدی کو ناقه را آرد به وجد!

"The dromedary is absorbed in greenery and I in my friend. The dromedary is under your control while I am under the commands of my friend".

"Desert has been given water gratuitously. And, on mountains the leaves of date-palm look bathed and washed."

"O cameleer, companions go to the mosque (sanctuary of Ka'ba) but we go to Najd (the abode of the Beloved. Here it stands for al-Madina). Where is that song, the chants of which enrapture the dromedary (so that she could run more swiftly as if intoxicated and hence would not feel fatigued)."

The Mahdi of Sudan has been depicted as going towards al-Madina the holy city of the Holy Prophet. Naturally he wants to reach there as soon as possible. God's merciful rain has had bestowed its invigorating showers on the surroundings. The dromedary cannot resist the charm of the green grass spreading around. She now and then stops to have a morsel or two. Water is plentiful, sparkling here and there. Leaves and branches of every date-palm

at a place called 'Aghmat' (اغمات) under the foot of muont Atlas in Morocco. Mu'tmid has been eulogised by many poets contemporary as well as those who belonged to later periods for his charity, his love his patronage of letters, his hopsitality, librality, and glamour.

Poet Ibn-ul-Lubana also at the bank of the same river al-Kabir brooded pensively His imagination went back to the days when the family members of Banu Abbad were led to the boats and ships which sailed alongwith the flow of the river to the Mediterrenean sea. He, too, like Iqbal, pondered over the principle of rise and fall of the dynasties and in this mood visualised the past glory and pomp of the early period of Abbaside Caliphate. Iqbal seems to have eulogised the Muslim rulers of Spain with more pathos than the one he felt for others

He says ·

ساقیٔ ارباب ذوق فارس میدان شوق !
بادہ ہے اس کا رحیق ، تیغ ہے اس کی اصیل !

"He is a cup-bearer of those who possess taste. But in the field of achievement he is a brave-man. His wine is strong and unmixed. His sword is made of pure steel."

As far Ibn-ul-Lubana, he is especially devoted to Banu Abbad and has praised them lavishly. For example :

تبکی السماء بمزن رائح غادی
علی البہالیل من أبناء عباد !
علی الجبال التی هدت قواعد ها
و کانت الارض منهم ذات اوتاد

"The sky sheds profuse tears, day and night in the form of rain to mourn the demise the chiefs of Abbad family. They were strong and high like mountains. Now they have been uprooted. They were persons who had been stakes of strength to the earth."

The hemistitch of Allama Iqbal :

بادہ ہے اس کا رحیق ، تیغ ہے اس کی اصیل !

"Pilgrims come to it from all sides as if it were the sanctuary of Ka'ba—— —".

"And, when it becomes surrounded by the pilgrims, the niche looks like the 'Rukn' (column) and 'Maqam' ('Maqami-Ibrahim' مقام ابراهيم) of the Ka'ba".

The admonitory and lesson-conveying atmosphere of the Mosque turned Iqbal to eternal principles of rise and fall. It is Time that works upon the world and those who inhabit it. Iqbal pondered over the question; how nations progress and then decline, how they rise and then fall. It gave him hope because if rise be not permanent fall also is transitory Darkness of dismay must vanish Light of hope must appear. In short, Muslims may again come to power and establish their rule over the territories which, centuries ago, had become their home-land. Iqbal addressed the river al-Kabir that flows at a short distance from the Mosque and expressed a hope which for him was, in the near future, to demonstrate itself as a concrete reality.

آب روان کبیر! تیرے کنارے کوئی!!
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے!
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

"Harken! you river al-Kabir, that somebody at your bank is visualising some other era. (which is about to dawn)"

"If I unveil the face of my broodings then people of Europe would not be able to forbear my chantings"

At the bank of this very river, abu Bakr ibn-al-Lubana al-Dani (ابوبکر ابن اللبانہ الدانی) had sung, about eight hundred years before Iqbal, a doleful song in the memory of Banu Abbad (بنو عباد). Mu'tmad (معتمد) belonged to this lineage. In ***Bal-i-Jibril***, we find a small but touching poem captioned "Lamentations of Mu'tmad from his prison cell." (معتمد کی فریاد قید خانے میں). This is a free translation of some verses composed by Muhammad Mu'tmid ibn Mutadhid Abbadi (محمد معتمد بن معتضد عبادی) who was enchained by Yusuf ibn Tashfin (یوسف ابن تاشفین) in the year 484 A H and imprisoned him

Zauq-o-Shauq (ذوق و شوق) are in the pattern of 'Ghazal' (غزل) but the verses have no 'radif' (ردیف) i e, the rhyming word Iqbal addressing the mosque stated in its praise :

تیری بنا پائدار تیرے ستون بے شمار !!
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

"Your foundation is sound. Your columns are innumerable.

They look like a thick grove of date-palm in the Syrian desert".

This poem was composed in Spain, yet the intellectual atmosphere of Arabia prevailed because the mosque was founded and built by the Arab rulers of Spain. Naturally the temperament of the poem has become Arabian And, it was quite befitting to similise the columns to a thick grove of date palm belonging to the Syrian desert Why particularly a Syrian desert ? Here lies the beauty of conformity because the founder of the mosque Abdul Rehman al-Dakhil had come from Syria, the same ruler who had planted the first date-palm on the Spanish soil and while planting the tree he wept profusely in remembrance of his homeland to which he could never expect to return He composed some verses pertaining to that occasion, the free translation of which is given in the 'Bal i Jibril'.

Iqbal addressed the mosque showing it as at par with the sanctuary of Ka'ba on account of its spaciousness, sublimity and sanctity————. About five centuries before Iqbal, a Spanish poet Ibu al-Musanna had addressed the mosque in the same tenor and metaphorically called it the sanctuary of Ka'ba.

He says :

بنیت لله خیر بیت ! تخرس عن و صفه الانام !
حج الیه من کل اوب کانه المسجد الحرام !
کان محرابه اذا ما !
حف به الرکن و المقام

"The dignified house has been built for God Its description is beyond the eloquence of people".

and fragrant. Only a feeling of deep love could work this wonder. And, as far the remains of burnt out fires and pieces of tent-ropes, they partake of the popular themes of Arab poets.

Study of Iqbal's poetry shows that with the passage of time his love for Islam grew in intensity and accordingly a particular type of vocabulary increased *e g.*, caravan (قافلہ), rein (زمام), she-camle (ناقہ), place of stoppage (مقام), public fountain (سبیل), stage (منزل), litter (محمل), tent-rope (طناب), tent (خیمہ), date-palm (نخیل), dates (نخل), etc.

He Says :

بہر جائے کہ خواہی خیمہ گستر
طناب از دیگراں جستن حرام است

"Put up your tent wherever you like but to beg even a tent-rope from others is tantamount to sin".

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد ! ! !
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

"Temperaments could not become more corrupt. The slaves cut off the ropes of their masters' tents".

مصرعہ : قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں ؟

"Is there not a single Husain in the whole of the 'Caravan' of Hijaz" ?

(Meaning Muslim Ummah).

مصرعہ : مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیل بے رطب

"I never knew that knowledge was like such a date-palm as did not bear fresh and ripe dates".

The last two lines have been taken from Zauq-o-Shauq (ذوق و شوق). The whole atmosphere of the poem as explained before is Arabian.

We had (نخیل) (date-palm) in Khizr-i-Rah (خضر راہ) and similarly in Zauq-o-Shauq (ذوق و شوق). Now, this word leads us to another very important poem by Iqbal and that is Masjid-i-Qurtuba (مسجد قرطبہ). The paragraphs of this poem, too, like those of the

be built much later Some poets of 'Jahili' era as well as of the era of Islam have alluded to 'Kazima', for example we have:

الم يبلغک ما فعلت ظباء
بكاظمة غداة لقيت عمرا

"Have not the news reached you how badly Amr was treated by his deer-like beloved at 'Kazima' in the morning of the day I met him (Amr)" ?

Similarly Imam Busiri, in his famous Ode "Burda" alludes to the city of the Prophet (peace be on him) through 'Kazima':

ام هبت الريح من تلقاء كاظمة !
او اومض البرق فى الظلماء من اضم !

"Perhaps it is the gust of wind coming from the surroundings of 'Kazima' or may be it is a flash of lightening in the dark sent from mount 'Idam' ".

And, about 'Idam' (اضم) another poet says:

بانت سعاد و امسى حبلها انصرما !
و احتلت الغور و الاجرع من اضم

"Suad, my beloved, went away and broke the tie of love, She has now settled down in the vale of 'Idam' near 'Ghaur' and 'Ajra".

We know that most of the verses of Zauq-o-Shouq (ذوق و شوق) were composed , in Palestine. But Iqbal through his imagination seemed visiting the vicinities of al-Medina. Pangs of separation made him restless. His heart as if leapt out to the city of the Beloved (peace be on him). This turbulent desire agitated him It was a state of spiritual nearness while bodily the poet was still far off. It gave him a feeling of restless pleasure and pleasant restlessness. Anyway, the spectacle before the eyes of imagination was that of the Beloved's abode. It is this rupturous spiritual state which in the beams of the sun saw the flow of luminous brooks, while the cloudlets looked like silken gowns and the sand softened into velvet. The whole atmosphere had become resplendent, colourful, gentle

From Jerusalem we see our attention diverted to al-Medina (المدینہ) We have a poem by Iqbal captioned "Zauq-o-Shauq" (ذوق و شوق). It is an epithetic poem epitomising his sincerest devotion to the Holy Prophet (peace be on him). In the opening lines of the poem Iqbal describes a spectacle, the real beauty of which cannot be fully appreciated without looking at it as mirrored in the Arabic poetry :

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں!
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب!
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلسان!
گرد سے پاک ہے ہوا، برگ نخیل دھل گئے!
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں!
آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر!
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں!

"The sight of day-break in a desert is enlivening to the heart and vision. It looks as if luminous brooks are flowing from the fountain of the rising sun".

"The heavy night-cloud has left behind it red and blue cloudlets as it it (the night-cloud) has given gowns of various hews and colours to the mount Idam (اضم) to wear".

"Air is clean, there are no dust particles in it. Leaves of date-palms have been washed and the sand around 'Kazima' is soft like velvet".

"The remains of burnt out fire are observable here and a piece of tent-rope there Who knows how many 'caravans' have passed through this tract".

In these verses mount Idam (اضم) and the sand around 'Kazima' are pointers to al-Medina, the illumined city of the Holy Prophet (peace be on him). Al-Medina is situated in a vale of mount 'Idam' while 'Kazima' stands for a habitat where the Beloved dwells. 'Kazima' stood near the city of Basra although the latter came to

"It is a pleasure to see the sun set in the silent evening of the desert, on account of which the world-encompassing vision of *Abraham became keener and brighter*".

"*It is a pleasure to see the caravan stop at the pool of water. The gathering of caravaneers around the pool is like the gathering of the faithful around the fountain* Salsabeel in Paradise'.

"Love-madness is in search of new unpopulated vasts while you are enchained to a little farm and a small date-grove".

"Through constant circulation the cup of life goes on gathering strength. This and this only is the secret behind the perpetuity of life. But you are unaware of this fact".

The perusal of these verses unfolds before the eyes of our imagination a desert phantasmagoria. The call to move on, sand dunes, carefree loiterings of deers, sojourns without belongings, and journeys without mile-stones, gathering of caravaneers around the pool of water, etc , portray the spirit of the Odes of the olden days The verse dealing with the water-pool and Salsabeel (a fountain in Paradise) paints a beautiful commingling of the Arabian and Islamic sensibilities Enchainment to a little farm and a small date-grove also, deserves attention because Iqbal had in his mind a desert-dwelling and the chains of those who dwell there are nothing but these farmlets and date grovelets. And, we know that Iqbal had not seen these phenomena with his own eyes. It was the study of Arabic literature which Arabicized his mind. We know people who are Anglophile, without ever having been to England or any other country where English is the only official and literary medium.

Iqbal had stopped at Jerusalem for a day or two while returning from the Third Round Table Conference held in London for seeking a solution to the communal problems of Indian peoples, especially the Muslims and the Hindus. Iqbal did not penetrate into the Arabian desert. Jerusalem is not situated in a desert. Whatever he depicted in the above quoted verses, was an endowment of Arab bards.

خضر : کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے
یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں !
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام !
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح ! !
یا نمایاں بام گردوں پر جبین جبرئیل۴ ! !
وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب ! ! ! !
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل۴ !
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں ! ! !
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش ! !
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل
پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی ! !
ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی !

The poet :

"You desert habitations and roam about in the deserts Your life is without day and night. It has neither yesterday nor tomorrow".

Khizr :

"Why are you amazed over my desert rovings ? This constant dash and dart is the testimony of life".

"You are a home-bound person. How can you enjoy the thrill when in the vasts of the desert the clarian call resounds "resume march" ?

"It is a pleasure to see the carefree lolterings of a deer on a sand-dune. Stay is withont belongings. Journey has no mile-stones".

"It is a pleasure to see the morning-star appear at about day-break.

It quivers like the quick-silver and is charming like Gabriel's brow beaming on the horizon".

"In short, it is not possible to explain to you what qualities these desert-dwellers possessed. They were great conquerers, rulers, preservers, and adorners of the world"

Similarly when Iqbal declares that the contemporary era is the fruit of Arabian people's perspiring toils who truned their blood into water for the all-round progress of humanity, he is again direct in his exposition .

عصر حاضر زادۂ ایام تست !
مستی او از مئے گلفام تست !

شارح اسرار او تو بودۂ !
اولیں معمار او تو بودۂ !

"The present age is the off-spring of your days. Its intoxication is due to your rosv wine. It is you who explained its secrets. It is you who were its first founder".

And, still he is almost direct when he said .

مرد صحرا پاسبان فطرت است

"The desert-dweller is the sentinel of Nature".

He was hopeful of the "re-awakening of the desert-tiger, the same one who had subjugated the Eastern Roman Empire". But as already stated, these are direct hints. Real beauty lies in verses wherein the Arabic spirit is infused indirectly *e.g* , through similies, metaphors, allusions, proverbs, figures of speech, and images which carry the reader unconsciously to the Arabian surroundings. It should be made clear that the impact of the Quran and that of the Sayings of the Prophet (peace be on him) is not addressed here. That needs a separate treatment. Here I confine myself to some elements of Arabic literature only.

It would look agreeable if a poem from Bang-e-Dara captioned Khizr-e-Rah (خضر راہ) be taken for a guide. (حضر راہ means "the guide") The opening paragraph of the poem reads thus :

شاعر : چھوڑ کر آبادیاں رہتا ہے تو صحرا نورد !
زندگی تیری ہے بےروز و شب و فردا و دوش

inherited the same political conditions. But they differed widely in respect of their thought patterns, views and philosophy. One of them (Tagore) became the guardian of Budha's inheritance and other (Iqbal) that of Abraham (peace be upon him). One is the messenger of tranquility and the other that of vitality.

But Iqbal evolved into what he came to be known for, very gradually. He went up step by step His mental evolution and progress as a poet was quite discernible. Every stage is obvious. We find that in the first two sections of the Bang-e-Dara, Arabic influences are little. But when he returned from Europe his outlook had undergone a positive change. One of the salient features of this change was that he renounced the idea of Indian Nationalism and appropriated the concept of Muslim Nationhood (ummah). This shift is easily discernible in the Asrar-i-Khudi (1915) and the third section of Bang-e-Dara.

It sustained till the last of Iqbal's books, Armughan-i-Hijaz (ارمغان حجاز) which was published after his death. The concept of Muslim nationhood (Ummah) made itself felt off and on in several manners and various colours. It is obvious, in Iqbal's poetry that Arabia, no longer remained a geographical entity only but it had turned into a figure of speech as well.

Arabia and Arabic language have influenced Iqbal's poetry in different ways Somewhere the influence is direct and tangible. On occasions it is symbolic. At times it appears in images. Directly he would say, for example, referring to the Arabs, belonigng to the era of the rise of Islam :

تمدن آفریں ، خلاق آئین ، جہانداری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

"The Arabian desert which (apparently) was only the abode of camel-herds, in reality was a designer of civilizations and a creator of legal frame-work of sovereignty".

غرض میں کیا بتاؤں تجھ کو وہ صحرا نشیں کیا تھے !
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آرا

even has not been visited by us. According to the measure of influence upon our minds we begin to live those alian thoughts and images in a way. Though unconciously, yet, we become, as if we belonged to the surroundings from which those cherished thoughts and images had originated

Iqbal was fond of Arabic literature. It was Maulana Sayyed Mir Hasan who taught him Arabic. Sir Abdul Qadir in the preface of Bang-e-Dara, alluding to the Maulana said :

> ' The peculiarity of his teaching is that he inculcates the real taste of Arabic and Persian languages in the minds of his students [these faith-ful words were written while the Maulana was still alive]"

Iqbal learnt Arabic and Persian thoroughly. Then he learnt Urdu and became welversed in it. But in my opinion it was the Spirit of Arabic literature that got into his soul Arabic language belonged to Arabia and he loved Arabia because his Beloved (Prophet Muhammad, peace be upon him) had lived and lay buried there That territory being the home-land of the Beloved possessed Iqbal's head and heart. This is how the Arabic element become an important part of his mental atmosphere And we know, life in Arabia was tough. It was perpetual movement and constant toil Every tribe and every member of the tribe had to be always on alert and effiecient otherwise the pastures and waters were in danger of being taken over by others. This did not mean the loss of some sort of possession only, it meant rather the loss of the sources of life. Life in Arabia and especially the Arabia of those days was not something taken for granted. Every moment had to be consciously lived. Therefore every alert moment meant an achievement.

This geographical and social perspective of Iqbal's arena of love and devotion played a conspicuous part in shaping his pattern of thought and his view on life and of life. Here is the parting of the ways of Iqbal and Tagore. Their forebears had belonged to the same religion *i.e*, Hinduism. Their country (the then united Pak-India sub-continent) was the same. They, to a great extent

died there, but have still described caravans and depicted long journeys through vast deserts. Take just one example of Mirza Ghalib, one of the most renouned poets of Urdu language. He was born in Agra and died in Delhi. Perhaps in the whole of his life he had not seen any desert encampment. He had never seen vast waterless tracts interspersed with big sand dunes. He had never lived in wool tents nor had he loved any woman who belonged to tent dwelling tribes, encamping in a desert. Yet he says :

کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے !
مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی !

"How long should I weep and bewail behind the tent of my beloved. O God ! could there be no stone-wall for me ? (So that I could dash my bead against it and get rid of the pangs of separation).

And here is Ibn Hazm al-Andalusi, a poet of Muslim Spain :

تزکرت ودا للحبیب کانه ! لخولة اطلال ببرقة ثهمد
و عهدی لعهد کان لی سه ثابت یلوح کباقی الوشم فی ظاهر الید

"The remembrence of my beloved took hold of me (afresh) as if it were the remains of Khaula's abode on the hard ground of Thahmad. The bond of love between me and my sweet heart was durable. (The memory of that bond also came to me afresh). And looked like the remnants of tattoo marks on the back of the hand".

Infact the second hemistitch of each of these two verses belongs to Tarafa, a poet of the Jahiliyya (the age of Ignorance). And the two hemistithes make the first verse (مطلع) of Tarafa's Ode which is r of the famous Seven Suspended Odes (المعلقات السبع).

This phenomenon *i.e.*, Arabic themes in non-Arab territories may look prima facie, unnatural but in fact if we regard the matter with a discerning eye it becomes clear that mental atmosphere is also as real as physical one. Thoughts, ideas and images that dwell in our minds become a part of us not withstanding the fact that they sprang from a country or place we do not belong to or

aptly so, that all the poetry of the world of Islam is in a way, impressed by the Arabic poetry. He explains that the mode of life of the great majority of Arab tribes was a constant journey. They were always on the move in search of pools and pastures Now they were here, then there, hence a considerable part of their poetry deals with abondoned places of encampments, where some time back there dwelt the beloved or one or the beloveds of the poet. Again, this poetry describes the reminiscences of the parted friends It depicts the caravans that passed by and places of short sojourn which were sometimes specified and sometimes not It tells of the journeys which were not measurable in terms of miles there were no mile-stones And still more, there were no destinations. Further the Spanish orientalist referred to above, states that on account of this nature of Arabian life and its influence on Arabic poetry, the poetry of other Islamic peoples too contains a similar view of life at large and the world they live in. For them also, *the existence* assumes the character of a caravan, always on the move, passing and disappearing The long and short of the story of life is, "God alone is Eternal".

Garcia's statement, as is obvious, is not with out a strain of exaggeration, yet, there is no denying the fact that several favourite themes of Arab peots have their impress upon the poetry of not only of non-Arab Muslim poets but also of non-Muslim poets who composed verses in [illegible] languages of Islamic peoples

*Prof. Muhammad Munawwar**

Impact of Arabic Literature on Iqbal's Poetry

In the concluding paragraph of his celebrated book "Nai Tashkil" (نئی تشکیل) which is on Iqbal, Aziz Ahmad observed thus :

> 'After having read all of Iqbal's poetry, one feels obliged to read a lot around him (to understand him) for example Rumi, Nietzsche, Bergson, al-Jili, Greek Philosophy, Muslim Philosophy, Ancient Hindu Philosophy, Modern European Philosophy, German, Latin and English Poetry, Persian and Urdu Ghazal, and after having read all this when you come back to Iqbal you feel you have yet to read a lot'.

In my opinion the study of Arabic literature also is one of the most important branches of learning needed in respect of understanding Iqbal's poetry and thought. Iqbal vehimently claims that the spirit of his poetry and thought is Arabic :

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری !
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

If my jar is Persian, does not matter.
My wine is Arabian.
If my song is Indian does not matter.
My melody is Arabian.

The impact of Arab poets on Iranian poets is obvious. Through Persian language that impact passed on to Urdu. As is well-known, the temprament of Arabic poetry like the Arabs of the desert is peculiar. Its influence also on whatever language it happens to be, is conspicuous. Garcia Goumis, a Spanish orientalist remarks and

* Department of Iqbal Studies, University of the Punjab, Lahore.

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۵۷ : ۳، ۴ شمارۂ مسلسل ۲۲۶-۲۲۷

مدیر :

ڈاکٹر وحید قریشی

پرنسپل

یونیورسٹی اورینٹل کالج ، لاہور

پاکستان

مدیر		ڈاکٹر وحید قریشی
ناشر	:	ڈاکٹر محمدؐ بشیر حسین
طابع	:	مرزا نصیر بیگ
مطبع	:	جدید اردو ٹائپ پریس، ۹ ۳- چیمبرلین روڈ ، لاہور
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
قیمت فی شمارہ	:	۱۸ روپے
چندہ سالانہ	:	۳۰ روپے

۱۹۸۲ء

فہرست مضامین

اداریہ

اورینٹل کالج میگزین کا آئندہ شمارہ خصوصی نمبر ہوگا۔ پنجاب یونیورسٹی کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر یونیورسٹی کے جملہ ادارے خاص نمبروں کا اہتمام کر رہے ہیں چنانچہ یہ مجلہ بھی خصوصی شمارہ پیش کرے گا۔

مدیر

مشفق خواجہ*

بیاض غالب

بیاض : ۵

۸۷، اوراق کی یہ بیاض ½ ۱۴ × ۹ س م سائز کی ہے - کاغذ دبیز، سفید ہے - ہر صفحے پر ہلکے نیلے رنگ کی ۱۲ سطریں کھنچی ہوئی ہیں - لیکن تحریری مواد زیادہ سے زیادہ پندرہ اور کم سے کم تین سطروں پر مشتمل ہے - بیاض جزوی طور پر کرم خوردہ ہے لیکن اس سے متن کو نقصان نہیں پہنچا - جلد اوراق سے علیحدہ ہے، اوراق کی شیرازہ بندی بھی تقریباً ختم ہو چکی ہے - ورق ۲ (ص ۳، ۴) نصف کے قریب ضائع ہو چکا ہے - درمیان کے متعدد اوراق موجود نہیں ہیں - مندرجہ ذیل صفحات سادہ ہیں : ۱۲، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۳۰، ۳۸، ۴۲، ۵۲، ۵۶، ۶۰، ۷۲، ۷۸، ۸۲، ۹۱، ۹۲، ۹۸، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۳۶، ۱۴۲، ۱۵۹ تا ۱۷۴ - مندرجات کی تفصیل یہ ہے :

۱- ص ۲ - ۱ غیر مطبوعہ غزل :

یہ غزل قلم زد کر دی گئی ہے - اس کی تاریخ تصنیف ۲ اگست ۱۹۳۹ء ہے -

فضا میں ہے وہ ساون کی گھٹاؤں کا سماں رنگیں
کہ جن کی جلوہ آرائی سے ہے بزم جہاں رنگیں

کہاں تھا بزم الفت میں غم دل کا بیاں رنگیں
مرے خون جگر سے ہو گئی یہ داستاں رنگیں

وہ عالم حسن کا ان کی نشیلی انکھڑیوں میں ہے
کہ دیکھا ہی نہیں ایسا کوئی دیر مغاں رنگیں

مرے مجروح دل سے جب نکلتا ہے کوئی نالہ
تو ہو جاتی ہے دم بھر میں فضائے آسماں رنگیں

دکھاتی ہیں یہ منظر مجھ کو میری خوں چکاں آنکھیں
زمیں رنگیں، فلک رنگیں، مکیں رنگیں، مکاں رنگیں

لہو سے کوہکن کے ہر بنائے یادگار آخر
بنایا عشق نے خود بے ستوں پر اک نشاں رنگیں

---

* ۳/ڈی - ناظم آباد ۲۶/۹ کراچی ۱۸ -

مرے زخم دروں کا حال پنہاں چھپ نہیں سکتا
نکل کر دل سے آتی ہے لبوں تک ہر فغاں رنگیں

فریب حسن ہیں نقش و نگار دہر اے ناداں
یہ اک سادہ ورق ہے جس کو سمجھا ہے جہاں رنگیں

معرف اہل فن ہیں خوبیٔ گفتار کے ثاقب
مرا حسن سخن دل کش ہے انداز بیاں رنگیں

۲۔ ص ۴ - ۳ غیر مطبوعہ غزل :

مجھے کچھ وہی شخص پہچانتا ہے
جو اپنی حقیقت کو خود جانتا ہے

یہ غزل قلم زد کر دی گئی ہے۔ اس کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲ اگست ۱۹۲۹ء درج ہے۔ اس کے لیے رک : حاشیہ ۵ -

۳۔ ص ٦ - ۵ غیر مطبوعہ غزل :

یہ غزل قلم زد کر دی گئی ہے۔ اس کے آخر میں تاریخ تصنیف ۱٦ دسمبر ۱۹۲۹ء درج ہے۔

شرافت ہے حق بات کو مان جانا
کہیں بے بلائے نہ مہمان جانا

فقیروں کی رسم تواضع بھی ہے
کرم کرنے والوں کے قربان جانا

خراباتیوں کی طرب گاہ توبہ
یہاں بات ہی کیا ہے ایمان جانا

وہی عرض کچھ لڑکھڑاتی زباں سے
کچھ ان کا نگاہوں سے پہچان جانا

ملک ہیں وہ اللہ کے نیک بندے
جنھوں نے بدی کو بھی احسان جانا

فقط جوہر عقل سے عارفوں نے
بنی نوع آدم کو انسان جانا

ہزاروں یہاں آئے بھی اور گئے بھی
کسی کو نہ دنیا نے مہمان جانا

وہ ساقی کا طرز رعونت وہ اٹھ کر
مرا بزم مے سے پریشان جانا

ہوائی جہازوں کی تفریح سمجھو
اروپا سے تا چین و جاپان جانا

یہ ہے ریڈیو کی کرامت کہ ہم نے
خود اپنے گھروں کو پرستان جانا

زمانے کی مشکل سے مشکل ہے ہم کو
مرے دل کی ہمت نے آسان جانا

شماتت کو ارباب بغض و حسد کی
ترے تیر کا ہم نے پیکان جانا

وہ کل جگ ہے یہ دین فروشی کو جس میں (کہ جس کو؟)
منافق مزاجوں نے ایمان جانا
[حاشیے پر پنسل سے «منافق مزاجوں» کے مقابل «سیاسی جماعت» لکھا ہے]۔

بجائے خود ایماں نے گمراہ سمجھا
مگر کافروں نے مسلماں جانا

بجز پول جو رہبر معصیت تھا
نہ کچھ حرمت دیں کا نقصان جانا

عجب مکر کا جال پھیلا ہوا ہے
جسے سخت مشکل تھا پہچان جانا

بزرگان دانش نے یک رائے ہو کر
جناح و سکندر کو ذی شان جانا

وہ منزل تھی صبر آزمائی کی ثاقب
جہاں تو نے مجھ کو پریشان جانا

یہ غزل اسی بیاض کے اندراج : ۱۴ کے تحت بھی ملتی ہے ۔
۴۔ ص ۱۰۸ غیر مطبوعہ قطعات و رباعیات :

مصالحت کا جہاں کوئی راستا نکلا — مخالفت کا وہیں ڈھونگ برملا نکلا
بچایا کشتیٔ اسلام کو تباہی سے — جناح دین سے بیڑے کا رہنما نکلا

دیگر

سکہ فضل و کمال کا مانا — اہل باطل نے حق کو پہچانا
عاقلوں نے وزیر با تدبیر — سر سکندر حیات کو جانا

دیگر

نہ ہو نغمہ نہ مطرب وسے ہو — جو ہے مطلوب دل وہی شے ہو
جان فزا ہے یہ نعرۂ ثاقب — سر سکندر حیات کی جے ہو

دیگر

کیاد سے ہے عناد رکھنا لازم   اس قول کو بھی ہے یاد رکھنا لازم
باہم دگر اب نہ پھوٹ پڑنے پائے   آپس میں ہے اتحاد رکھنا لازم

دیگر

نالوں کے اثر کو دیکھتا جا   ثاقب کی نظر کو دیکھتا جا
ظلمت کدہ کفر کا ہے برباد   اجڑے ہوئے گھر کو دیکھتا جا

دیگر

حیرِ وہ حق کا طلب گار بباطن ہی رہا   اہل باطل کا بظاہر تو معاون ہی رہا
اس دورنگی سے ہوا زر کے سوا کیا حاصل   برہمن بن نہ سکا شیخ برہمن ہی رہا

دیگر

شجر میوہ دار سے اترا   دل باغ و بہار سے اترا
[تیسرے مصرع کی جگہ سادہ ہے]   نظر اعتبار سے اترا

قطعہ

بدل ممنون ہے احباب کے الطاف بے حد کا
یہ پیر خستہ جاں مشتاق ہے جو کنج مرقد کا

کہاں شوق تماشا گہ منصوری کہاں ثاقب
بجا لانا تھا لیکن حکم سر سلطان احمد کا

۲۶ جون ۱۹۳۸ء

[مذکورہ قطعے کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا : ۔۔۔۔ کے اس لطف بے حد کا] ۔

دیگر

یہ جلوہ گاہ ادب ہے ہم ہیں شمس و قمر
ہر ایک جوہر ممتاز حسن دل جو کا

یہ ہیں غلام محمد ، رضا علی وہ ہیں
ہے اشتراک انھیں پھولوں میں رنگ اور بو کا

کوئی ہے صدر نشیں اور دل نشیں کوئی
زہے نصیب خوشا بخت بزم اردو کا

شملہ ۱۱ ستمبر ۳۸ء

۵- ص ۱۳-۱۵ غیر مطبوعہ نظم «مے نوشی» ۔

یہ نظم «بدمستی» کے عنوان سے بیاض : ۳ کے اندراج : ۲۹ کے تحت لکھی جا چکی ہے ۔

۶- ص ۱۷ غیر مطبوعہ نظم «ہمت» -
اس کے لیے رک : حاشیہ ۶ -
۷- ص ۱۹ غیر مطبوعہ نظم «ہمت» -
اس کے لیے رک : حاشیہ ۶ -
۸- ص ۲۱-۲۹ غیر مطبوعہ نظم «ہمت» -
اس کے لیے رک : حاشیہ ۶ -
۹- ص ۳۱-۳۲ غیر مطبوعہ غزل :

دوئی کا نام مٹ جائے جہاں سے
اگر اٹھ جائے پردہ درمیاں سے

اس کے لیے رک : حاشیہ ۷ -
۱۰- ص ۳۳ - ۳۴ غزل :

ہوئی صبح شام بلا کٹ گئی ہے
خلش درد دل کی بہت گھٹ گئی ہے

دیوان میں اس غزل کے صرف دو شعر ہیں جو ص ۲۳۱ پر ہیں - یہ دونوں شعر بیاض میں بھی ہیں - بیاض میں چھے شعر غیر مطبوعہ ہیں - مطلع اوپر درج کیا گیا ہے - اس کے پہلے مصرعے میں اولاً «شام الم» لکھا تھا جسے قلم زد کر کے «شام بلا» لکھا گیا - باقی شعر یہ ہیں :

کبھی کوئی عادت مزاج بشر میں
نہ آئی ہے تڑ پڑ نہ چٹ پٹ گئی ہے

دم ذبح نظارۂ حسن کر لے
کہ زلف ان کے چہرے سے کچھ ہٹ گئی ہے

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا : دم ذبح سیر نظارہ مبارک
یہ شعر بیاض : ۲ کے اندراج : ۱۲ کے تحت لکھا جا چکا ہے - وہاں بالکل مختلف صورت میں ہے] -

بلندی و پستی کی راہوں میں دنیا
ہزاروں برس پیش و پس ہٹ گئی ہے

وہاں نیک و بد میں ہو تمیز کیوں کر
جہاں قوت احساس کی گھٹ گئی ہے

مذاق فن شعر فطری ہے ثاقب
اسی شوق میں زندگی کٹ گئی ہے

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۲۲ جون ۱۹۱۳ء لکھی ہے جب کہ بیاض میں یکم فروری ۱۹۰۴ء درج ہے۔ یہ غزل بیاض: ۲ (اندراج: ۱۲)اور زیر نظر بیاض

کے اندراج : ۲٦ کے تحت بھی موجود ہے -

۱۱- ص ۳۷-۳۵ غزل :

پھر اک بار ہم سے بگڑنا مچل کر
اسی ناز سے اپنی تیوری بدل کر

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۰ پر ہے - اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں تیرہ شعر ہیں جن میں سے نو غیر مطبوعہ ہیں - بیاض : ۳ کے اندراج : ۵ کے تحت آٹھ غیر مطبوعہ شعر لکھے جا چکے ہیں (شمار : ۱ تا ۴ ، ۷ ، ۹ تا ۱۱) - نواں شعر یہ ہے :

ریا کاریوں سے نہ سعی عمل کر
کہ ناکام رہ جائے تو ہاتھ مل کر

بیاض : ۳ (اندراج : ۵) کے متن اور زیر نظر متن میں ذیل کے اختلافات ملتے ہیں :

بیاض ۳ ، شعر ۲ : خطرناک ہے غیر ہموار منزل
کہا تھا کہ بیہڑ میں چلنا سنبھل کر

زیر نظر متن : محبت کے ہموار رستے نہیں ہیں
ذرا ایسے بیہڑ - - - -

بیاض ۳ ، شعر ۴ ، مصرع ۱ : ستم گر کی سفاکیاں چاہی ہیں
زیر نظر متن : نری چشم و ابرو سے ہوتا ہے ظاہر

زیر نظر متن میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا :

مرا دل نہیں اس جہالت پہ راضی

بیاض ۳ ، شعر ۹ ، مصرع ۱ : دکھاتا ہوں رنگ فریب محبت
زیر نظر متن : دکھاتا ہوں اک نقش عبرت جہاں کو

بیاض ۳ ، شعر ۱۱ : گلستان اردو زبان حیف ثاقب
بنا خارزار اپنی ہیئت بدل کر

زیر نظر متن : یہ گلشن تھا حسن و محبت کا ثاقب
جو ہے خارزار - - - - - -

مصرع اول زیر نظر متن میں پہلے اس صورت میں تھا :

یہ اک گلشن حسن دل کش تھا ثاقب

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۱۹ فروری ۱۹۰٦ء لکھی ہے ، جب کہ زیر نظر متن کے ساتھ ۴ فروری ۱۹۴۰ء درج ہے - یہ غزل بیاض ۲ ، ۳ ، ۵ میں متعدد مقامات پر ہے - تفصیل کے لیے رک : بیاض : ۲ (اندراج : ۱۳)

۱۲- ص ۴۱-۳۹ : غیر مطبوعہ غزل :

جبیں ہے سجدہ گزار اُس کے آستانے کی
رہین عشق ہوں عادت ہے سر جھکانے کی

اس غزل کی تاریخ تصنیف ۶ فروری ۱۹۴۰ء لکھی ہے اس کے لیے رک: حاشیہ ۳۔

۱۳- ص ۴۲-۴۳، ۴۴، عکس مطبوعہ غزل: مطابق اندراج: ۱۲ (مذکورہ بالا)۔ اس کے لیے رک: حاشیہ ۳۔ اس غزل میں بھی تاریخ تصنیف وہی ہے جو اوپر درج کی گئی ہے۔ تاریخ کے ساتھ "مقام علی گڑھ" کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۴- ص ۴۵-۴۶، غیر مطبوعہ غزل:

سعادت ہے حق بات کو مان جانا
کبھی بے بلائے نہ مہمان جانا

یہ غزل اسی بیاض کے اندراج: ۳ کے تحت لکھی جا چکی ہے۔ زیر نظر متن میں گیارہ شعر ہیں، اور مذکورہ اندراج: ۳ کے تحت (شمار: ۱ تا ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۸) موجود ہیں۔ دونوں متون میں بعض اختلافات ملتے ہیں۔ ذیل میں صرف زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جاتے ہیں۔ نمبر شمار اندراج: ۳ کے ہیں۔

شعر ۱، مصرع ۱: یہ مصرع اوپر درج کیا گیا ہے۔ زیر نظر متن میں پہلے "شرافت" لکھا تھا، اسے قلم زد کر کے "سعادت" لکھا گیا۔

شعر ۸، مصرع ۱: وہ ساقی کی بے اعتنائی وہ اٹھ کر

زیر نظر متن کے آخر میں بھی تاریخ تصنیف ۱۶ دسمبر ۳۹ء درج ہے۔

۱۵- ص ۴۷-۴۸: غیر مطبوعہ غزل:

خدا کو وہی خوب پہچانتا ہے
جو اپنی حقیقت کو خود جانتا ہے

اس کے لیے رک: حاشیہ ۵، غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۱۵ دسمبر ۳۹ء لکھی ہے۔

۱۶- ص ۴۹-۵۱، غزل:

پھر اک بار ہم سے بگڑنا مچل کر
اسی ناز سے اپنی تیوری بدل کر

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۰ پر ہے۔ اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں۔ بیاض میں دس شعر غیر مطبوعہ ہیں جو بیاض: ۳ کے اندراج: ۵ کے تحت لکھے جا چکے ہیں (شمار: ۱ تا ۵، ۷ تا ۱۱)۔ مذکورہ بیاض کے اندراج: ۵، اور زیر نظر متن میں بعض اختلافات ملتے ہیں۔ یہاں زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جا رہے ہیں۔ نمبر شمار مذکورہ اندراج: ۵ کے مطابق ہیں۔

شعر ۲، مصرعہ ۱: پر آشوب منزل خطرناک راہیں

شعر ۵، مصرعہ ۱: بہار خزاں اپنی دکھلا رہے ہیں

شعر ۸ ، زیر نظر متن میں پہلے اس صورت میں تھا :

نہ ہنس میری ناکامیوں پر کہ تو بھی
اسی طرح رہ جائے گا ہاتھ مل کر

اسے قلم زد کرکے وہ شعر لکھا گیا جو مذکورہ اندراج : ۵ کے تحت ملتا ہے۔ اس میں بھی مصرع اول میں پہلے ''بدولت'' کی جگہ ''بناہ پر'' لکھا تھا۔

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۱۹ فروری ۱۹۰۶ء ہے ، لیکن بیاض میں ۴ فروری ۱۹۴۰ء ہے۔ یہ غزل بیاض : ۲ ، ۳ و ۵ میں متعدد مقامات پر ہے۔ تفصیل کے لیے رک : بیاض ۲ (اندراج : ۳۱)

۱۷- ص ۵۳-۵۵ ، غیر مطبوعہ غزل :

جبیں ہے سجدہ گزار اُن کے آستانے کی
رہین عشق ہوں عادت ہے سر جھکانے کی

اس کے لیے رک : حاشیہ ۳ : غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲ فروری ۱۹۴۰ء درج ہے۔

۱۸- ۵۷-۵۹ ، غیر مطبوعہ غزل :

تابش حسن ہے حجاب ترا ورنہ چہرہ ہے بے نقاب ترا

اس کے لیے رک : حاشیہ ۱۰ : غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲۳ فروری ۱۹۴۰ء درج ہے۔

۱۹- ۶۱-۶۵ ، غیر مطبوعہ غزل :

فرو کرنا ہے مشکل اس خزاں آثار طوفاں کو
مشوش حس نے کر رکھا ہے ارباب گلستاں کو

اس کے لیے رک : حاشیہ ۴ : غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء درج ہے۔

۲۰- ۶۶-۶۹ ، غیر مطبوعہ غزل :

دل کی چھوٹی سی اک کہانی ہے آپ سن لیں تو مہربانی ہے

اس کے لیے رک : حاشیہ ۸ : غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء درج ہے۔

۲۱- ص ۶۹-۷۱ ، غزل :

دل کا آ جانا تماشا ہوگیا میں بھری محفل میں رسوا ہوگیا

سات شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۸ پر ہے۔ اس کے چھے شعر بیاض میں ہیں۔ دیوان کا مطلع بیاض میں نہیں ہے۔ دیوان کے مقطع کا مصرعہ اول :

اب کہاں ثاقب وہ بزم آرائے عشق

بیاض میں اس صورت میں ہے :

اب کہاں اے دل وہ بزم آرائے عشق

پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

اب کہاں وہ انجمن آرائے عشق

بیاض میں سات شعر اور ایک مصرع غیر مطبوعہ ہے۔ ان میں سے چھے شعر بیاض ۳ کے اندراج : ۵۱ کے تحت لکھے جا چکے ہیں۔ (شمار ۱ تا ۳ ، ۵ تا ۷)۔ مذکورہ اندراج کے چوتھے شعر کا پہلا مصرع زیر نظر متن میں موجود ہے ، لیکن مصرع ثانی نہیں لکھا گیا۔ ساتواں غیر مطبوعہ شعر بیاض : ۳ کے اندراج : ۶۱ کے تحت لکھا جا چکا ہے۔ اس کا مصرع اول زیر نظر متن میں یوں ہے :

بے خودی طاری ہے کیف عشق میں

مذکورہ اندراج : ۶۱ میں ''طاری'' کی جگہ ''چھائی'' ہے۔ بیاض : ۳ کے اندراج : ۵۱ اور زیر نظر متن میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں۔ یہاں صرف زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جا رہے ہیں۔ نمبر شمار اندراج : ۵۲ کے مطابق ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : (یہ اوپر درج کیا جا چکا ہے)۔

شعر ۳ ، مصرع ۱ : کیا بلا آئی کہ بزم دہر میں

شعر ۲ ، مصرع ۱ : اللہ اللہ دل فریبی حسن کی

شعر ۵ ، مصرع ۱ : دید کے قابل ہے یہ کایا پلٹ

شعر ۶ ، مصرع ۱ : وہ فسوں ساز اور دل کا لین دین

پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

چشم پرفن اور دل کا لین دین

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۱۳ جولائی ۱۸۹۴ء ہے۔ بیاض میں ۱۲ جولائی ہے۔ یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۵۱ و ۶۱) اور زیر نظر بیاض میں ایک اور جگہ (اندراج : ۲۸) بھی ملتی ہے۔

۲۲- ص ۷۲-۷۳ ، غیر مطبوعہ غزل :

کس سے کہیں روگ اپنے جی کا

ہمدرد کوئی نہیں کسی کا

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء درج ہے۔ اس غزل کے لیے رک : حاشیہ ۹۔

۲۳- ص ۸۰-۷۹ ، غیر مطبوعہ نظم ''فتنۂ محشر''۔

مسرت کیا جو روز حشر وصل جسم و جاں ہوگا
یہی دل ہے تو پھر کوئی نہ کوئی امتحاں ہوگا
وہ حسن خود نما جو حکمراں تھا صحن عالم میں
پڑے انبوہ میں بھی یوسف بے کارواں ہوگا
جہاں میں دل کو روکا ہے یہی کہہ کہہ کے پیری تک
کچھ ارمانوں کو رہنے دے کبھی پھر بھی جواں ہوگا
سمجھ کر کھولنا اے قلب سوزاں کائنات اپنی
ہر اک ذرہ زمین حشر کا آتش فشاں ہوگا
شعاع مہر محشر چھان ڈالے گی حجابوں کو
چھپاتا ہوں جسے میں آج کل وہ سب عیاں ہوگا
کیے ہوں بند آنکھیں حشر میں، دیکھوں تو کیا دیکھوں
جو شام غم میں دیکھا تھا کچھ ایسا ہی سماں ہوگا
بہار باغ ہستی نام ہے آبادیٔ دل کا
قیامت ہے وہی جب مرغ جاں بے آشیاں ہوگا
وہ مجمع جس میں عقل و ہوش کھو کر مل نہیں سکتے
دل پہلو نشیں مجھ کو بتا دے تو کہاں ہوگا
دکھائے گی قدر اندازیاں تقدیر قدرت کی
ہدف پیکان ہیبت کا ہر اک ابرو کماں ہوگا
ہم ایسے دل جلوں کا ذکر کیا، وہ آگ بھڑکے گی
یہ بام نیلگوں بھی صحن محشر کا دھواں ہوگا
محاسب دفتر ہستی کی اک اک مد کو جانچے گا
مری آہ فلک فرسا! ترا بھی اک نشاں ہوگا
عدم کی گھاٹیوں کے بعد دم باقی نہیں مجھ میں
بتا اے سایۂ رحمت مرا بستر کہاں ہوگا

۲۴- ص ۸۱، غیر مطبوعہ غزل:

دل ہے مقتول تیغ آفت کا میں ہوں مارا ہوا محبت کا

اس کے لیے رک: حاشیہ ۲:

۲۵- ص ۸۸-۸۳، غیر مطبوعہ غزل

خود نما حسن ترا برق تجلی ہو کر
سامنے آ گیا ہر آنکھ کا پردا ہو کر

یہ غزل مذکورہ صفحات پر تین مرتبہ لکھی گئی ہے۔ تینوں متون کے آخ

میں بالترتیب مندرجہ ذیل تاریخیں ملتی ہیں :

۱- ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء، دہلی نمبر ۲ بلورڈ روڈ (ص ۸۴)

۲- ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء، بمقام دہلی (ص ۸۶)

۳- دہلی ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء (ص ۸۸)

اس غزل کے لیے رک : حاشیہ ۱

مذکورہ غزل کے بعد ص ۹۰-۸۹ پر نظامی گنجوی کا نو اشعار کا قطعہ ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے :

دوش رفتم بہ خرابات مرا راہ نہ بود
می زدم نعرہ و فریاد کس از من نشود

۲۶- ص ۹۳-۹۴، غزل :

ہوئی صبح شام بلا کٹ گئی ہے
خلش درد دل کی سب گھٹ گئی ہے

دیوان میں اس زمین میں دو شعر ہیں (ص ۲۳۱) - یہ دونوں بیاض میں ہیں - بیاض میں آٹھ شعر غیر مطبوعہ ہیں - ان میں سے دو بیاض : ۲ کے اندراج : ۱۲ کے تحت (شمار : ۲، ۳) لکھے جا چکے ہیں - چھے شعر زیر نظر بیاض کے اندراج : ۱۰ کے تحت موجود ہیں - زیر نظر بیاض میں درج غزل کے دونوں متون میں بعض اختلافات ملتے ہیں - یہاں صرف زیر بحث متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جاتے ہیں - نمبر شمار اندراج : ۱۰ کے مطابق ہیں :

شعر ۲ : یہ شعر زیر بحث متن میں قلم زد کیا گیا ہے -

شعر ۳، مصرع ۱ : دم ذبح عید نظارہ مبارک

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲۳ جون ۱۹۱۳ء لکھی ہے -

۲۷- ص ۹۵-۹۷، غزل :

قیامت تو کی تم نے دوگام چل کر
ہمیں رہ گئے اپنی کروٹ بدل کر

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۰ پر ہے - اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں دس شعر غیر مطبوعہ ہیں اور یہ سب بیاض : ۳ کے اندراج : ۵ کے تحت لکھے جا چکے ہیں - (شمار : ۱ تا ۵، ۷ تا ۱۱) بیاض : ۳ کے مذکورہ اندراج اور زیر نظر متن میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں - یہاں صرف زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جا رہے ہیں - نمبر شمار مذکورہ اندراج کے ہیں :

شعر ۲، مصرع ۱ : گرا منہ کے بل مدعی کھا کے ٹھوکر

پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

پر آشوب منزل ، خطرناک راہیں

شعر ۴ ، مصرع ۱ : منافق کی مکاریاں چاہتی ہیں

پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا : منافق ترے دل کا منشا یہی ہے

اس مصرعے کا ابتدائی متن بیاض : ۳ کے اندراج : ۵ کے مطابق ہے ۔

شعر ۵ ، مصرع ۱ : بہار اپنی ان سانسوں کو دکھائیں

پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

بہار خزاں اپنی دکھلا رہے ہیں

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۴ فروری ۴۰ء درج ہے ۔ یہ غزل بیاض : ۲ ، ۳ و ۵ میں متعدد مقامات پر ملتی ہے ۔ تفصیل کے لیے رک : بیاض : ۲ ، اندراج : ۳۱ ۔

۲۸- ص ۹۹-۱۰۰ ، غزل :

دل کا آ جانا تماشا ہوگیا میں بھری محفل میں رسوا ہوگیا

سات شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۸ پر ہے ۔ اس کے چھے شعر بیاض میں ہیں ۔ دیوان کا مطلع بیاض میں نہیں ۔ بیاض میں پانچ شعر غیر مطبوعہ ہیں ۔ یہ بیاض : ۳ کے اندراج : ۵۱ کے تحت لکھے جا چکے ہیں ۔ (شمار : ۱ ، ۲ ، ۵ تا ۷) مذکورہ اندراج اور زیر نظر متن میں بعض اختلافات ملتے ہیں ۔ یہاں زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جا رہے ہیں ۔ نمبر شمار مذکورہ اندراج : ۵۱ کے مطابق ہیں ۔

شعر ۱ ، مصرع ۱ : یہ اوپر درج کیا جا چکا ہے ۔

شعر ۵ ، مصرع ۱ : دید کے قابل ہے یہ کایا پلٹ

شعر ۶ ، مصرع ۱ : وہ فسوں ساز اور دل کا لین دین

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۱۳ جولائی ۱۸۹۴ء ہے ۔ بیاض میں ۱۳ جولائی ہے ۔ یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۵۱ و ۶۱) اور زیر نظر بیاض میں ایک اور مقام (اندراج : ۶۱) پر بھی ملتی ہے ۔

۲۹- ص ۱۰۱-۱۰۲ ، غیر مطبوعہ غزل :

خدا کو وہی خوب پہچانتا ہے جو اپنی حقیقت کو خود جانتا ہے

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۱۵ دسمبر ۹۴ء لکھی ہے ۔ اس کے لیے رک : حاشیہ ۵ ۔

۳۰- ص ۱۰۳-۱۰۵ ، غیر مطبوعہ غزل :

جبیں ہے سجدہ گزار آن کے آستانے کی
رہین عشق ہوں عادت ہے سر جھکانے کی

غزل کے آخر میں مقام و تاریخ تصنیف "علی گڑھ ۶ فروری ۴۰ء" درج ہے۔ اس کے لیے رک: حاشیہ ۳۔

۳۱- ص ۱۰۶، غیر مطبوعہ غزل:

دل ہے مقتول تیغ آفت کا میں ہوں مارا ہوا محبت کا

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۷ فروری ۴۰ء لکھی ہے۔ اس کے لیے رک: حاشیہ ۲۔

۳۲- ص ۹-۱۰۷، غیر مطبوعہ غزل:

حسن ہے باعث حجاب ترا ورنہ چہرہ ہے بے نقاب ترا

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲۳ فروری ۴۰ء لکھی ہے۔ اس کے لیے رک: حاشیہ ۱۰۔

۳۳- ص ۱۳-۱۱۱، غیر مطبوعہ غزل:

فرو کرنا ہے مشکل اس خزاں آثار طوفاں کو
پریشاں کر دیا ہے جس نے ارباب گلستاں کو

غزل کے آخر میں تاریخ تصنیف ۲۴ فروری ۴۰ء لکھی ہے۔ اس کے لیے رک: حاشیہ ۴۔

۳۴- ص ۱۶-۱۱۵، غیر مطبوعہ غزل:

نے اڑا جذبۂ دل حوصلہ افزا ہو کر
عرش پرواز ہوا میں ترا شیدا ہو کر

غزل کے آخر میں مقام و تاریخ تصنیف «مقام دہلی ۱۷ ماہ مارچ ۴۰ء» درج ہے۔

۳۵- ص ۱۸-۱۱۷، غزل:

دل کو محو لذت آزار رہنے دیجیے
خوش رہے جس حال میں بیمار رہنے دیجیے

سولہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۴-۱۴۳ پر ہے۔ بیاض میں سات شعر ہیں، اور یہ سب دیوان میں ہیں (شمار: ۱، ۲، ۵، ۷، ۹ تا ۱۱)۔ دیوان کے ساتویں شعر کا پہلا مصرع:

یادگار عشق ہے یہ صحبت تیغ و گلو

بیاض میں اس صورت میں ہے:

پھر کہاں ہم اور کہاں یہ صورت راز و نیاز

بیاض میں مذکورہ مصرع قلم زد کر دیا گیا ہے۔

۳۶- ص ۲۰-۱۱۹، غزل:

ملتا ہو کوئی ٹکڑا اس چرخ زبرجد میں
پیوند لگا دیتا میں نفس مجرد میں

سات شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۱۱ پر ہے ۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں ۔ یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۱۳) بیاض : ۳ (اندراج : ۱۴) اور بیاض : ۴ (اندراج : ۲۰) میں بھی ہے ۔

۳۷- ص ۲۲-۱۲۱ ، غزل :

گدا ہوں اور طرب کا خیال ہوتا ہے
پر آب دیدۂ جام سفال ہوتا ہے

بائیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۸-۱۶۶ پر ہے ۔ بیاض میں گیارہ شعر ہیں ۔ ان میں سے دس دیوان میں ہیں (شمار : ۱ ، ۳ ، ۵ ، ۸ ، ۹ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۹ تا ۲۱) ۔ بیاض میں ایک شعر غیر مطبوعہ ہے ۔ یہ بیاض : ۲ کے اندراج : ۳ کے تحت (شمار : ۴) لکھا جا چکا ہے ۔

۳۸- ص ۲۴-۱۲۳ ، غزل :

دل کے قصے کہاں نہیں ہوتے ہاں وہ سب سے بیاں نہیں ہوتے

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۲۷ پر ہے ۔ اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں ۔ بیاض میں سات شعر غیر مطبوعہ ہیں ۔ ان میں سے چھے بیاض : ۳ کے اندراج : ۷ کے تحت لکھے جا چکے ہیں ۔ ساتواں شعر یہ ہے :

غم و آلام ہجر کے شاکی عشق کے راز داں نہیں ہوتے

اس شعر کے مصرع اول کی مندرجہ ذیل مسترد صورتیں بھی ملتی ہیں :

۱- حسن ظاہر کے دیکھنے والے
۲- حسن ظاہر کے عاشق و شیدا
۳- حسن ظاہر کے پوجنے والے
۴- شکوہ سنج مصائب دنیا
۵- شکوہ سنج مصائب ہستی
۶- شکوہ سنج مصائب و آلام
۷- شکوہ سنج مصائب شب غم

بیاض : ۳ کے مذکورہ اندراج اور زیر نظر متن میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں ۔ ذیل میں زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جا رہے ہیں ۔ نمبر شمار بیاض : ۳ کے مذکورہ اندراج کے مطابق ہیں ۔

شعر ۱ : یہ زیر نظر متن میں قلم زد کر دیا گیا ہے ۔

شعر ۵ ، مصرع ۱ : میرے حال نزار پر ثاقب

دیوان کے تیسرے شعر کا مصرع اول :

سب ہے خوش دل ہے ایک میرے سوا

بیاض میں اس صورت میں ہے :

ایک میرے سوا سبھی خوش ہیں

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۲ فروری ۱۹۳۱ء لکھی ہے لیکن بیاض میں ۳ اپریل ۱۹۰۰ء ہے۔

۳۹۔ ص ۲۶-۱۲۵ ، غزل :

میں ہوں وہ جس کا زمانے نے سبق یاد کیا

غم نے شاگرد کیا پھر مجھے استاد کیا

بائیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۱-۵۹ پر ہے - بیاض میں بارہ شعر ہیں ، اور یہ سب دیوان میں موجود ہیں (شمار : ۱ تا ۳ ، ۵ تا ۸ ، ۱۲ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۲۰ ، ۲۱) -

۴۰۔ ص ۲۸-۱۲۷ ، غزل :

لہرائے دل کی طرح گلستاں کبھی کبھی

میری طرح ہو ابر ہو گریاں کبھی کبھی

تیرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۲-۲۱ پر ہے - بیاض میں بارہ شعر ہیں ، اور یہ سب دیوان میں ہیں - دیوان کا چوتھا شعر بیاض میں نہیں -

۴۱۔ ص ۳۰-۱۲۹ ، غزل :

غنچہ و گل ہیں یہ دو مہمان ہنستے بولتے

دیکھتے ہیں ہم خدا کی شان ہنستے بولتے

تیرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۹-۲۱۸ پر ہے - بیاض میں گیارہ شعر ہیں ، اور یہ سب دیوان میں ہیں - دیوان کا تیسرا اور دسواں شعر بیاض میں نہیں - یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۱۷) میں بھی ہے -

۴۲۔ ص ۳۲-۱۳۱ ، غزل :

اپنے ہی دل کی آگ میں آخر پگھل گئی

شمع حیات موت کے سانچے میں ڈھل گئی

اکیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۵-۱۶۳ پر ہے - بیاض میں نو شعر ہیں - ان میں سے آٹھ دیوان میں ہیں (شمار : ۱ ، ۶ ، ۱۰ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۱۹ ، ۲۱) - ذیل کا شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہے :

بسمل ہوا میں سن کے ہم آواز کی فغاں

درد آشنا تھا غم کی چھری دل پہ چل گئی

دیوان کے مقطع کا مصرع اول یہ ہے :

ثاقب وہی ہے سلک گہر ہائے شب چراغ

بیاض میں : «شب چراغ» کی جگہ «آبدار» ہے - یہ غزل بیاض : ۴ (اندراج : ۳۳) میں بھی ہے -

۴۳- ص ۱۳۳-۳۵ - غزل :

آئینۂ عبرت ہے مرا دل بھی جگر بھی
اک درد کی تصویر ادھر بھی ہے اُدھر بھی

دیوان میں اس زمین میں دو غزلیں ہیں (ص ۴۹-۱۴۷) جن کے شعروں کی مجموعی تعداد ۳۳ ہے - بیاض میں پندرہ شعر ہیں - یہ سب دیوان میں ہیں اور دونوں غزلوں میں منقسم ہیں - (غزل اول ، شمار ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۸ ، ۱۰ ، ۱۳ تا ۱۷ - غزل دوم ، شمار : ۱ ، ۲ ، ٦ ، ۸) - دیوان کی پہلی غزل کے دسویں شعر کا مصرع اول یہ ہے :

لٹ کر بھی وہی بھیڑ ہے پہلو میں غموں کی

بیاض میں «لٹ کر» کی جگہ «مٹ کر» ہے - یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۲۳) اور بیاض : ۴ (اندراج : ۳۹) میں بھی ہے -

۴۴- ص ۳۸-۱۳۷ - غزل :

مجھ کو یقین وعدۂ فردا ضرور تھا
مشکل یہ آ پڑی تھی کہ دل ناصبور تھا

اکیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۳-۲ و ۱۷ پر ہے - بیاض میں دس شعر ہیں ، اور یہ سب دیوان میں ہیں - (شمار : ۲ ، ۴ تا ٦ ، ۸ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۷ تا ۱۹) - یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۱۹) اور بیاض : ۴ (اندراج : ۱) میں بھی ہے -

۴۵- ص ۴۱-۱۳۹ - غیر مطبوعہ غزل :

جلوۂ حسن ترا برق تجلی ہو کر
سامنے آ گیا ہر آنکھ کا پردا ہو کر

غزل کے آخر میں «مشاعرۂ دہلی ۱۷ مارچ ۴۴ء» درج ہے - اس کے لیے رک : حاشیہ ۱ -

۴٦- ص ۴۴-۱۴۳ - غزل :

دم گھٹ رہا ہے آپ سے آپ آشیانے میں
اچھی نہیں چمن کی ہوا اس زمانے میں

بیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۰-۱۰۹ پر ہے - بیاض میں گیارہ شعر ہیں جو سب دیوان میں ہیں - (شمار : ۲ ، ۴ ، ۵ ، ۷ ، ۱۰ تا ۱۲ ، ۱۵ ، ۱٦ ، ۱۸ ، ۲۰) -

اختلافات :

شعر ۱۱ ، مصرع ۱ ، دیوان :

حب میں نہیں تو باغ میں آس کا مقام کیوں

بیاض ۱ : . . . . آس کا وجود کیوں

شعر ۱۵ ، مصرع ۱ ، دیوان :

کیا پڑھ رہے ہیں دور سے اصحاب اعتبار

بیاض : . . . . . دور سے ارباب اعتبار

۴۷- ص ۱۴۵-۴۶ - غیر مطبوعہ قطعۂ تاریخ (فارسی) :

«قطعہ تاریخ رحلت کنیز فاطمہ صبیہ خان بہادر سید احمد علی صاحب»

یہ قطعہ قلم زد کر دیا گیا ہے - اس کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ۴۵ -

۴۸- ص ۴۶ - دو غیر مطبوعہ شعر (قطعہ) :

یہ شعر قلم زد کر دیے گئے ہیں - ان کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ۵٦ -

۴۹- ص ۴۸-۱۴۷ - غیر مطبوعہ قطعۂ تاریخ - بعنوان نوحۂ غم بزبان پدر :
یہ قطعہ قلم زد کر دیا گیا ہے - اس کے مندرجہ ذیل عنوانات بھی لکھے گئے ہیں :

۱- نالۂ دل نشین بزبان پدر اندوہ گین

۲- نالۂ جاں گسل بزبان پدر شکستہ دل

اس قطعے کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ٥٦ -

اس قطعے کے آخر میں ذیل کا عنوان اور مصرعے لکھے ہیں :

عنوان نظم

باپ کا نالۂ جاں کاہ غم دختر میں

چاہنے والوں کے دل ہیں متلاشی دن رات

تم کئی دن سے ہو ماں باپ کی آنکھوں سے نہاں

———

مقیم گلشن جنت کنیز زہرا ہے

۱۵ ۳۰۰ ۸۵۳ ۱۹۰

۱۳۵۸

۳

———

۱۳٦۱

سوائے آخری مصرع تاریخ کے باقی تمام مصرعے قلم زد کیے گئے ہیں -

۵۰- ص ۱۴۹ - غیر مطبوعہ «قطعۂ تاریخ رحلت کنیز فاطمہ» :
«باپ کا نالۂ جاں کاہ غم دختر میں»
اس کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ۵۶ - یہاں قطعہ قلم زد کر دیا گیا ہے -

۵۱- ص ۱۰۵ - غیر مطبوعہ قطعۂ تاریخ وفات کنیز فاطمہ :
اس کے لیے : زیر نظر بیاض کا اندراج ۵۷ - یہاں یہ قطعہ قلم زد کر دیا گیا ہے -

۵۲- ص ۱۵۰ - غیر مطبوعہ قطعۂ تاریخ وفات کنیز فاطمہ :
اس کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ۵۸ - یہاں یہ قطعہ قلم زد کر دیا گیا ہے -

۵۳- ص ۵۲-۱۵۱ - غیر مطبوعہ قطعہ «واردات نفس» :
«نوحہ بزبان پدر» (قلم زد) «ترجمہ از انگریزی» - یہ قطعہ قلم زد کر دیا گیا ہے - اس کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ۵۶ -

۵۴- ص ۱۵۳ - غیر مطبوعہ «قطعۂ تاریخ رحلت کنیز فاطمہ صبیہ خان بہادر سید احمد علی صاحب» :

خون گشت قلب ہائے اعزہ و اقربا	یا رب ز چرخ این چہ بلائے بد اوفتاد
دو شنبہ بود و یازدہم از دوم ربیع	صد حشر در بغل کہ بہنگام بامداد
گردید رہ نورد سوئے مرکز صلاح	این پیکر سعادت ازین عالم فساد
نور نگاہ سید احمد علی کہ خاست	درماتمش فغان ز لب و دود از نہاد
خوش خو کنیز فاطمہ حورائے باغ خلد	کو بہرہ‌ور ز قربت زہرا مدام باد
تا دیدہ نوبہار گلستان عمر و بخت	ناشاد ماندہ از سوئے دنیا و نامراد
تاریخ رحلتش بتقاضائے درد و غم	ثاقب‌نوشت:دخت جوان مرگ پاک‌زاد

۱۲۵۹ ہجری

یہ قطعہ زیر نظر بیاض کے اندراج : ۴۷ کے تحت بھی ہے - وہاں مطلع کا مصرع اول اس صورت میں ہے :

از جور چرخ این چہ بلا یا رب افتاد

۵۵- ص ۱۵۴ - غیر مطبوعہ «قطعۂ دیگر ترجمۂ نظم انگریزی» :
چار شعر لکھ کر قلم زد کیے گئے ہیں - اس کے لیے رک : زیر نظر بیاض کا اندراج ۵۶ -

۵۶- ص ۵۶-۱۵۵ - غیر مطبوعہ «قطعۂ تاریخ دیگر ترجمۂ نظم انگریزی» -

دن تو نکلا ہے مگر مہر سعادت ہے نہاں
شب غم! چاند مرے گھر کا ہے روپوش کہاں
نور آنکھوں کا گیا ہو گئی دنیا اندھیر
قرۃ العین! بتا اپنی تجلی کا نشاں

شرح الصدر

نالہ کش سوگ نشینوں کے ہیں دل ہائے تپاں
تم کئی دن سے ہو ماں باپ کی آنکھوں سے نہاں
کیا نظر آئے کہ عالم ہے نگاہوں میں سیاہ
دم گھڑی بھر نہیں لیتا دل سوزاں کا دھواں

تم نہیں ہو تو ہورے گھر میں ہے سناٹا سا
تم نہیں ہو تو ہے وحشت کدہ گلزار جہاں
ہر نفس دل کا ہے اُبھو کاوش غم
ہوئے خوں دیدۂ مادر سے ہے دن رات رواں

مدرسے سے جو پلٹنے کا ہے ہر لحظہ خیال
جانب در ہی لگی رہتی ہے چشم نگراں
پھیر لی ہم سے نظر فاطمہ کی ہو کے کنیز
لے گئی الفت زہرا طرف باغ جناں

نقش پا بھی نہیں اس راہ میں آتے ہیں نظر
مرحلہ سخت ہے میں کھوج لگاؤں تو کہاں
بیسویں ماہ مئی کی تھی دو شنبے کی سحر
وہ الم ناک کہ ہر آنکھ تھی خونناہ فشاں

خاک بر سر تھے سبھی گھر کے بڑے اور چھوٹے
کس کا دل تھا جو نہ تھا مائل فریاد و فغاں
[مصرع اول میں سہوا «خاک بسر» لکھا ہے]

پھونکے دیتی تھی کلیجوں کو غم ہجر کی آگ
تفتہ دل مادر ناشاد، پدر سوختہ جاں
ہو سکے تم سے تو اتنی مری خاطر کر دو
نور چشم! اپنی تجلی کا بتا جاؤ نشاں
۱۹۳۰ عیسوی

زیر نظر بیاض میں یہ قطعہ، جزوی یا کلی طور پر، دیگر مقامات پر بھی،
بہ تفصیل ذیل ملتا ہے:

(الف) اندراج : ۴۸ - قطعے کے دو ابتدائی شعر ہیں - پہلے شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

شب دیجور ! مرا چاند ہے روپوش کہاں

(ب) اندراج : ۴۹ - اشعار ۳ و ۸ تا ۱۳ پر مشتمل ہے - اس میں شعر ۳ کا مصرع اول اس صورت میں ہے :

چاہنے والوں کے دل اور جگر ہیں بے چین

پہلے «بے چین» کی جگہ «بے تاب» تھا -

دسویں شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

وہ قیامت تھی کہ ہر آنکھ تھی خونناب فشاں

(ج) اندراج : ۵۰ - اس متن میں پانچ شعر ہیں (شمار : ۳ تا ۷) - پانچویں شعر کا مصرع ثانی پہلے اس صورت میں تھا :

تم نہیں ہو تو گلستان جہاں ہے ویران

چھٹے شعر کا پہلا مصرع اس صورت میں ہے :

غم فرقت نے لہو کر دیا دل اور جگر

(د) اندراج : ۵۲ - اس متن میں وہ تمام اشعار ہیں جو اندراج : ۵۶ کے تحت لکھے گئے ہیں - چوتھے شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

کیا نظر آئے کہ آنکھوں میں ہے دنیا اندھیر

اسی شعر کا مصرع ثانی اس صورت میں ہے :

سانس دم بھر نہیں لیتا دل سوزاں کا دھواں

شعر ۶ کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

غم فرقت نے لہو کر دیے دل اور جگر

یہ مصرع اب اس صورت میں ہے :

ہر گھڑی دل کا بہاتی ہے لہو کاوش غم

(ہ) اندراج : ۵۵ - اس متن میں قطعے کے ابتدائی چار شعر ہیں - چوتھا شعر اس صورت میں ہے :

کیا نظر آئے کہ آنکھوں میں ہے دنیا اندھیر
سانس دم بھر نہیں لیتا دل سوزاں کا دھواں

۵۷- ص ۱۵۷ - غیر مطبوعہ قطعہ' تاریخ وفات کنیز فاطمہ :

قیامت ہے یہ نو عمری میں بے دیکھے ہوئے دنیا
کنیز فاطمہ کا یک بیک دنیا سے اٹھ جانا
وہ تھی نور نگاہ سید احمد علی صاحب
کہ عالم اب نگاہوں میں ہے جن کی اک سیہ خانا
نہ سمجھے تھے کہ یوں موت اس کی دم بھر میں سکھائے گی
لہو کے گھونٹ پینا عمر بھر، دن رات غم کھانا
سن ماتم نزا لکھتا ہے حسب حال یوں ثاقب
ہے سچ۔ اٹھی جوانی میں بلا پھولوں کا کملانا

۱۳۵۹ ہجری

یہ قطعہ زیر نظر بیاض کے اندراج : ۵۱ کے تحت بھی ہے۔ وہاں شعر ۳ کے مصرع اول میں «دم بھر» کو قلم زد کر کے «اک دم» لکھا ہے۔

۵۸- ص ۱۵۷ - غیر مطبوعہ قطعہ تاریخ کنیز فاطمہ :

مرگ کنیز فاطمہ سے سب ہیں اشک ریز
نا محرم بعید ہو یا محرم قریب
اس کم سنی میں عصمت و عفت کے ماسوا
ہر علم و فن میں دسترس اس کو تھی کچھ عجیب
ثاقب ہے سال حسرت و ماتم دعائیہ
ہو عیش ساز گار اوسے فردوس میں نصیب

۱۳۵۹ ہجری

یہ قطعہ زیر نظر بیاض کے اندراج : ۵۲ کے تحت بھی ہے۔

۵۹- ص ۱۵۸ - غیر مطبوعہ «خمسہ تاریخ رحلت مولوی سید احمد حسین مرحوم» : یہ خمسہ بیاض : ۱ کے اندراج : ۲۲ کے تحت لکھا جا چکا ہے۔ یہ بیاض : ۳ (اندراج : ۴۲) میں بھی ہے۔

حواشی

حاشیہ : ۱

یہ غزل بیاض : ۱ میں ایک مرتبہ، بیاض : ۳ و ۵ میں پانچ پانچ مرتبہ یعنی کل گیارہ مرتبہ درج کی گئی ہے۔ تفصیل یہ ہے :

۱- بیاض : ۱	ص ۸-۷
۲- بیاض : ۳	ص ۱۲-۱۱

۳- بیاض : ۳	ص ۲-۱۰۰
۴- بیاض : ۳	ص ۶-۱۰۴
۵- بیاض : ۳	ص ۴۴-۹۴۳
۶- بیاض : ۳	ص ۱۴۸
۷- بیاض : ۵	ص ۸۴-۸۳
۸- بیاض : ۵	ص ۸۶-۸۵
۹- بیاض : ۵	ص ۸۸-۸۷
۱۰- بیاض : ۵	ص ۱۶-۱۱۵
۱۱- بیاض : ۵	ص ۴۱-۱۳۹

مذکورہ متون میں سے شمار : ۳ ، ۴ ، ۵ ، تا ۱۰ کو مصنف نے قلم زد کر دیا ہے - متن : ۱۱ میں سب سے زیادہ اشعار ہیں ، اس لیے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے :

۱- جلوۂ حسن ترا برق تجلی ہو کر
سامنے آ گیا ہر آنکھ کا پردہ ہو کر

۲- لے اڑا جذبۂ دل حوصلہ افزا ہو کر
عرش پرواز ہوا میں ترا شیدا ہو کر

۳- زندگی ایک بلا تھی جو پڑی میرے گلے
آپ کی زلف گرہ گیر کا پھندا ہو کر

[پہلے «بلا ہے» لکھا تھا ، بعد میں «ہے» کو قلم زد کر کے «تھا» لکھا گیا] -

۴- اپنی ہی نفس پرستی کا نتیجہ ہے کہ دل
خانہ برباد ہوا حسن کی دنیا ہو کر

[مصرع ثانی پہلے اس صورت میں تھا : خرابات نشان حسن - - - - -

۵- لے جگرکاویوں سے کام کہ ہر سخت مہم
سہل ہوتی ہے مگر خون تمنا ہو کر

۶- کھینچ لائی تری رحمت کی طرف آخر کار
بے دلی راہ خطرناک میں پیدا ہو کر

[پہلے یہ شعر اس صورت میں تھا :

تیری قدرت کی طرف کھینچ رہی ہے دل کو
بے بسی راہ خطرناک میں پیدا ہو کر

پہلے «قدرت» کو قلم زد کر کے «مرضی» لکھا گیا ، اور پھر «چوکھٹ» - مصرعے کی صورت یہ ہوگی : تیری چوکھٹ کی طرف کھینچ ہی لائی دل کو -

۷۔ رسم الفت ہوئی مفقود کہ احباب قدیم
اجنبی بن گئے برسوں کے شناسا ہو کر

۸۔ راز سربستہ قدرت ہے خرابی دل کی
یہ نہ پوچھو کہ برا کیوں ہوا ، اچھا ہو کر

۹۔ اپنی شہرت سے غرض تھی نہ کہ نیک و بد سے
نام جھنڈے تو چڑھا عشق میں رسوا ہو کر

۱۰۔ حسن خوباں کے کرشمے وہ بلا تھے کہ نہ پوچھ
خود تماشا ہوئے ہم محو تماشا ہو کر

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :
کھیل قدرت کے تو ادراک سے باہر تھے مگر
اس کے بعد اس طرح تبدیل کیا گیا :
حسن خوباں کے کرشمے تھے عجب حیرت خیز
اس میں بھی ترمیم کر کے وہ مصرع لکھا گیا جو اوپر شعر میں درج ہوا ہے] ۔

۱۱۔ ہر طرف ڈیرے ہیں دیوانگی و وحشت کے
دل کا گھر آج بھی سونا نہیں صحرا ہو کر

۱۲۔ دیکھیے شان وہاں سیل سر شک غم کی
جن مقامات سے گزرا ہے یہ دریا ہو کر

[مصرع اول میں دو مرتبہ تبدیلی کر کے اسے قلم زد کیا گیا ہے ۔ دونوں قلم زد صورتیں یہ ہیں :
۱۔ دبدبے دیکھیے سیلاب سرشک غم کے
۲۔ دیکھ غارتگریاں سیل سرشک غم کی
ایک مرتبہ پورے شعر میں ترمیم کی گئی ہے اور پھر اسے قلم زد کر دیا گیا ہے :
دیکھ ان راہوں میں سیلاب غم دل کا اثر
جن گزر گاہوں سے نکلا ہے یہ دریا ہو کر]

۱۳۔ ہو نہ ہو یہ تو کوئی پھانس چھبی ہے ہمدم
دل میں رہ جاتا ہے اک درد سا پیدا ہو کر
[یہ شعر قلم زد کیا گیا ہے]

۱۴۔ کروٹیں دہر لیا کرتا ہے دیکھیں ثاقب
کیا سے کیا ہو یہ جہاں اور رہے کیا ہو کر

متن : ۱

اس متن میں نو شعر ہیں ۔ متن : ۱۱ کے اشعار ۲ ، ۶ ، ۸ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۳ ، س متن میں نہیں ہیں ۔ ذیل کا شعر متن : ۱۱ سے زائد ہے :

نازش عشق بجا ہے کہ رہا آخر کار
حسن کا مصر کے بازار میں سودا ہو کر

متن : ۱۱ ، اور زیر نظر متن میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۴ ، متن ۱ میں اس صورت میں ہے :

چھوڑ بد راہ روی کو کہ خرابہ نہ بنے
دل سا پاکیزہ مکاں حسن کی دنیا ہو کر

شعر ۵ کا مصرع اول متن ۱ میں یوں ہے :

وجہ تحریک جنوں ہوگیا نظارۂ حسن

شعر ۱۲ متن ۱ میں اس صورت میں ہے :

وادیاں‌غم کی ہیں شاداب مرے اشکوں سے
انھیں راہوں سے گزرتا ہے یہ دریا ہو کر

متن : ۲

اس متن میں ۱۳ شعر ہیں ۔ متن : ۱۱ کا شعر : ۱۳ ، اس میں نہیں ہے ۔ متن : ۱۱ اور اس متن میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں ۔ ذیل میں زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے لکھے جا رہے ہیں :

شعر ۲ ، مصرع ۱ : لے اڑا جذب دلی حوصلہ افزا ہو کر
شعر ۳ ، مصرع ۱ : زندگی طرفہ بلا تھی جو پڑی میرے گلے

شعر ۳ پہلے اسی طرح لکھا تھا جس طرح متن : ۱۱ میں ملتا ہے ۔ اولاً اس کے مصرع دوم میں «خانہ برباد» کی جگہ «وحشت آثار» کے الفاظ لکھے گئے ۔ پھر پورا شعر قلم زد کر کے اس طرح لکھا گیا :

دل کی اس خانہ خرابی پہ تاسف ہے کہ وہ
تیرہ فرجام ہوا حسن کی دنیا ہو کر

اس شعر کو بھی قلم زد کیا گیا ، اور پھر یہ شعر لکھا گیا :

جائے افسوس سیہہ کاری دل پر ہے کہ وہ
کس خرابی میں پڑا حسن کی دنیا ہو کر

اسے بھی قلم زد کیا گیا ہے ۔ شعر کی آخری صورت یہ ہے :

کج روی پر دل ناداں کی تاسف ہے کہ وہ
خانہ برباد ہوا حسن کی دنیا ہو کر

شعر ۲ ، زیر نظر متن میں اس صورت میں ہے :

کھینچتی ہے تری رحمت کی طرف منکر کو

بے بسی راہ صعوبات میں پیدا ہو کر

شعر ۱۰ ، مصرع ۱ پہلے اس صورت میں تھا :

چشم خوباں کے کرشمے وہ بلا تھے کہ نہ پوچھ

ترمیم کے بعد اس کی یہ صورت ہوئی :

چشم خوباں کے کرشمے تھے عجب آفت دہر

شعر ۱۱ پہلے اس صورت میں تھا :

دیکھیے شان وہاں موج سرشک غم کی

جن گزر گاہوں سے نکلا ہے یہ دریا ہو کر

پھر اسے قلم زد کر کے یوں لکھا گیا :

فیض دیکھو مرے اشکوں کی روانی کا وہاں

جن مقامات سے گزرا ہے یہ دریا ہو کر

متن : ۴

اس متن کو مصنف نے قلم رد کر دیا ہے ۔ اس میں ۳ ، شعر ہیں ۔ متن : ۱۱ کے دو شعر (شمار : ۲ و ۱۳) اس میں نہیں ۔ ایک شعر متن : ۱۱ سے زائد ہے ۔ یہی متن : ۱ میں بھی زائد تھا اور اوپر درج ہو چکا ہے ۔

متن : ۱۱ اور زیر نظر متن میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۳ ، مصرع ۱ : زندگی ایک بلا ہے جو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شعر ۴ پہلے اس صورت میں تھا : وائے تقدیر کہ بن جائے خرابے کی مثال

دل سا پاکیزہ مکاں حسن کی دنیا ہو کر

اس میں «تقدیر» کو قلم زد کر کے «ہر حال» لکھا ہے ، اور پھر پورا شعر قلم زد کر کے اس طرح لکھا ہے :

عشق کی خانہ براندازیاں دیکھو کہ یہ دل

وحشت آباد ہوا حسن کی دنیا ہو کر

شعر ۶ پہلے اس صورت میں تھا : کھینچ لائی طرف حادۂ حق منکر کو

بے بسی منزل دشوار میں پیدا ہو کر

بعد میں «منزل دشوار» کو قلم زد کر کے «راہ خطرناک» لکھا گیا ۔

شعر ۸ پہلے متن : ۱۱ کے مطابق تھا ۔ پھر اس میں ترمیم کر کے اس طرح لکھا گیا :

لائق عرض نہیں خانہ خرابی دل کی

کیا کہا جائے برا کیوں ہوا اچھا ہو کر

شعر ۱ ، مصرع ۱ : چشم خوباں کے کرشمے تھے عجب آفت جاں
شعر ۱۱ پہلے متن : ۱۱ کے مطابق تھا ، پھر اسے قلم زد کر کے اس صورت میں لکھا گیا :

دیکھ نیرنگ محبت کہ دل وارفتہ
قلزم خون نظر آنے لگا صحرا ہو کر

شعر ۱۲ پہلے اس صورت میں تھا :

وادیاں غم کی ہیں شاداب مرے اشکوں سے
انھیں رستوں سے گزرتا ہے یہ صحرا ہو کر

پھر «شاداب» کو قلم زد کر کے «مخدوش» لکھا گیا - اسے بھی قلم زد کر کے بالترتیب «پرہول» اور «سرسبز» کے الفاظ لکھے گئے - بعد ازاں پورا شعر قلم زد کر کے اس طرح لکھا گیا :

دیدۂ تر کی اک ادنیٰ سی حقیقت تھی مگر
عمر بھر عشق میں بہتا رہا دریا ہو کر

اس میں بھی «عمر بھر» کو قلم زد کر کے «مدتوں» لکھا گیا -

متن : ۴

یہ متن بھی قلم زد کیا گیا ہے - اس میں ابتداء ۱۳ شعر تھے - بعد میں دو اور اضافہ کیے گئے - دریا اور صحرا کے قافیوں میں اصلاحی صورتوں کو بھی مستقل شعر بنا کر غزل میں شامل کیا گیا - ان میں سے ایک اوپر متن : ۳ کے آخر میں موجود ہے (زیر نظر متن میں «عمر بھر» کی جگہ «مدتوں» ہے) - دوسرا شعر یہ ہے :

کاوشوں سے غم وہم کی دل از خود رفتہ
قلزم خوں نظر آنے لگا صحرا ہو کر

متن : ۱ کا زاید شعر زیر نظر متن میں بھی ہے - متن : ۱۱ کے دو شعر (شمار : ۸ و ۱۳) اس متن میں نہیں ہیں - متن : ۱۱ اور زیر نظر متن میں مندرجہ اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۳ ، مصرع ۱ : زندگی طرفہ بلا تھی - - - -
شعر ۴ : اس میں وہی اصلاحیں ملتی ہیں جن کا ذکر متن : ۳ کے تحت کیا جا چکا ہے -

شعر ۶ : اس شعر کی جو آخری صورت متن : ۳ میں ملتی ہے ، وہی زیر نظر متن میں ہے -

شعر ۱۰ ، مصرع ۱ ، پہلے اس صورت میں تھا :

چشم خوباں کے کرشمے تھے عجب آفت جاں

«عجب آفت جاں» کی جگہ «کچھ ایسے دل کش» کے الفاظ لکھے گئے ۔ بعد ازاں «دل کش» کو قلم زد کرکے «دل دوز» لکھا گیا ۔

شعر ۱۲ ، مصرع ۱ ، پہلے یوں لکھا تھا :

وادیاں غم کی ہیں پر ہول مرے اشکوں سے

«پر ہول» کو قلم زد کرکے «شاداب» لکھا گیا ۔

متن : ۵

اس متن میں بارہ شعر ہیں ۔ متن : ۱۱ کے چار شعر (شمار : ۲ ، ۸ ، ۱۱ ، ۱۳) اس میں نہیں ہیں ۔ ۱۱ کی جگہ اسی قافیے میں دوسرا شعر یہ لکھا ہے :

دیکھ نیرنگ محبت کہ دل عاشق زار

قلزم خون نظر آنے لگا صحرا ہو کر

متن ۱ کا زائد شعر اس متن میں بھی ہے ۔ متن : ۱۱ ، اور زیر نظر متن میں مندرجہ ذیل اختلافات ہیں :

شعر ۲ ، مصرع ۲ ، پہلے اس طرح لکھا تھا :

ہو گیا عرش نشیں میں ترا شیدا ہو کر

ترمیم کے بعد اس کی یہ صورت ہو گئی :

میں بھی ہوں عرش نشیں آپ کا شیدا ہو کر

شعر ۴ : چھوڑ مت راہ روی کو کہ خراماں ہے

دل سا پاکیزہ مکاں حسن کی دنیا ہو کر

شعر ۵ ، مصرع ۱ : کام لے صبر و تحمل سے کہ ہر سخت مہم

شعر ۱ ، مصرع ۱ : مطابق متن : ۱ ۔

شعر ۱۲ : متن : ۳ کی ابتدائی صورت کے مطابق ہے ۔

متن : ۶

یہ متن ، متن : ۲ کے مطابق ہے ۔ اشعار کی تعداد بھی یکساں ہے ۔

متن : ۷

یہ متن مصنف نے قلم زد کر دیا ہے ۔ اس میں صرف یک شعر (شمار : ۷) متن : ۱۱ کے مطابق ہے ۔ باقی تمام شعروں میں کوئی نہ کوئی ترمیم کی گئی ہے ، یہاں تک کہ بعض شعروں کی اصل صورت ہی بدل گئی ہے ۔ متن : ۱۱ کے مطابق مذکورہ شعر چھوڑ کر ، باقی تمام شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :

خود نما حسن ترا برق تجلی ہو کر
سامنے آ گیا ہر آنکھ کا پردا ہو کر

لے اڑا جذبۂ دل حوصلہ افزا ہو کر
آ ملا تجھ سے ترا عاشق شیدا ہو کر

ڈوب جا دل کے لہو میں جو بگڑتی ہو بات
کام بنے ہیں جگر خون تمنا ہو کر

عشق کی خانہ بر اندازیاں دیکھو کہ یہ دل
وحشت آباد ہوا حسن کی دنیا ہو کر

زندگی کیا ہے، بلا ہے جو پڑی میرے گلے
آپ کی زلف گرہ گیر کا پھندا ہو کر

[بعد میں «کیا ہے» کو قلم زد کر کے «ایک» لکھا ہے]

شوخیاں حسن کے جلووں میں قیامت کی تھیں
خود تماشا ہوئے ہم محو تماشا ہو کر

راز سربستۂ ہستی کو خدا ہی جانے
کیا ہے کیا ہو یہ جہان اور رہے کیا ہو کر

دل کی گمراہیاں آفت ہیں کہوں کیا ناقب
بخت واژوں سے برا ہو گیا اچھا ہو کر

متن : ۸

یہ متن مصنف نے قلم زد کر دیا ہے۔ اس میں گیارہ شعر ہیں جن میں سے چھے متن : ۱۱ کے اشعار ۲، ۳، ۵، ۷، ۸، ۱۳، ۱۴ کے مطابق ہیں۔ صرف اتنا فرق ملتا ہے کہ تیسرے شعر کے پہلے مصرعے میں «بلا تھی» کی جگہ «بلا ہے» لکھا ہے۔ زیر نظر متن کے دو شعر متن : ۷ کے پہلے اور چوتھے شعر کے مطابق ہیں۔ باقی تین شعر یہ ہیں :

حسن دل کش کا نظارہ تھا عجب آفت خیز
خود تماشا ہوئے ہم محو تماشا ہو کر

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :
جلوۂ حسن کا نظارہ تھا آفت کا کھیل]

نشتر غم کا بھلا ہو کہ یہ ویرانۂ دل
قلزم خوں نظر آنے لگا صحرا ہو کر

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

. . . . بھلا ہو کہ دل سوختہ جاں]

حاشیے پر شعر کی یہ صورت بھی درج کی گئی ہے :

انقلاب غم الفت سے دل وارفتہ قلزم خوں نظر آنے لگا صحرا ہو کر

سیل غم کا انھیں جادوں ہیں نمایاں ہے اثر

جوش زن گزرا ہے جن راہوں سے دریا ہو کر

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

وہیں دیکھو مرے اجڑے ہوئے دل کا نقشہ]

متن : ۹

یہ متن بھی مصنف نے قلم زد کر دیا ہے ۔ اس میں گیارہ شعر ہیں جن میں سے سات متن : ۱۱ کے اشعار ۱ تا ۳ ، ۵ ، ۷ ، ۸ و ۱۴ کے مطابق ہیں ۔ صرف یہ ایک اختلاف ملتا ہے کہ شعر : ۳ میں «بلا تھی» کی جگہ «بلا ہے» لکھا ہے ۔ باقی چار شعر یہ ہیں :

اپنے ہی کفر زبوں کا یہ نتیجہ ہے کہ دل

زشت فرجام ہوا حسن کی دنیا ہو کر

حسن دل کش کا نظارہ تھا نگاہوں کا فریب

خود تماشا ہوئے ہم محو تماشا ہو کر

جدت کاوش غم ہے کہ یہ ویرانۂ دل

قلزم خوں نظر آنے لگا صحرا ہو کر

آتشیں ڈھائی ہیں طوفاں نے مرے اشکوں کے

جن مقامات سے گزرا ہے یہ دریا ہو کر

متن : ۱۰

یہ متن بھی قلم زد کیا گیا ہے ۔ اس میں گیارہ شعر ہیں جن میں سات متن : ۱۱ کے اشعار ۱ تا ۳ ، ۵ ، ۷ ، ۸ و ۱۴ کے مطابق ہیں ۔ تیسرے شعر میں وہی اختلاف ملتا ہے جس کا ذکر متن : ۸ ، ۹ کے تحت کیا جا چکا ہے ۔ جو اشعار متن : ۱۱ میں شامل نہیں ہیں ۔ اُن میں سے ایک (عشق کی خالہ برانداز یاں . . .) متن : ۷ کے مطابق ہے ۔ باقی تین شعر یہ ہیں :

حسن دل کش کا نظارہ تھا بلائے دل و جاں

خود تماشا ہوئے ہم محو تماشا ہو کر

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

. . . . . نظارہ تھا عجب آفت جاں
کاوس غم کا بھلا ہو کہ یہ ویرانۂ دل
قلزم خوں نظر آنے لگا صحرا ہو کر

[مصرع اول میں دو مرتبہ ترمیم کی گئی ہے :

۱- کاوش غم کے کرشمے ہیں کہ ویرانۂ دل
۲- جدتیں کاوش غم کی ہیں کہ ویرانۂ دل]

دیکھ ان قطعوں میں لہریں مرے امڈے دل کی
جوش زن گزرا ہے جن راہوں سے دریا ہو کر

[مصرع اول حاشیے پر یوں بھی لکھا ہے :

لہریں لیتے ہیں وہ قطعے مرے دل کی صورت

یہ مصرع اور اصل شعر دونوں قلم زد کیے گئے ہیں]

حاشیہ : ۲

یہ غزل بیاض : ۱ میں تین جگہ ، بیاض : ۳ میں چار جگہ اور بیاض : ۵ میں دو جگہ ۔ تفصیل ذیل درج ہے ۔

۱- بیاض : ۱	ص ۱۱
۲- بیاض : ۱	ص ۴۴
۳- بیاض : ۱	ص ۴۵
۴- بیاض : ۳	ص ۳
۵- بیاض : ۳	ص ۱۳۷-۳۸
۶- بیاض : ۳	ص ۱۴۲-۴۳
۷- بیاض : ۳	ص ۱۴۶-۴۷
۸- بیاض : ۵	ص ۸۱
۹- بیاض : ۵	ص ۱۰۶

ان میں سے پانچ متون : ۱ ، ۲ ، ۵ ، ۶ ، ۸ مصنف نے قلم زد کر دیے
متن : ۷ میں اشعار سب سے زیادہ ہیں ۔ اس لیے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے ۔

۱- دل ہے مفتوں غموں کی آفت کا — میں ہوں مارا ہوا ...
۲- نوش جاں ہے اگر ہو فطری ذوق — عشق کی لذت ...

[یہ شعر پہلے اس صورت میں تھا :

نوش جاں ہے اگر تجھے حس ہو
ذایقہ عشق کی حلاوت کا

اس سے پہلے مصرع کی یہ صورت تھی :

نوش جاں ہو ہے دل کو ہو احساس

حاشیے پر یہ مصرع یوں بھی لکھا ہے ، اور قلم زد کیا گیا ہے :

نوش جاں ہے نگاہ پیدا کر

۳- کچھ نہیں فتنہ سازیوں کے سوا | خاصہ دہر کی طبیعت کا
۴- حسن معنی کی قدر کیا جانے | شیفتہ دل جمال صورت کا
۵- بادہ آشام جانتے ہیں کہ میں | صاف کش ہوں مے محبت کا
۶- یہ ہجوم بلا یہ آن کا حکم | شکر ہے کام لے شکایت کا
۷- آن سے نازک دلوں کو مشکل ہے | دیکھنا میری غیر حالت کا
۸- حسن جس رنگ میں نظر آئے | آئنہ دار ہے صداقت کا
۹- صورت واعظ آپ دیکھیں اور | آدمی ہے عجیب خلقت کا
۱۰- بھر گیا ظلم سے جہاں پھر بھی | وہ چونکا نہیں قیامت کا
۱۱- حد ادراک سے ہے بالا تر | پایہ میری بلند ہمت کا
۱۲- تنگنائے جہاں میں جز غم و رنج | نہیں ملتا نشاں راحت کا

۱۔ مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :

تنگنائے جہاں میں غم کے سوا

۱۳- صبر کی تاب جب تھی پا برکاب | وہ کٹھن وقت تھا مصیبت کا
۱۴- سعی باطل یہ نازش بے جا | تو نہیں حق شناس الفت کا
۱۵- دوست دشمن ہوں مل کے ہم آہنگ | ایک نغمہ ہو ساز عشرت کا
۱۶- کچھ بھرم تھا آسے بھی کھو بیٹھا | مدعی اتحاد ملت کا
۱۷- خاک اڑائی ہے عمر بھر ثاقب | ہرزہ گردی تھا پھیر قسمت کا

متن : ۱

یہ متن تیرہ شعروں پر مشتمل ہے۔ ذیل کا شعر متن : ۷ سے زائد ہے :

بچی نظریں کیے تھے وہ تو مجھے | کوئی موقع نہ تھا شکایت کا

پہلے یہ شعر اس صورت میں تھا :

خود ہی وہ عذر خواہ تھے تو مجھے | خود ہی موقع نہ تھا شکایت کا

متن : ۷ کے پانچ شعر (شمار : ۸ ، ۹ ، ۱۳ تا ۱۶) زیر نظر متن میں نہیں ہیں۔

ب : ۷ اور زیر نظر متن میں مندرجہ ذیل اختلافات پائے جاتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع متن : ۷ کے مطابق تھا۔ پھر لفظ «مفتوں»

کو قلم زد کرکے شیدا لکھا گیا ۔ بعد ازاں پورا مصرع قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا گیا :

گھر ہے قلب حزیں جراحت کا

آخر میں اسے بھی قلم زد کیا گیا ، اور کوئی متبادل مصرع نہیں لکھا گیا ۔

شعر ۲ ، مصرع ۔ اس کی ابتدائی صورت یہ ہے :

نوش جاں ہے اگر تجھے حس ہو

بعد اصلاح یہ صورت ہوئی :

نوش جاں ہے تجھے نہیں احساس

شعر ۶ ، مصرع ۱ : اسے قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا ہے :

دل وہ دل ہے جو مصیبت میں (کذا)

بعد میں اسے بھی مصرع ثانی کے ساتھ قلم زد کر دیا ہے ۔

شعر ۸ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع متن : ۷ کے مطابق لکھا تھا ۔ بعد اصلاح یہ صورت ہو گئی : حسن حس رنگ میں ہو جلوہ کا

شعر ۱۱ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں لکھا تھا :

فہم و ادراک سے ہے بالا تر

بعد میں اس میں متن : ۷ کے مطابق ترمیم کی گئی

شعر ۱۲ ، مصرع ۲ : کوئی ساماں نہیں ہے راحت کا

متن : ۲

یہ متن چودہ شعروں پر مشتمل ہے ۔ ذیل کا شعر متن : ۷ میں نہیں ۔

میں کہوں کس سے اور سمجھے کون

ماجرا غم کی شام فرقت کا

متن : ۷ کے چار شعر (شمار : ۹ ، ۱۴ تا ۱۶) زیر نظر متن میں نہیں ہیں دونوں متون میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں ۔ یہاں زیر نظر متن کے مصرعے یا شعر لکھے جا رہے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : دل ہے مہماں کدہ ہر آفت کا

شعر ۲ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

نوش جاں ہے تجھے نہیں احساس

بعد ترمیم یہ صورت ہو گئی :

نوش جاں ہے جو تجھ میں ہو احساس

شعر ۳ ، مصرع ۱ : اے خوشا نفس جو ہر آفت میں

شعر ۷ ، مصرع ۱ ، ابتدائی متن : نقش عبرت ہے اہل دل ۔

بعد ترمیم : اہل دل کو مقام ۔

شعر ۸ : حسن جس رنگ میں ہو جلوہ نما
شاہد حال ہے حقیقت کا
شعر ۱۲ : بزم اعداد میں غموں کے سوا
کوئی ساماں نہیں ہے راحت کا

متن : ۳

یہ متن بارہ شعروں پر مشتمل ہے۔ متن : ۲ کے آٹھ شعر (شمار : ۲ ، ۵ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۴ تا ۱۶) زیر نظر متن میں نہیں ہیں۔ ذیل کے اشعار زیر نظر متن میں زائد ہیں :

کچھ نہ کچھ ہر بشر کی طینت میں ، مادہ ہے جنون و وحشت کا
ہو گیا آج صبح سے پہلے ، جاگنے والا شام فرقت کا
اب یہ معمور سہاں زمانے میں ، نام ہی نام ہے محبت کا

زیر نظر متن اور متن : ۲ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں۔ یہاں زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے لکھے جا رہے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : دل ہے مہبط کدہ ہر آفت کا
شعر ۶ ، مصرع ۱ : یہ ہجوم بلا یہ [illegible] کی رضا
شعر ۸ ، مصرع ۱ : حسن جس رنگ میں ہو جلوہ نما
شعر ۱۱ ، مصرع ۱ : فہم و ادراک سے ہے بالاتر

متن : ۴

یہ متن پانچ شعروں پر مشتمل ہے۔ یہ پانچوں متن : ۲ میں ہیں۔ (شمار : ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۱۳)۔
اس میں اور متن : ۲ میں ذیل کے اختلافات ملتے ہیں۔ زیر نظر متن کے متعلقہ مصرعے درج کیے جا رہے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : دل ہے مجروح تیغ آفت کا
شعر ۶ ، مصرع ۱ : ماسوائے تغیرات نہیں

متن : ۵

اس میں سترہ شعر ہیں ، اور یہ سب قلم زد کر دیے گئے ہیں۔ متن : ۲ کے تین شعر (شمار : ۲ ، ۹ ، ۱۴) اس میں نہیں ہیں۔ ذیل کے اشعار متن : ۲ میں نہیں ہیں :

دل ہے آماج گاہ الفت کا ، ذکر کس سے کروں اس آفت کا
اے توہم پرست باطل دوست ، تو شناسا نہیں حقیقت کا
[illegible] دیکھوں کہ ہر لحظہ ، اک نیا رنگ ہے طبیعت کا

دونوں متون میں ذیل کے اختلافات ملتے ہیں - زیر نظر متن کے متعلق مصرعے
لکھے جا رہے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں لکھا تھا :
کس سے د کھڑا کہوں اس آفت کا
بعد ترمیم یہ صورت ہو گئی :
کیا بتاؤں سبب اس آفت کا
بعد ازاں پورے شعر میں ترمیم کی گئی :
دل ہے شیدا غم محبت کا میں تو مارا ہوا ہوں الفت کا
شعر ۵ ، مصرع ۱ : ذکر کیا درد یا کدورت کا
شعر ۱۲ ، مصرع ۱ : تنگنائے جہاں میں جز غم و ہم
بعد میں ترمیم کی گئی : تنگنائے جہاں میں غم کے سوا
شعر ۱۵ : دوست دشمن جہاں ہو ہم آواز
وہی عشرت کدہ ہے الفت کا
پہلے مصرعے کی ابتدائی دو صورتیں یہ ہیں :
۱- دوست دشمن جہاں ہوں ہم مشرب
۲- متحد حس جگہ ہوں دشمن و دوست

متن : ۹

اس میں وہ تمام اشعار موجود ہیں جو متن : ۷ میں ہیں۔ ذیل کا شعر اس سے زائد ہے :

اے توہم پرست باطل دوست
تو شناسا نہیں حقیقت کا

زیر نظر متن اور متن : ۷ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :
شعر ۱ ، پہلے اس صورت میں تھا : دل ہے شیدا غم محبت کا
میں تو مارا ہوا ہوں الفت کا
بعد اصلاح یہ شعر متن : ۷ کے مطابق کیا گیا ۔
شعر ۲ : دل نہ پہلو میں ہو تو سمجھے کون
ذایقہ عشق کی حلاوت کا
بعد میں پہلا مصرع قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا گیا :
نوش جاں ہے جو دل کو ہو محسوس
شعر ۴ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع متن : ۷ کے مطابق تھا ۔ ...
کی جگہ «حسن سیرت» لکھا گیا - بعد ازاں «سیرت» قلم زد کر کے ...
لکھا گیا ۔

شعر ۵ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں تھا :

میکدہ خوب جانتا ہے کہ میں

ترمیم کے بعد اسے متن : ۷ کے مطابق کیا گیا ۔

شعر ۱۲ ، مصرع ۱ : تنگنائے جہاں میں غم کے سوا

متن : ۷

اس میں چھے شعر ہیں ۔ ان میں سے دو (شمار : ۱ ، ۲) متن : ۷ کے مطابق ہیں ۔ باقی چار شعر اس متن سے زائد ہیں :

انتشار حواس میں ہمدم کچھ عجب رنگ ہے طبیعت کا

عیش دنیا کا لوٹنے والے تو شناسا نہیں حقیقت کا

[مصرع اول قلم زد کیے بغیر یہ متبادل مصرع بعد میں اضافہ کیا گیا ہے :

ہے عیش و طرب کے متوالے]

راحت جان یہاں نہ ڈھونڈ کہ دہر

ایک غربت کدہ ہے محنت کا

[مصرع اول کو قلم زد کیا ہے ، اور مصرع ثانی کو قلم زد کیے بغیر دونوں مصرعے اس صورت میں بھی لکھے ہیں :

شکل راحت یہاں کہاں کہ یہ دہر

گھر ہے آفات رنج و محنت کا

قید غم میں بھی شاد رہ کہ یہ دہر

گھر نہیں ہے فراغ و راحت کا

متن : ۸

اس میں سات شعر ہیں جو متن : ۷ کے اشعار شمار : ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۱۲ کے مطابق ہیں ۔ ذیل کے دو شعر متن : ۷ میں نہیں ہیں :

دل کے آئینہ میں ہے ایک حسین آپ ہی کی سی شکل و صورت کا

کیوں نہ وہ خود غلط ہو باطل کوش جو شناسا نہیں حقیقت کا

دوسرا شعر قلم زد کر دیا گیا ہے ۔ متن : ۷ ، اور زیر نظر متن میں ذیل کے اختلافات ملتے ہیں ۔

نمبر شمار متن : ۷ کے مطابق ہیں ، اور اختلافی مصرعے زیر نظر متن کے :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : دل ہے مقتول تیغ آفت کا

شعر ۳ ، مصرع ۱ : ماسوائے تغیرات نہیں

شعر ۴ ، مصرع ۲ : جو ہے دلدادہ حسن صورت کا

شعر ۶ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع متن : ۷ کے مطابق تھا ۔ بعد ترمیم اس کی

به صورت ہوئی : یہ ہجوم بلا یہ حکم وفا

شعر ۱۳ ، مصرع ۱ : وہ عجب وقت تھا مصیبت کا

حاشیہ : ۳

یہ غزل بیاض : ۱ و بیاض : ۳ میں ایک ایک مرتبہ اور بیاض : ۵ میں چار مرتبہ ، تفصیل ذیل لکھی گئی ہے :

۱- بیاض : ۱ ص ۱۳-۱۲

۲- بیاض : ۳ ص ۹۴-۹۳

۳- بیاض : ۵ ص ۴۰-۳۹

۴- بیاض : ۵ ص ۴۴-۴۳

۵- بیاض : ۵ ص ۵۵-۵۴

۶- بیاض : ۵ ص ۱۰۳-۵

متن ۳ ، ۴ ، ۵ کو مصنف نے قلم زد کر دیا ہے - متن ۶ میں اشعار کی تعداد سب سے زیادہ ہے - اس لیے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے :

۱- جبیں ہے سجدہ گزار اس کے آستانے کی
رہین عشق ہوں عادت ہے سر جھکانے کی

۲- کسے ہو فکر مرے دل کا غم مٹانے کی
یہ رسم ہی نہیں اس خود غرض زمانے کی

قطعہ

۳ چمن کی سیر کریں کیا کہ جی بھر آتا ہے
ادائیں دیکھ کے غنچوں کے مسکرانے کی

۴- بہار باغ کے خود اہل باغ دشمن ہیں
ہوا چلی ہے گلستاں کی خاک اڑانے کی

۵- دلوں سے نقش وفا میرا محو ہو نہ سکا
حریف مٹ گئے حسرت ہی میں مٹانے کی

قطعہ

۶- خوشی و غم سے تعلق نہیں مرے دل کو
کسی کے آنے کی پروا نہ فکر جانے کی

۷- گدا کو سایۂ یزداں کی احتیاج ہو کیوں
برہنگی مری عادت ہے دھوپ کھانے کی

۸- انھیں تو خو ہے سر بزم دل لگی کے لیے
ہر ایک بات پہ میری ہنسی اڑانے کی

۹- چمن میں فصل بہار آئی بھی گزر بھی گئی
میں فکر ہی میں رہا آشیاں بنانے کی

۱۰- وہ داستاں ہے مرا مذاق الفت سے
کہ جس میں پٹ نہ لگی ہو مرے فسانے کی

قطعہ

۱۱- وہ شش جہت میں نمایاں ہے انقلاب عظیم
نئے لباس میں ہر شکل ہے زمانے کی

۲۱- بنی بگڑ کے خرابات بزم شعر و سخن
یہ ذمہ دار تھی پہلے ادب سکھانے کی

۱۳- بیاں عشق مرے خون دل سے رنگیں ہے
یہی ہے جان محبت کے ہر فسانے کی

۱۴- الٹ دیا ہے دلوں کو فساد ناظر نے
مقام حیف ہے کایا پلٹ زمانے کی

۱۵- غزل سرا سر بزم سخن ہوں کیا ثاقب
مجھے تو لے نہیں آتی کسی ترانے کی

متن : ۱

اس میں تیرہ شعر ہیں۔ متن : ۶ کے دو شعر (شمار : ۳، و ۱۴) اس میں نہیں ہیں۔

متن : ۶ ، اور زیر نظر متن میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں۔ زیر نظر کے متعلقہ مصرعے لکھے جا رہے ہیں :

شعر ۳ ، مصرع ۱ : جگر کے داغ دم سیر گل ابھرتے ہیں
شعر ۶ ، مصرع ۱ : غم و خوشی سے تعلق نہیں مرے دل کو
شعر ۷ : وہ بے نوا ہوں کہ سانے کی احتیاج نہیں
برہنگی مری خوگر ہے دھوپ کھانے کی
شعر ۸ ، مصرع ۱ : پڑی ہے کچھ انھیں عادت سی برسر محفل
شعر ۱۱ ، مصرع ۱ : وہ شش جہت میں - - - - - -
شعر : ۶ و ۷ کے سامنے «مقولہ دیو جانس کلبی» کے الفاظ لکھے ہیں۔

متن : ۲

اس میں تیرہ شعر ہیں جو متن : ۱ کے مطابق ہیں۔ اختلافات بھی وہی ہیں جو متن : ۱ کے تحت درج کیے جا چکے ہیں۔ صرف ایک اختلاف زائد ہے کہ شعر ۱۰ کا مصرع ۲ ، اس صورت میں ہے ، جو ذمہ دار تھی - - -

زیر نظر متن کے شعر ۶ کا مصرع ۱ ، شعر ۷ ، شعر ۸ کا مصرع ۱ ، اور شعر

۱۱ کا مصرع ۱ پہلے متن : ٦ کے مطابق تھے - بعد ترمیم متن : ۱ کے مطابق کیے گئے - شعر ٦ سے قبل لفظ «قطعہ» کے ساتھ یہ عبارت لکھی ہے - «خطاب د یہ جانس کلبی با سکندر اعظم رومی» -

متن : ۳

اس میں سولہ شعر ہیں - متن : ٦ کے چار شعر (شمار : ۴ ، ۸ ، ۱۰ ، ۱۱) اس میں نہیں ہیں - مندرجہ ذیل اشعار متن : ٦ سے زائد ہیں :

بیان کیا ہوں سخن سازیاں زمانے کی
میں کچھ کہوں جو کوئی بات ہو ٹھکانے کی

خزاں کے طرز عمل سے یقین ہوتا ہے
بہار اب نہیں اس دوستاں میں آنے کی

امان و امن کی قسموں نے گھیر لیں راہیں
سلامتی ہے بس اب میہماں زمانے کی

محال ہے مرے اندوہ و غم کا اندازہ
بھری ہیں دل میں پریشانیاں زمانے کی

چلا ہی کرتی ہے دنیا میں موت کی تلوار
یہی جگہ تو ہے جاں بازیاں دکھانے کی

زیر نظر متن اور متن : ٦ میں مندرجہ ذیل اختلافات ہیں - یہاں زیر نظر متن کے متعلقہ شعر لکھے جا رہے ہیں :

شعر ٦ : تعلقات سے اتنا رمیدہ خاطر ہوں
خوشی کے آنے کی پروا نہ غم کے جانے کی

شعر : گدا کو شاہ سے کوئی طلب نہیں لیکن
اسی قدر کہ ضرورت ہے دھوپ کھانے کی

[یہ شعر دو مرتبہ لکھا گیا ہے

شعر ۱۲ : وہ بزم حسن خرابات کی بنی ہے مثال
جو ذمہ دار تھی علم ادب سکھانے کی

شعر ۱۴ : خرابیوں کی بنا خود فساد نیت ہے
میں کیا سمجھ کے شکایت کروں زمانے کی

متن : ۴

یہ گیارہ اشعار پر مشتمل ہے - اس میں متن : ٦ کے پانچ شعر (شمار : ۴ ، ۸ ، ۱۱) نہیں ہیں - متن : ٦ سے ایک شعر زائد ہے جو متن : ۳ کے زائد اشعار (شمار : ۵ پر درج کیا جا چکا ہے - زیر نظر متن اور متن : ٦ کے اختلافات وہی ہیں جو متن : ۳ کے تحت درج کیے گئے ہیں -

متن : ۵

اس میں سولہ اشعار ہیں - پندرہ شعر تو وہی ہیں جو متن : ٦ میں ہیں - ایک شعر وہ ہے جو متن : ۳ کے زائد اشعار کے شمار : ۱ پر درج ہے - اس شعر کا مصرع اول زیر نظر متن میں اس صورت میں ہے :

ہیں بے تکی روشیں کیا دھوں زمانے کی

حاشیہ : ۴

یہ غزل بیاض : ۱ میں ایک جگہ ، بیاض : ۳ میں دو جگہ اور بیاض : ۵ میں تین جگہ ہے تفصیل ذیل درج ہے :

۱- بیاض : ۱	ص ۱۵-۱۴
۲- بیاض : ۳	ص ۹۲-۹۱
۳- بیاض : ۳	ص ۴۹-۵۰
۴- بیاض : ۵	ص ٦۲-٦۱
۵- بیاض : ۵	ص ٦۵-٦۴
٦- بیاض : ۵	ص ۱۲-۱۱

ان میں سے متن ۲ ، ۴ ، ۵ قلم زد کیے گئے ہیں - باقی متون کے اشعار کی تعداد یکساں ہے - ذیل میں متن : ۱ درج کیا جاتا ہے :

۱- فرو کرتا ہے مشکل اس خزاں آثار طوفاں کو
سراسیمہ کیا ہے جس نے ارباب گلستاں کو

۲- ہزاروں داغ حسرت دل میں شمع زیر داماں ہیں
عجب عالم نظر آئے اگر پھاڑوں گریباں دو

۳- ہوائے دہر اسی کے حسن دل آرا کی دشمن ہے
سنوارا تھا بدقت ہم نے جس زلف پریشاں کو

۴- جو کل تک اسے فلک تاروں بھری راتوں کی رو کش تھی
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں آج اسی بزم چراغاں کو

۵- مرے زخم جگر پروردۂ ذوق محبت ہیں
مبارک سودۂ الماس قاتل کے نمکداں کو

٦- بہت کچھ دور گردوں نے بھلایا ، یاد ہے پھر بھی
مری رنگیں نوائی کا سماں اہل گلستاں کو

۷- بہت ممکن ہے دلجمعی کی صورت میں نہ رہنے دے
پریشان خاطری میری ترے گیسوئے پیچاں کو

۸- جنون عشق کے عالم میں دل کا یہ تقاضا ہے
کہ دامن کی اڑاؤں دھجیاں پھاڑوں گریباں کو

۹- خیال تفرقہ سازی نے دنیائے تمدن میں
فساد انگیز راہوں پر لگایا طبع انساں کو

۱۰- شفیق استاد کی تعلیم مبنی ہے مصالح پر
سبق الٹے دیے جاتے ہیں اطفال دبستاں کو

۱۱- کسی کی آرزو نے دل کہ اگلا دور پھر پلٹے
کسی کو ضد کہ ہم پورا نہ ہونے دیں اس ارماں کو

۱۲- خرابی کا سبب ہے دہر میں تقلید کورانہ
سمجھنا چاہیے ہر کام کا انجام انساں کو

۱۳- سنے کون اور سمجھے کون حال درد دل ثاقب
کہاں سے لاؤں اردوئے معلی کے زباں داں کو

متن : ۲

اس کا عنوان «درد دل» لکھا ہے ۔ اس میں پندرہ شعر ہیں ۔ تیرہ تو وہی ہیں جو متن : ۱ میں ہیں ۔ دو زائد شعر یہ ہیں :

پھنسا ا ناقہ ا ہل کو صحرائے مذلت میں
یہ کیا سوجھی تھی آخر عافیت کے اس حدی خواں کو

ہمیشہ سے ہے دل پابند تسلیم و رضا یعنی
سمجھتا ہوں حیات جاوداں قاتل کے احساں کو

زیر نظر متن اور متن : ۱ میں مندرجہ ذیل اختلافات پائے جاتے ہیں :

شعر ۲ ، مصرع ۲ ، پہلے اس صورت میں تھا :

- - - - [ناخوانا] تماشا ہو اگر - - - -

اصلاح کے بعد یہ صورت ہوئی :

عجب جلوے نظر آئیں اگر - - - -

بعد ازاں دونوں مصرعے قلم زد کر کے حاشیے پر متن : ۱ کے مطابق مصرع لکھا گیا ۔

شعر ۴ : زمانے میں جو کل تاروں بھری راتوں کی رو کش تھی
- - - - - - - آج اس بزم چراغاں کو

شعر ۶ ، مصرع ۱ : بھلایا دور گردوں نے مگر ہاں یاد ہے پھر بھی

شعر ۷ : بہت ممکن ہے جمعیت کی صورت میں نہ رہنے دے
دل آفت رسیدہ آپ کے گیسوئے پیچاں کو

شعر ۸ ، مصرع ۲ : اڑاؤں دھجیاں دامن کی اور پھاڑوں گریباں کو
شعر ۹ ، پہلے یہ شعر اس صورت میں تھا :

دلوں کو تفرقہ سازی نے اتنا کر دیا بے حس
تعلق ہی نہ تھا جیسے کسی انساں سے انساں کو

پھر یوں اصلاح کی گئی : ہوائے تفرقہ سازی میں یوں بے حس ہوئی دنیا
کبھی جیسے علاقہ ہی نہ تھا انساں سے انساں کو

اس کے بعد شعر کی آخری صورت ہے جو متن : ۱ کے مطابق ہے ، اس فرق کے ساتھ کہ پہلا مصرع یوں ہے :

ہوائے تفرقہ سازی - - - - - - - - -

شعر ۱۱ ، مصرع ۱ : - - - - - - - کہ پہلا دور پھر پلٹے

متن : ۳

یہ متن : ۱ کے مطابق ہے - کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں -

متن : ۴

اس میں بارہ شعر ہیں - متن : ۱ کے تین شعر (شمار : ۲ ، ۹ ، ۱۳) اس میں نہیں ہیں - دو شعر متن : ۱ سے زائد ہیں اور یہ دونوں متن : ۲ کے زائد اشعار کے تحت درج کیے جا چکے ہیں - زیر نظر متن اور متن : ۱ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۲ : مشوش جس نے کر رکھا ہے ارباب گلستاں کو
شعر ۳ ، مصرع ۱ : ہوائے دہر نا فرجام کرتی ہے اسے برہم
شعر ۴ : فروغ حسن سے تھی آسماں ہو کل زمیں کل تک
- - - - - - - آج اس بزم چراغاں کو
شعر ۵ ، مصرع ۱ : مرے زخم جگر اپنی جگہ خود موت ہیں میری
شعر ۷ : تعجب کیا جو ساری عمر پیچ و تاب میں رکھے
مرا آفت رسیدہ دل تری زلف پریشاں کو
شعر ۸ : جنوں میں مشغلہ ملتا نہیں اس کے سوا کوئی
اڑاؤں دامنوں کی دھجیاں پھاڑوں گریباں کو

بعد میں مصرع ثانی قلم زد کر کے وہ مصرع لکھا گیا جو متن : ۱ میں ملتا ہے -

شعر ۹ : دلوں کو تفرقہ اندازیوں نے کر دیا بے حس
علاقہ ہی نہیں جیسے کسی انساں سے انساں کو
شعر ۱۰ : مسلم عشق کی یہ منقلب تعلیم اچھی ہے
دیے جاتے ہیں الٹے درس اطفال دبستاں کو

متن : ۵

اس میں تیرہ شعر ہیں ۔ متن : ۱ کے دو شعر (شمار : ۲ ، ۱۳) اس میں نہیں ہیں ۔ دو شعر متن : ۱ سے زائد ہیں جو متن : ۲ کے تحت درج کیے جا چکے ہیں ۔ متن : ۲ ، اور زیر نظر متن کے زائد اشعار میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں تھا :

پھنسایا ناقۂ لیلیٰ کو ریگستان آفت میں

ترمیم کے بعد یہ مصرع متن ۔ ۲ کے مطابق ہوگیا ۔

شعر ۲ ، مصرع ۱ : ہمیشہ سے ہے دل پابند تسلیم و رضا ثاقب

زیر نظر متن اور متن : ۱ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : پریشان کر دیا جس نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

[حاشیے پر «پریشاں» کا متبادل «پراساں» بھی لکھا ہے]

شعر ۲ ، مصرع ۲ : پہلے «بہ محنت» لکھا تھا ، اسے قلم زد کر کے «بہ دقت» لکھا گیا ۔

شعر ۴ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں تھا :

بجلی سے تھی رشک آسماں جو کل زمین کل تک

اسے قلم زد کر کے یہ مصرع حاشیے پر لکھا گیا :

زمانے میں جوکل تھی رونما تاروں بھری شب میں

اسی شعر کے مصرع میں «اسی» کی بجائے «اس» ہے ۔

شعر ۵ : مرے زخم جگر خود ہی مجھے جینے نہیں دیں گے
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الماس ظالم کے نمکداں کو

شعر ۶ ، مصرع ۱ : قفس میں مدتوں سے ہوں مگر بھولا نہیں اب تک

شعر ۷ : بہت ممکن ہے جمعیت کی صورت میں نہ رہنے دے
مرا ہولوں کا مارا دل ترے گیسوئے پیچاں کو

شعر ۸ ، مصرع ۲ : اڑاؤں دھجیاں دامن کی اور پھاڑوں گریباں کو

شعر ۹ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :
کمال تفرقہ سازی نے اپنا رنگ دکھلا کر

بعد میں یوں ترمیم کی گئی : ہوائے تفرقہ سازی نے دنیائے محبت میں

شعر ۱۰ ، مصرع ۲ : سبق ملتے ہیں گمراہی کے اطفال دبستاں کو

حاشیے پر متبادل الفاظ (''سبق الٹے دیے جاتے ہیں'') لکھے گئے ہیں ۔ ان سے مصرع متن : ۱ کے مطابق ہو جاتا ہے ۔

متن : ۹

اس میں تیرہ شعر ہیں ۔ متن : ۱ کے دو شعر (شمار : ۲ ، ۱۲) اس میں نہیں ہیں ۔ دو شعر متن : ۱ سے زائد ہیں ۔ یہ وہی شعر ہیں جو متن : ۲ کے تحت درج کیے جا چکے ہیں ۔ متن : ۲ اور زیر نظر متن کے زائد اشعار میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : پھنسایا ناقۂ لیلیٰ کو لا کر دشت وحشت میں
شعر ۲ : - - - - - - - - تسلیم و رضا ثاقب
سمجھتا ہوں حیات سرمدی قاتل - - - -

زیر نظر متن اور متن : ۱ میں مندرجہ اختلافات ملتے ہیں ۔

شعر ۱ ، مصرع ۲ : پریشاں کر دیا حس نے - - - - - - -
شعر ۳ ، مصرع ۲ : سنوارا تھا یہ محنت ہم نے - - - - - -
شعر ۴ ، مصرع ۱ : زمانے میں جو کل تھی رونما تاروں بھری شب میں
شعر ۵ ، مصرع ۱ : مرے زخم جگر خود ہی مجھے جینے نہیں دیں گے
شعر ۶ ، مصرع ۱ : قفس میں مدتوں سے ہوں مگر بھولا نہیں اب تک
شعر ۷ : بہت ممکن ہے جمعیت کی صورت میں نہ رہنے دے
مرا آفت رسیدہ دل ترے گیسوئے پیچاں کو

مصرع اول قلم زد کر کے یہ مصرع لکھا گیا :

نہ اترانا کہ رہنے دے گا جمعیت کی صورت میں

شعر ۸ ، مصرع ۲ : اڑاؤں دھجیاں دامن کی اور پھاڑوں گریباں کو
شعر ۹ ، مصرع ۱ : خیال تفرقہ سازی - - - - - - - -

حاشیہ : ۵

یہ غزل بیاض : ۱ میں 'ایک بار' بیاض : ۳ و ۵ میں تین تین بار بہ تفصیل ذیل درج کی گئی ہے :

۱- بیاض : ۱	ص ۱۶
۲- بیاض : ۳	ص ۹۰-۸۹
۳- بیاض : ۳	ص ۱۲۱-۱۲۰
۴- بیاض : ۳	ص ۱۴۰-۱۳۹
۵- بیاض : ۵	ص ۴-۳
۶- بیاض : ۵	ص ۴۸-۴۷
۷- بیاض : ۵	ص ۱۰۲-۱۰۱

متن ۲ ، ۳ ، ۵ و ۶ قلم زد کیے گئے ہیں ۔ متن : ۱ و ۴ میں گیارہ اور متن ۶ میں نو شعر ہیں ۔ یہاں متن : ۱ درج کیا جاتا ہے :

۱۔ مجھے کچھ وہی شخص پہچانتا ہے
جو اپنی حقیقت کو خود جانتا ہے
۲۔ اٹھاتا ہے دل ذلتیں ذلتوں پر
مگر میرا کہنا نہیں مانتا ہے
۳۔ ادھر سرنگوں میں ادھر میرا قاتل
پے قتل دامن کو گردانتا ہے
۴۔ طریق نیاز اور طرز تغافل
یہ میں جانتا ہوں وہ تو جانتا ہے
۵۔ وہ اس دور میں کیوں نہ عزلت گزیں ہو
جو دنیا کی رفتار پہچانتا ہے
۶۔ مشیت کا منشا وہاں دوسرا ہے
یہاں اور کچھ دل میں تو ٹھانتا ہے
۷۔ ستم گر مری چپ سے راضی ہے ورنہ
گلہ کیجیے تو برا مانتا ہے
۸۔ غم عشق میں کیا گزرتی ہے جی پر
اس آفت کو میرا ہی دل جانتا ہے
۹۔ صفائی کہاں خاکدان جہاں میں
وہ سب کر کرا ہے جو تو چھانتا ہے
۱۰۔ خطائیں جو دل سے ہوئی ہیں وہ جانے
مجھے ان میں بے وجہ کیوں سانتا ہے
۱۱۔ غنیمت ہے ثاقب کا دم لکھنؤ میں
وہ جو کچھ برا یا بھلا جانتا ہے

متن : ۲

اس متن میں دس شعر ہیں ۔ شعر : ۴ کو قلم زد کر کے اس کی جگہ شعر : ۸ لکھا گیا ہے ۔ اس طرح نو شعر رہ جاتے ہیں ۔ شعر : ۵ اس متن میں نہیں ہے ۔ متن : ۱ اور متن : ۲ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں تھا :

خدا کو وہی شخص پہچانتا ہے

بعد ترمیم متن : ۱ کے مطابق کیا گیا ۔

شعر ۶ ، مصرع ۱ : مشیت وہاں ہے بعنوان دیگر

شعر ۸ ، مصرع ۱ : گزرتی ہے کیا راہ عشق و وفا میں
شعر ۱ : بری ہوں میں لوث گنہ سے مگر دل
مجھے اپنے کردار میں سالتا ہے

متن : ۳

اس میں وہ تمام شعر ہیں جو متن: ۱ میں ہیں ۔ متن ۔ ۱ کے دو شعر (شمار: ۴ و ۸) پہلے نہیں لکھے تھے ، بعد میں اضافہ کیے ہیں ۔ ان دونوں متون میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۸ ، مصرع ۱ : پہلے اس صورت میں تھا :
گزرتی ہے کیا راہ عشق و وفا میں
بعد ترمیم یہ صورت ہوئی :
گزرتی ہے کیا جان پر عاشقی میں
شعر ۹ ، مصرع ۲ : ''چھالتا'' کی بجائے ''سالتا'' لکھا ہے جو سہو قلم ہے ۔

متن : ۴

یہ متن : ۱ کے مطابق ہے ۔ آٹھویں شعر کا مصرعِ اول پہلے اس صورت میں تھا :
گزرتی ہے کیا جان پر عاشقی میں

متن : ۵

ورق کا نصف سے زائد حصہ ضائع ہو جانے کی وجہ سے اس متن کے اشعار کی کل تعداد بتائی نہیں جا سکتی ۔ بعض اشعار کے ابتدائی یا آخری الفاظ موجود ہیں ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ متن : ۱ کے چھے اشعار (شمار : ۲ تا ۵ ، ۷ ، ۱۱) موجود ہیں ۔ ذیل کا شعر متن : ۱ میں نہیں ہے ۔ ضائع شدہ الفاظ کی جگہ نقطے لگائے گئے ہیں :

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رنگ دو روئی
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سالتا ہے

زیر نظر متن اور متن : ۱ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں ۔ ضائع شدہ الفاظ کی جگہ یہاں بھی نقطے لگائے گئے ہیں ۔

شعر ۵ ، مصرع ۱ : وہ جویائے عزات ۔ ۔ ۔ ۔
شعر ۹ : یہ متن: ۲ کے مطابق ہے ۔

متن : ۶

یہ متن نو شعروں پر مشتمل ہے ۔ متن : ۱ کے دو شعر (شمار : ۵ و ۸) اس میں نہیں ہیں ۔ اس میں اور متن : ۱ میں وہی اختلافات ملتے ہیں جو متن : ۱، اور متن : ۲ میں ہیں ۔

متن : ۷

اس متن کے اشعار کی تعداد اور اختلافات متن : ۲ کے مطابق ہیں ۔

حاشیہ : ۹

نظم ''ہمت'' بیاض : ۱ و ۳ میں ایک ایک مرتبہ اور بیاض : ۵ میں تین مرتبہ بتفصیل ذیل لکھی گئی ہے :

۱۔ بیاض : ۱ ص ۱۸-۱۷
۲۔ بیاض : ۳ ص ۳۰-۲۳
۳۔ بیاض : ۵ ص ۱۷
۴۔ بیاض : ۵ ص ۱۹
۵۔ بیاض : ۵ ص ۲۹-۲۱

متن : ۱ ، ۳ و ۴ ناقص ہیں ۔ اول الذکر کے اشعار ضائع ہوگئے ہیں ، اور باقی دونوں متون میں صرف چند ابتدائی شعر لکھے گئے ہیں ۔ متن : ۲ کے بعض اشعار خود مصنف نے قلم زد کیے ہیں ۔ متن : ۵ مکمل ہے ۔ اسے یہاں درج کیا جا رہا ہے :

ہمت

۱۔ تلاطم خیز طوفان بلا ہے
مرے دل کا سفینہ ڈوبتا ہے
۲۔ زمانے کے حوادث دشمن جاں
مخالف بحر عالم کی ہوا ہے
۳۔ تباہی پر کمر باندھے ہے طوفاں
بڑی ہلچل بڑی شورش بپا ہے
۴۔ تموج بحر کا اللہ اکبر
عجب پر ہول منظر رونما ہے
۵۔ نگل جانے کو منہ کھولے ہیں موجیں
جسے دیکھو بشکل اژدھا ہے
۶۔ معاذ اللہ بھنور پڑتا ہے جس کا
سمجھتا ہوں یہی گھر موت کا ہے
۷۔ اچھلتے ہیں وہ ہیبت ناک مینڈھے
کہ ملاحوں کا جی چھوٹا ہوا ہے
۸۔ ہراس و بیم میں ہے خود معلم
مری کشتی ! ترا حافظ خدا ہے

۹- کھڑی ہو ہو کے صف بستہ ہیں موجیں
بڑے غارت گروں کا سامنا ہے
۱۰- وہ باد تند کا انداز رفتار
قیامت خیز جس کی ہر ادا ہے
۱۱- یہ ہے کشتی کا سطح آب پر حال
کہ جیسے کوئی جھولا جھولتا ہے
۱۲- وہ چہرہ دست موجوں کے تھپیڑے
پیا پے جس کا جاری سلسلہ ہے
۱۳- پہاڑ اٹھتے ہیں پانی کے فلک سر
ہوا کا زور بھی حد سے سوا ہے
۱۴- بہت طوفان غم ہے سر اٹھائے
مرے مالک ترا ہی آسرا ہے
۱۵- گرا وہ بادباں ، ٹوٹا وہ مستول
وہ بیڑا بائیں جانب جھک چلا ہے
۱۶- ہوا لنگر شکستہ ہو کے غرقاب
سفینہ مائل تحت الثریٰ ہے
۱۷- چڑھائی کا ہے پھر سامان تیار
وہ پھر موجوں کا اک ریلا ہوا ہے
۱۸- وہ پھر پانی نے کشتی کو ابھارا
وہ پھر طوفان نے دھاوا کیا ہے
۱۹- کہاں ہیں آج میرے عافیت خواہ
خدا حافظ کہیں وقت دعا ہے
۲۰- نفس کی آمد و شد میں بھی ہے فرق
مرا دم ایسے جینے سے خفا ہے
۲۱- طبیعت غرق دریائے تفکر
سر شوریدہ زانو پر دھرا ہے
۲۲- نہ کھانے سے نہ پینے سے مجھے کام
مرا خون جگر میری غذا ہے
۲۳- نہ ہمدم ہے نہ کوئی ہم نوا ہے
بس اک میں اور اک ذات خدا ہے
۲۴- عیادت کو وہ آئی نامرادی
وہ جھک کر یاس نے مجرا کیا ہے

۲۵- اسی عالم میں دیکھی اک تجلی
کہ جیسے شب کو تارا ٹوٹتا ہے
۲۶- یکایک آئی اک دھیمی سی آواز
ارے سوتا ہے تو یا جاگتا ہے
۲۷- نظر چہرے پہ جب ڈالی تو دیکھا
کہ شان ایزدی جلوہ نما ہے
۲۸- وہی کافر ، وہی ظالم ، وہی شوخ
وہی بت جس پہ میرا دل فدا ہے
۲۹- یہ دل جوئی ہے مجھ سے یوں مخاطب
بتا کس درد کا لب پر گلا ہے
۳۰- ذرا دل میں نہیں تاب تحمل
یہ تیرا ظرف ہے یہ حوصلہ ہے
۳۱- کہا میں نے مریض جاں بلب ہوں
کہا اس وقت تو خاصا بھلا ہے
۳۲- کہا تیرا کرم ہے شامل حال
کہا جو کچھ ہے سب فضل خدا ہے
۳۳- کہا بیتاب ہوں درد جگر سے
کہا یہ وہم بے شک لادوا ہے
۳۴- کہا ہر دم لہو روتی ہیں آنکھیں
کہا ہنس کر یہی ان کی سزا ہے
۳۵- کہا میں نے پڑے ہیں دل میں ناسور
کہا یعسوب غم کا منحلا ہے
۳۶- کہا کچھ بھی مری پروا ہے تجھ کو
کہا اس کو ترا دل جانتا ہے
۳۷- کہا تیری محبت میں ہوں بدنام
کہا چپ کذب ہے یہ افترا ہے
۳۸- کہا وصل تمنا سے ہوں محروم
کہا ہر مدعا صبر آزما ہے
۳۹- کہا میں نے کہ میں ہوں دل سے مجبور
کہا اس میں کسی کی کیا خطا ہے
۴۰- کہا تجھ سے ہوں خواہان ترحم
کہا دل رحم سے نا آشنا ہے

۴۱- کہا میں نے کہ آخر جان دے دوں
کہا پھر کیا علاج اس کے سوا ہے

۴۲- حقیقت کو سمجھ اے دشمن عقل
کہ راحت رنج و محنت کا صلا ہے

۴۳- نہیں یارائے ضبط غم جو دل میں
تو دعوائے محبت ناروا ہے

۴۴- دلیل پستیٔ ہمت جہاں میں
کسی مشکل کو مشکل جاننا ہے

۴۵- یہی ہے باعث ادبار و نکبت
یہی نا کامیابی کی بنا ہے

۴۶- کبھیا دی ہے جنھوں نے عشق میں جان
انھیں کو گوہر مقصد ملا ہے

۴۷- اسی کی مشکلیں ہوتی ہیں آسان
جو دامن گیر استقلال کا ہے

۴۸- رہ الفت میں وصل شاہد حسن
شہیدان وفا کا خون بہا ہے

۴۹- بشر کو چاہیے ہمت نہ ہارے
یہی فتوائے ارباب علا ہے

۵۰- یہی بام ترقی کا ہے زینہ
یہی فتح و ظفر کا راستا ہے

۵۱- یہی ہے مایہ دار ارجمندی
یہی مشکل، یہی مشکل کشا ہے

متن : ۱

بیاض : ۱ کے ورق : ۸ کے بعد کے چند اوراق ضائع ہو جانے کی وجہ سے یہ متن ناقص الاول ہے۔ اس کا آغاز متن : ۵ کے شعر : ۳۲ سے ہوتا ہے۔ شمار : ۵۱ تک کے تمام شعر اس میں ہیں۔ متن : ۵، اور زیر نظر متن میں درجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۳۵، مصرع ۲ : کہا چھتا یہ شہد عشق کا ہے
شعر ۳۷، مصرع ۱ : کہا راہ محبت میں ہوں بدنام
شعر ۴۰، مصرع ۱ : کہا کچھ تو دکھا شان ترحم
شعر ۴۹، مصرع ۲ : یہی ارباب دانش نے کہا ہے
شعر ۵۱، مصرع ۱ : یہی ہے مایہ ناز ارجمندی

متن : ۲

یہ متن بنیادی طور پر متن : ۵ کے مطابق ہے ۔ بعد میں ترمیمیں کی گئی ہیں اور دو شعر (شمار : ۲ و ۳) قلم زد کیے گئے ہیں ۔ شعر : ۱۸ کے بعد ذیل کا شعر اضافہ کیا گیا ہے :

صدائے الفراق آتی ہے ہمدم جدا تختے سے تختہ ہو رہا ہے

زیر نظر متن اور متن : ۵ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۵ ، مصرع ۲ : جسے دیکھو وہی اک اژدہا ہے
شعر ۱۶ ، مصرع ۱ : اُٹھا سکتا نہیں لنگر کے جھٹکے
شعر ۲۰ ، مصرع ۲ : دل مایوس جینے سے خفا ہے
شعر ۲۳ : اس سے قبل «مطلع دیگر» کا عنوان لکھا گیا ہے ۔
شعر ۳۲ ، مصرع ۲ : کہا یوں کیوں نہ کہہ فضل خدا ہے
شعر ۳۵ ، مصرع ۲ : کہا چھتا یہ شہد عشق کا ہے
شعر ۳۷ ، مصرع ۱ : کہا راہ محبت میں ہوں بدنام
شعر ۳۹ ، مصرع ۱ : کہا کچھ تو دکھا شان ترحم
شعر ۴۹ ، مصرع ۲ : یہی ارباب دانش نے کہا ہے
شعر ۵۱ ، مصرع ۱ : یہی ہے مایہ ناز ارجمندی

متن : ۳

اس میں صرف چھے شعر ہیں جو متن : ۵ کے ابتدائی چھے شعروں کے مطابق ہیں ۔

متن : ۴

اس میں صرف تین شعر ہیں جو متن : ۵ کے ابتدائی تین شعروں کے مطابق ہیں ۔

حاشیہ : ۷

یہ غزل بیاض : ۱ ، ۳ و ۵ میں ایک ایک مرتبہ بتفصیل ذیل لکھی گئی ہے :

۱- بیاض : ۱ ص ۲۰-۱۹
۲- بیاض : ۳ ص ۳۲-۳۱
۳- بیاض : ۵ ص ۳۲-۳۱

متن : ۳ میں اشعار سب سے کم ہیں ۔ متن : ۲ میں ترامیم کی گئی ہیں ، اور متن : ۱ ، ان ترامیم کے مطابق ہے ، اس لیے یہاں متن : ۱ درج کیا جاتا ہے :

۱- دوئی کا نام مٹ جائے جہاں سے
اگر اُٹھ جائے پردہ درمیاں سے

۲- سنو آنکھوں سے اور دیکھو زباں سے
اگر اٹھ جائے پردہ درمیاں سے
۳- عیاں ہے رنگ و روئے خستہ جاں سے
وہ حال غم جو باہر ہے بیاں سے
۴- مرا سر زیر خنجر تھا کہ اس نے
خود اپنا ہاتھ کھینچا امتحاں سے
۵- یکایک دل پہ بجلی سی گری تھی
اٹھا تھا کچھ دھواں سا آشیاں سے
۶- ادھر پیکاں کو جذب دل نے کھینچا
ادھر ناوک نہ چھوٹا تھا کماں سے
۷- نہیں سنتے وہ میرا قصۂ غم
مگر ہاں کسی محرم کی زباں سے
۸- وہ مے جس سے منور ہو گیا دل
اٹھے پی کر خرابات مغاں سے
۹- بہت شانہ ہلایا حادثوں نے
مگر چونکے نہ ہم خواب گراں سے
۱۰- سراسر دفتر عالم ہے رنگیں
فقط میری تمہاری داستاں سے
۱۱- کسی کے سامنے کیوں کر کہا جائے
خود اپنا حال دل اپنی زباں سے
۱۲- یہ ہے بہتے ہوئے دریا کی آواز
وہیں جاتا ہے آئے تھے جہاں سے
۱۳- ہوئی رشک گلستاں بزم احباب
کلام ثاقب رنگیں بیاں سے

متن : ۲

اس میں چودہ شعر ہیں ۔ اس کا مطلع پہلے متن : ۱ کے مطابق تھا ، بعد میں مصرع اول قلم زد کرکے اس کی جگہ متن: ۱ کے شعر: ۲ کا مصرع اول لکھا گیا ۔ ذیل کے دو شعر متن : ۱ سے زائد ہیں :

نہ تھا آگاہ دل آہ و فغاں سے یہ شکوہ ہے مجھے درد نہاں سے

[مصرع اول میں لفظ «آگاہ» کو قلم زد کرکے «مانوس» لکھا گیا اور دوسرے

مصرعے کو بعد ترمیم یوں لکھا گیا :

مذاق غم ملا درد ہاں سے]

جفائیں کیجیے اتنی کہ جتنی اٹھائی جائیں جان ناتواں سے

متن : ۱ کا شعر : ۷ ، زیر نظر متن میں بعد میں اضافہ کیا گیا ہے ، اور تین مرتبہ لکھا گیا ہے ۔ دو مرتبہ ثانی میں «نکلا» بجائے «چھوٹا» لکھا ہے ۔

متن : ۳

یہ نو شعروں پر مشتمل ہے جو متن ۰ ۱ کے اشعار ۱ ، ۴ ، ۵ ، ۷ تا ۱۲ کے مطابق ہیں ۔

حاشیہ : ۸

یہ غزل بیاض : ۳ میں دو مرتبہ اور بیاض : ۵ میں ایک مرتبہ بتفصیل ذیل لکھی گئی ہے :

۱- بیاض : ۳ ص ۶-۵

۲- بیاض : ۳ ص ۱۸-۱۷

۳- بیاض : ۵ ص ۶۸-۶۷

متن : ۳ میں اشعار سب سے زیادہ ہیں ، اس لیے یہ متن یہاں درج کیا جاتا ہے :

۱- دل کی چھوٹی سی اک کہانی ہے
آپ سن لیں تو مہربانی ہے

۲- ساری دنیا ہے آن کی ہم آواز
میں ہوں اور میری بے زبانی ہے

۳- سچ ہے پیغام دوست جھوٹ نہیں
ہاں مگر غیر کی زبانی ہے

۴- دل تپاں اور اشک گرم رواں
نہ یہاں آگ ہے نہ پانی ہے

[مصرع ثانی میں پہلے «کہیں» لکھا تھا ، اسے قلم زد کرکے «یہاں» لکھا گیا ۔ یہ شعر اس صورت میں بھی لکھا گیا ہے :

جل رہا ہے دل اشک بہتے ہیں
غم کی وہ آگ ہے یہ پانی ہے]

۵- فائدہ کیا جو کھوؤں اپنی بات
آپ نے کب کسی کی مانی ہے

۶- گوہر مدعا نہیں ملتا
ہم نے دنیا کی خاک چھانی ہے

۷- منزل حسن باغ ہستی میں
گل خوش رنگ نوجوانی ہے

۸- چشم باطن سے دیکھیے تو کھلے
مے ہے یا شیشہ ارغوانی ہے

[مصرع اول کی ابتدائی صورت یہ ہے :
دل کی آنکھوں سے دیکھیے تو کھلے]

۹- اب نہ دل میں وہ جوش ہے نہ خروش
نہ طبیعت میں وہ روانی ہے

[مصرع اول کی مندرجہ ذیل صورتیں قلم زد کی گئی ہیں :
۱- اب نہ دل میں وہ جوش ہے نہ امنگ
۲- اب کہاں دل میں قوت تخئیل
۳- اب نہ دل میں وہ قوت پرواز]

۱۰- نہ وہ جوہر شناس باقی ہیں
نہ سخن کی وہ قدر دانی ہے

[مصرع اول کی ابتدائی صورت یہ ہے : اب نہ معنی شناس باقی ہیں]

۱۱- ماہر فن رہے نہ ذوق سلیم
شاعری وقف نغمہ خوانی ہے

[مصرع اول کی قلم زد صورتیں یہ ہیں :
۱- نہ وہ استاد فن نہ ذوق سلیم
۲- اٹھ گئے صاحبان ذوق سلیم

۱۲- سربسر میرے حال پر ان کی مہربانی ہی مہربانی ہے
[یہ شعر قلم زد کیا گیا ہے]

۱۳- طبع شاعر کا منتہائے کمال لغزگوئی و شعر خوانی ہے
[یہ شعر قلم زد کیا گیا ہے]

۱۴- بزم عیش و طرب کی روح و رواں آپ کا حسن ہے جوانی ہے
[مصرع اول کی ابتدائی صورت یہ ہے :
بزم رنگیں کا ساز عیش و طرب]

۱۵- دیجیے کیوں جنون کو الزام وجہ دیوانگی جوانی ہے

۱ ۔مصرع اول کی یہ صورتیں بھی ملتی ہیں ۔ ان میں سے پہلی قلم زد کی گئی ہے :

۱- مجھ پہ ناحق جنوں کا ہے الزام

۲- میں جنوں میں ہوں کس لیے بدنام]

۱۶- ہم نے اکثر سنا ہے ثاقب کو عجب انداز خوش بیانی ہے]

مصرع ثانی کی یہ صورت بھی موجود ہے جو قلم زد کی گئی ہے :

عجب انداز شعر خوانی ہے]

متن : ۱

اس میں بارہ شعر ہیں ، اور یہ سب متن : ۳ میں موجود ہیں ۔ متن : ۳ کے چار شعر (شمار : ۱۲ تا ۱۵) زیر نظر متن میں نہیں ہیں ۔ دونوں متوں میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۴ ، مصرع ۲ : یہ مصرع پہلے متن : ۳ کے مطابق تھا ۔ بعد میں اس طرح ترمیم کی گئی : اک جگہ جمع آگ پانی ہے

شعر ۵ ، مصرع ۱ : ۔ ۔ ۔ ۔ جو کھوئیں اپنی بات

شعر ۷ ، مصرع ۱ : پہلے متن : ۳ کے مطابق تھا ، بعد میں لفظ «منزل» قلم زد کرکے ''مرکز'' لکھا گیا ۔

متن : ۲

اس میں تیرہ شعر ہیں جن سے گیارہ متن : ۳ میں موجود ہیں (شمار : ۱ تا ۷ ، ۹ تا ۱۱ ، ۱۹) ۔ ذیل کے دو شعر متن : ۳ میں موجود نہیں :

کیوں نہ بدمستیوں کی بن آئے دولت حسن ہے جوانی ہے

نزہت آگیں ہے سیر عالم عشق یہ فضا کس قدر سہانی ہے

زیر نظر متن اور متن : ۳ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۴ : قلم زد کیا گیا ہے ۔ اس کا مصرع ثانی اس صورت میں ہے :

اک جگہ جمع آگ پانی ہے

شعر ۵ ، مصرع ۱ : ''کھوؤں'' کی جگہ ''کھوئیں'' ہے ۔

شعر ۷ ، مصرع ۱ : ''منزل'' کی جگہ ''مرکز'' ہے ۔

حاشیہ : ۹

یہ غزل بیاض : ۳ میں دو جگہ اور بیاض : ۵ میں ایک جگہ بتفصیل ذیل درج ہے :

۱- بیاض : ۳	ص ۱۰۷
۲- بیاض : ۳	ص ۳۵-۱۳۲
۳- بیاض : ۵	ص ۷۷-۷۳

متن : میں اشعار کی تعداد سب سے زیادہ ہے ، اس لیے اسے یہاں درج کیا جاتا ہے :

۱- کس سے کہیں روگ اپنے جی کا
ہمدرد کوئی نہیں کسی کا
۲- ہستی کی گرہ میں کچھ نہیں ہاں
جو کچھ ہے وہ دل ہے آدمی کا
۳- لیتا نہیں زخم کھا کے پھر سانس
مارا ہوا عشق کی چھری کا
۴- لے نغمہ و مے سے کام جب تک
پردے میں ہے راز بےخودی کا
۵- دنیا میں ہو اعتماد کس پر
دل بھی مرا دوست تھا کبھی کا
۶- اخلاص نہیں رہا دلوں میں
جاتا رہا پاس دوستی کا
۷- ہم گریہ ابر و خندۂ گل
رونے ہی میں رنگ ہے ہنسی کا
۸- دل ہو تو دکھائیں غم کی راتیں
عالم زلفوں کی برہمی کا

[اس شعر کی ابتدائی صورت یہ ہے :

غم کی راتوں میں دل نے کھولا
عقدہ زلفوں کی برہمی کا]

۹- دم کی چلتی ہوئی ہوا میں
جلتا ہے چراغ زندگی کا
۱۰- دل کھو گیا چپ ہوں کیا بتاؤں
دیکھا ہو تو نام لوں کسی کا
۱۱- خود بینیٔ حسن کی بدولت
چمکا ہے نصیب آرسی کا
۱۲- پاکیزگیٔ خیال انساں
آئینہ ہے صدق باطنی کا
۱۳- جز تلخیٔ موت اس جہاں میں
کیا خاک ہے لطف زندگی کا

قطعہ

۱۴- ہم سے نہ کرو ہنسی کی باتیں
یہ وقت نہیں ہے دل لگی کا
۱۵- اس عالم انتشار میں کیا
دل خرم و شاد ہو کسی کا
۱۶- بے رنگ ہیں محفلیں طرب کی
بگڑا ہوا ساز ہے خوشی کا
۱۷- سلسات کی لے رہا ہے تانیں
گانے والا اساوری کا
۱۸- حیران ہے دم بخود کنندھیا
مجروح گلا ہے بانسری کا
۱۹- جاگیر بنا ڈفالیوں کی
جو رلنگ محل تھا راگنی کا
۲۰- ہے نغمۂ تانسین پر تان
بدنام ہے نام موسقی کا
۲۱ ہم رنگ سمجھ رہے ہیں مورکھ
کالی دیبی کو سرستی کا
۲۲- آشوب کہہ جہاں میں ہرسو
اک غلغلہ ہے ہاہمی کا
۲۳- الٹی بہنے لگی ہے گنگا
ہر دل میں خبط کجروی کا

* مصرع ثانی کی قلم زد صورتیں یہ ہیں :

۱- ناراست لقب ہے راستی کا
۲- اللہ رے چڑھاؤ کجروی کا
۳- اللہ رے نفاذ کجروی کا]

۲۴- ہے زاغ و زغن کا بول بالا
اونچا ہے نشان کلچڑی کا
۲۵- شمع محفل ہو یا ہو گلگیر
دونوں کو مرض جلی کٹی کا
۲۶- اس درجہ دلوں میں ہے خصومت
چلتا نہیں زور آشتی کا

۲۷- ہر موسی رہنما ہمارا
گوسالہ بنا ہے سامری کا

۲۸- انسب ہے جو کر سکے زمانہ
نیکی سے معاوضہ بدی کا

۲۹- ثاقب کی سخن طرازیوں میں
انداز ہے میر و مصحفی کا

متن : ۱

اس میں ۲۵ شعر ہیں ۔ متن : ۳ کے چار شعر (شمار : ۶ ، ۱۱ تا ۱۳) اس میں نہیں ہیں ۔

زیر نظر متن اور متن : ۳ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :
شعر ۳ ، مصرع ۱ : مشکل ہے کہ زخم کھا کے لے سانس
شعر ۴ ، مصرع ۱ : پہلے یہ متن : ۳ کے مطابق تھا ، بعد میں یوں ترمیم کی گئی :

دے نغمہ و مے کی داد جب تک

شعر ۷ مصرع ۱ : پہلے یہ متن : ۳ کے مطابق تھا ، بعد میں یوں ترمیم کی گئی :

یہ گریہٴ ابر و خندۂ برق

شعر ۸ : پہلے یہ متن : ۳ کے مطابق تھا ، بعد میں یوں ترمیم کی گئی :

دل ہو تو ہے شام غم مرقع
اُن کے گیسو کی برہمی کا

شعر ۱۸ ، مصرع ۱ : ''کندھیا'' کو قلم زد کرکے ''کنھیا'' لکھا گیا ۔
شعر ۲۳ ، مصرع ۲ : پہلے یوں لکھا تھا :

سودا ہے سروں میں کجروی کا

اسے قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا گیا :

متروک ہے جادہ راستی کا

متن : ۲

اس میں ۲۸ شعر ہیں ۔ متن : ۳ کا شعر : ۶ ، اس میں نہیں ہے ۔ زیر نظر متن اور متن : ۳ میں مندرجہ ذیل اختلافات ہیں :

شعر ۳ ، مصرع ۱ : مطابق متن : ۴
شعر ۳ ، مصرع ۲ : ''آپ'' بجائے ''عشق'' لکھا ہے ۔ پھر ''آپ'' کو قلم زد کر دیا ہے اور کوئی متبادل لفظ نہیں لکھا ۔

شعر ۴ ، مصرع ۱ : دے نغمہ و مے کی داد جب تک
شعر ۷ ، مصرع ۱ : یہ گریہ ابر و خندۂ برق
شعر ۸ : مطابق ترمیم متن : ۲
شعر ۱۲ : پاکیزہ خیالی آدمی کی آئینہ ہے صاف باطنی کا
شعر ۱۳ : دنیا میں سوائے تلخ کامی کیا خاک مزہ ہے زندگی کا
شعر ۱۸ ، مصرع ۱ : مطابق متن : ۲
شعر ۲۳ ، مصرع ۲ : متروک ہے جادہ راستی کا

حاشیہ : ۱۰

یہ غزل بیاض : ۳ میں ایک بار ، اور بیاض : ۵ میں دوبارہ بتفصیل ذیل درج کی گئی ہے :

۱- بیاض : ۳	ص ۲۱-۱۹
۲- بیاض : ۵	ص ۵۹-۵۷
۳- بیاض : ۵	ص ۹-۱۰۷

متن : ۲ قلم زد کر دیا گیا ہے۔ متن : ۵ میں کاٹ چھانٹ بہت ہے ، اور متن : ۱ ، اسی متن کی ترمیموں کے مطابق ہے ، لہذا یہاں متن : ۱ درج کیا جاتا ہے :

۱- حسن ہے باعث حجاب ترا
ورنہ چہرہ ہے بے نقاب ترا
۲- آپ ہی تو مثال ہے اپنی
تیری ہی ذات ہے جواب ترا
۳- دل کو اپنے مکاں کی عزت دی
اے خوشا حسن انتخاب ترا
۴- تیرے پرتو سے مستنیز اجرام
ایک ذرہ ہے آفتاب ترا
۵- ہمہ گیر و محیط عالم ہے
قہر اور لطف بے حساب ترا
۶- بحر حیرت فزائے ہستی میں
دم بھرا کرتے ہیں حباب ترا
۷- معرفت جس کو تھی وہی سمجھا
مرتبہ اے فلک جناب ترا
۸- دم پرواز ساتھ دے نہ سکا
طائر قدس ہم رکاب ترا

۹- بزم خوبان دہر میں اب تک
نظر آیا نہیں جواب ترا
۱۰- غنچۂ دل کی کھولتا ہے گرہ
گیسوئے دوست! پیچ و تاب ترا
۱۱- معنیٔ حسن آج سمجھا میں
دیکھ کر عالم شباب ترا
۱۲- پھونکے دیتا ہے قلب سوزاں کو
آتش عشق التہاب ترا
۱۳- ناز آمادۂ کرم نہ ہوا
ورنہ تھا کون سدباب ترا
۱۴- دونوں عالم میں ہے ترا انجام
ذوق بدمستیٔ شراب ترا
۱۵- مدت زندگی میں آج اے دوست
چشم بیدار میں ہے خواب ترا
۱۶- راہبر سوزِ دوست ہے ثاقب
یہ دل شان و مال خراب ترا

متن : ۲

یہ متن قلم زد کر دیا گیا ہے ۔ اس میں سترہ شعر ہیں ۔ سولہ شعر تو وہی ہیں جو متن : ۱ کے تحت درج کیے جا چکے ہیں ۔ زائد شعر یہ ہے :

اپنے بخت رسا پہ نازاں ہے محفل حسن! باریاب ترا

مصرع اول کے حاشیے پر ''نازاں'' کو «ہے نازاں» لکھا گیا ہے۔ زیر نظر متن اور متن : ۱ میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں :

شعر ۱ ، مصرع ۱ : تابش حسن ہے حجاب ترا (پہلے یہ مصرع متن : ۱ کے مطابق تھا)

شعر ۶ ، مصرع ۱ : محو ہستی میں ہر نفس شب و روز

شعر ۷ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

کون سمجھا سوائے ذات احد

اسے قلم زد کرکے متن : ۱ کے مطابق مصرع لکھا گیا ۔

شعر ۱۱ ، مصرع ۱ : اس مصرع کی ابتدائی صورت یہ ہے :

شان اللہ کی نظر آئی

اسے قلم زد کرکے متن : ۱ کے مطابق مصرع لکھا گیا ۔

شعر ۱۶ ، مصرع ۱ : آئنہ دار عشق ہے ثاقب

متن : ۳

، اس متن میں ۸ شعر ملتے ہیں جو متن : ۱ میں موجود ہیں ۔ دونوں متون کے اختلافات یہ ہیں :

شعر ۶ ، مصرع ۱ : اس کی مندرجہ ذیل مسترد صورتیں ملتی ہیں :

۱- بحر آفت ۔ ۔ ۔ ۔ [ناخوانا] ہستی میں
۲- بحر ہستی میں ہر نفس شب و روز
۳- عافیت سوز بحر ہستی میں

شعر ۱۵ : پہلے یہ شعر متن : ۱ کے مطابق لکھا تھا ۔ بعد میں مطابق ذیل ترامیم کی گئیں :

رات بھر ڈھونڈتی رہی اے موت
چشم اختر شمار خواب ترا

اسے قلم زد کرکے شعر کو دوبارہ متن : ۱ کے مطابق رکھا گیا ۔

شعر ۱۶ ، مصرع ۱ : پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا :

آئنہ دار عشق ہے ثاقب

اسے قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا گیا :

عافیت کا حریف ہے ثاقب

اسے بھی قلم زد کرکے متن : ۱ کے مطابق مصرع لکھا گیا ۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی*

نکات الشعراء کی روایتیں

شمالی ہندوستان میں اولیں دور کے اردو تذکروں میں سے ہے۔ اس موضوع پر ایک زمانے تک بحث کی جاتی رہی ہے کہ اردو شعرا کے تذکروں میں اولیت کا شرف میر کے اس تذکرہ کو حاصل ہے یا پھر ان کے معاصر قایم کے تذکرے "مخزن نکات" کو اور اس ضمن میں غالب رجحان یہ رہا ہے کہ میر ہی کے تذکرے کو اولیت حاصل ہے مگر اس میں کسی دلیل کی گنجائش نہیں کہ یہ دونوں تذکرے اور انہیں کے ساتھ گردیزی کا "تذکرۂ ریختہ گویان" بہت کم فرق کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اول الذکر دونوں تذکروں کی ایک سے زیادہ روایتیں بہت کم زمانی فرق کے ساتھ تسوید کی منزل سے گزریں۔

اولیت کا فخر تذکرہ نگار کے لیے ایک خاص اہمیت کا حامل تو ہو سکتا ہے لیکن تذکروں کے تنقیدی مطالعہ میں بہت کم زمانی فرق کی اہمیت اضافی ہے۔[1] اس لیے کہ با وثوق سطح پر [بعض تراجم کو مستثنیٰ کرتے ہوئے] بسا اوقات یہ جاننا مشکل ہوتا ہے کہ آغاز کار اور اس کے بعد کے مراحل میں واقعتاً کس نے پیش روی اختیار کی اور کون سا ترجمہ کس کے یہاں کب داخل ہوا اور کب نظر ثانی کی منزل سے گزرا اور مختلف تراجم کا کون سا حصہ ابتدائی روایت میں شامل تھا اور کون سا جز بعد کے اضافات میں سے ہے۔

دونوں تذکرہ نگاروں نے یکساں سطح پر اس کا دعویٰ کیا ہے کہ اس سے پیشتر کسی نے اردو شعرا کا تذکرہ نہیں لکھا۔ سوال یہ ہے کہ شعوری سطح پر اس دعوے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ دونوں کی اس ارادی کوشش سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کاوش فکر سے واقف ہیں اس لیے مقدمہ

---

*ریڈر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، بھارت۔

۱۔ ڈاکٹر محمود الہیٰ نے لکھا ہے:

قرائن یہ بتاتے ہیں کہ نکات الشعرا اور تذکرۂ ریختہ گویان بیک وقت زیر تسوید تھے اور دونوں کے مصنفین کو ایک دوسرے کے مجوزہ مشمولات کا کسی نہ کسی ذریعہ سے علم ہوتا رہتا تھا۔ حتم پہلے کس نے کیا یہ سوال اب تک حل نہیں ہوا لیکن اس سوال کی چنداں اہمیت نہیں: ۱۵ نیز ملاحظہ ہو مقدمۂ مرتب: ۹

میر خصوصیت کے ساتھ اس طرف اشارہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں ۔ تسوید کاری اور مواد کی فراہمی وغیرہ اور پر، قایم تو کچھ کہتے بھی ہیں میر نے اس سے کیتا صرف نظر کیا ہے جو ایک معنی خیز بات ہے ۔ میر کا بیان ہے :

''پوشید نماند کہ در فن ریختہ کہ شعرے ست بطور شعر فارسی بزبان اردوئے معلیٰ شاھجہان آباد دہلی، کتابے تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران این فن بہ صفحہ روزگار بہ ماند بناء علیہ این تذکرہ کہ مسمی بہ ''نکات الشعرا'' ہست نگاشتہ می شود'' ۔[1]

جس اسلوب اور جس لب و لہجہ کے ساتھ یہ سطور قلمبند کی گئی ہیں اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی روایت مابعد کی تسوید یا پھر تکمیل کار کی منزل سے قریب آ کر یہ عبارت قلم بند کی گئی ہے ۔ تکملہ یا عبارت خاتمہ سے اغراض بھی اسی حقیقت کی طرف ذہن کو مایل کرتا ہے ۔

قائم کے یہاں اس کے مقابلے میں یہ عبارت آئی ہے :

''مخفی و محتجب نہ ماند کہ تا الی الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال شعرای ریختہ کتابے تصنیف نہ گردیدہ و تا این زمان هیچ انمائے ازماحرائے شوق افرائے سخنوران این فن سطرے بہ تالیف نہ رسانیدہ . . .[2]

''ہنوز کسی نے ایک سطر بھی نہیں لکھی'' دعوے کو ایک واضح شعوری شکل دینے والا فقرہ ہے جس کی نفسیاتی وجوہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی کوشش سے باخبر ہیں ۔

مولینا امتیاز علی خاں عرشی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ''میر صاحب نے سنہ ۱۱۶۱ھ کے قریب اسے لکھنا شروع کیا۔ اس وقت تک اس موضوع پر کسی کتاب کا لکھا جانا ان کے علم میں نہ تھا ۔''[3]

ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن موجودہ روایت وہ ابتدائی روایت نہیں جس کے بارے میں یہ سوچا جا سکے کہ اس کی ترتیب کے وقت تک میر صاحب اس موضوع پر کسی کتاب کے لکھے جانے سے بے خبر تھے ۔ خاکسار کے ترجمہ میں انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ اس نے میر صاحب کے اس تذکرہ کے جواب میں ایک تذکرہ لکھا ہے ۔ ''علی الرغم این تذکرہ تذکرۂ نوشتہ'' ۔ یہ بعد کا اضافہ یا پھر اس حقیقت کی طرف ایک واضح اشارہ ہے کہ میر صاحب کے اس تذکرے کی تحریر

۱۔ نکات الشعراء (طبع اول) ۔

۲۔ مخزن نکات (طبع اول) ۔

۳۔ ۰مر نمبر، دہلی کالج میگزین :

کے زمانے ہی میں بعض دوسرے افراد نے اس کے مشتملات سے واقف ہو کر اس کی مخالفت میں قلم اٹھایا تھا ۔ مگر یہ امر کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں ۔

نثار احمد فاروقی نے اپنے مضمون ''نکات الشعراء'' کی ایک اور روایت مشمولہ میر نمبر دہلی کالج اردو میگزین (دہلی) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میر اور قایم دونوں دہلی میں ایک دوسرے کے ہم سایہ بھی رہے تھے :

''میرا خیال ہے کہ میر کو مخزن نکات کی تالیف کا علم ہو گیا تھا ۔''

پروفیسر مسعود حسن رضوی نے اپنی کتاب ''آب حیات کا تنقیدی مطالعہ'' میں اس موضوع پر کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ موجودہ روایت میر کی اصل روایت کا ملخص متن ہے :

''حقیقت یہ ہے کہ قاسم (حکیم قدرت اللہ قاسم صاحب تذکرہ مجموعہ نغز) کے سامنے نکات الشعرا کا جو نسخہ تھا وہ اس نسخہ سے مختلف تھا جو انجمن ترقی اردو نے مولوی حبیب الرحمن خان شروانی کے مقدمہ کے ساتھ شایع کیا ہے یہ اصل تذکرہ اپنی ابتدائی شکل میں نہیں بلکہ ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ سے اس کی وہ صورت ہو گئی ہے جو مطبوعہ نسخے میں نظر آتی ہے ۔''[۱]

پہلی روایت کے شیوع کے بعد میر نے دوسروں کے اعتراضات و مطاعن کے پیش نظر یا بعض دوسری وجوہات سے اس پر نظر ثانی کی ہو یہ بات قرین امکان ہے

قلمی نسخے

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ تو موجودہ متن کی اشاعت کے وقت اس روایت کی صورت میں موجود تھا جس پر انجمن کے مطبوعہ نسخہ کی اساس قایم کی گئی ہے۔ یہ قلمی نسخہ اب انجمن ترقی اردو ہند دہلی کی لائبریری میں ہے اس سے متعلق یہ ترقیمہ مطبوعہ نسخے (اشاعت دوم) کے ساتھ موجود ہے جس سے اس کے زمانہ کتابت کا پتہ چلتا ہے ۔

ترقیمہ

''تمام شد نکات الشعراے ہندی من تصنیف میرمحمد تقی میر تخلص حسب الفرمایش حضرت سید عبدالولی صاحب قبلہ عزلت تخلص ، کاتب الحروف سید النبی ابن سید محمود ابن میر محمد میر رضا اصفہانی غفراللہ ذنوبہما وسترعیوبہما ، در بلدۂ فرخندہ بنیاد ابد بنیاد تحریر فی التاریخ ہفدہم

۱۔ آب حیات کا تنقیدی مطالعہ : ص

رمضان المبارک سنہ ۱۱۷۲ یکہزار و یک صد ہفتاد و دو من الہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم''۔

یہ ترقیمہ انجمن کے نسخے کی اشاعت اول کے ساتھ موجود نہیں ہے اور ''ہر گلے را رنگ و بوے دیگرست'' کے بعد جہاں عبارت خاتمہ اختتام پذیر ہوتی ہے ''تمام شد'' لکھا ہے۔ اس اشاعت کے مرتب مولوی حبیب الرحمن خان شروانی نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ ان کے مرتب کردہ نسخے کی اساس کس روایت پر ہے۔ انہوں نے صرف اتنا تحریر فرمایا ہے کہ نکات الشعراء چھوٹی تقطیع کے ۱۸۷ صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے۱ اس سے بھی ان کی مراد مطبوعہ نسخہ ہے جس کی ضخامت ۱۸۷ صفحات ہے مگر یہ مختصر رسالہ انہیں کہاں اور کس حالت میں دستیاب ہوا اس کے زمانہ تحریر، کاتب اور قلم کے بارے میں ان کے فاضلانہ مقدمہ (دیباچہ) سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔۲

اس تذکرے کا مخطوطہ انجمن ترقی اردو دہلی کے مخطوطات فارسی میں موجود ہے۔ اس کا نشان شمار ۳ اور کتاب کا نمبر ۹۲۰ ہے صفحات کی کل تعداد ۱۰۳ ہے۔ صفحہ ۱۰۲ سادہ ہے ایک ورق شروع اور ایک آخر میں سادہ ہے۔ ورق الف پر نکات الشعراء کا نام اور نمبر وغیرہ کارپردازان انجمن کے قلم سے ہیں۔ تقطیع "$5 \times 7\frac{1}{2}$ ہے متن "3×6 ہے مسطر پندرہ سطری ہے، خط نستعلیق شکستہ اور سواد خط روشن ہے۔ قدیم انداز تحریر کی نمایاں خصوصیات اس میں ہندی آوازوں کو بالعموم چار نقطوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ خط کی روس و کشش میں انفرادیت موجود ہے۔

کاغذ کا رنگ ہلکا بادامی ہے اور ہنوز اس کے استحکام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مخطوطہ نم خوردگی اور کرم خوردگی دونوں سے تقریباً محفوظ ہے۔ درمیان سے کوئی ورق بھی ساقط نہیں۔

شروع میں ''من تصنیف میر محمد تقی رحمتہ اللہ علیہ'' لکھا ہے اس کے بعد رب یسر، بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم بالخیر اس کے نیچے سرخ روشنائی سے خط کھنچا گیا ہے اور شروع اور آخر کے دونوں کامے بھی شنجرفی روشنائی سے لکھے ہیں کسی اہم لفظ یا کامے کو بھی سنجرفی رنگ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ترجمہ اشعار سے ـــــہ کا نشان موجود ہے۔ اشعار کے درمیان اور آخر میں تین معکوس ''و'' یا کومے بنائے گئے ہیں ،،، شعرا کا نام بھی شنجرفی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ مخمس

۱۔ ملاحظہ ہو نکات الشعراء (نسخہ انجمن طبع اول)۔

۲۔ ایضاً، رجوع شود بہ دیباچہ، ۱-۱۹ -

یا کسی دوسری نوع شعر کو ظاہر کرنے کے لیے خط میں یا روشنائی میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ۔ "خاتمہ" یا ترقیمہ" کا لفظ موجود نہیں۔ مطبوعہ میں ترقیمہ کی تحریر میں شہر رمضان المبارک میں شہر کا لفظ کسی طرح حذف ہو گیا ۔ پائیں ورق الفاظ ترک موجود ہیں۔ صفحہ ۳۹ پر سرخ روشنائی کے دھبے بھی آ گئے ہیں ۔ یہ نسخہ امام بخش نامی کسی شخص کے مطالعہ میں رہا ہے جس نے متن کے ساتھ چسپاں ورق کی پشت پر درد کے یہ دو شعر لکھے ہیں :

جس کام کو آئے تھے وہ کام تو کچھ کر گئے
آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کر گئے

ہو جائیے افلاطون یا عقل کو کھو مفتون
یعنی کہ بہر عنوان نک نام تو کچھ کر گئے

از دست امام بخش

خاتمہ متن کے بعد چسپاں ورق پر امام بخش نے میر عبدالولی عزلت کی تاریخ وفات بھی لکھی ہے ۔

بے نظیر بود / ۱۱۸۹ اور اس کے ذیل میں یہ شعر بھی لکھا ہے :

رفتند زیں جہان فانی سوے جنت
افسوس ہائے شاہ عبدالولی عزلت
۱۱۸۹

اسی کے ساتھ سوز کے یہ دو شعر بعنوان رباعی درج ہیں :

سوز دل آگے درے کرکے بیاں اٹھ جائیں گے
جل چکیں گے جس گھڑی ہم شمع ساں اٹھ جائیں گے

دم غنیمت ہے یہ صحبت پھر خدا جانے کہاں
تم کدھر بیٹھو گے جا کر ہم کہاں اٹھ جائیں گے

اس کے بعد نورجہاں بیگم کے نام سے یہ دو شعر درج ہیں ۔ انھیں بھی رباعی کے ذیل میں لکھا گیا ہے :

جس روز کہ ہوگا ادا ماہ شفق   خورشید سیاہ و ادا نجوم کدرت
اس وقت ترا میں پکڑ کر دامن   بولونگی صاپانی ذہب قتلت

طبع ثانی کے مقدمہ کے خاتمے پر مولوی عبدالحق نے اس کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن نسخہ منقول عنہ سے متعلق ذاتی تفصیلات سے انھوں نے بھی اپنے بیان کو محروم رکھا اور اصل مخطوطے کے بارے میں مختصراً یہ اشارے کیے :

"ہم نے یہ تذکرہ ایک مستند قلمی نسخے سے طبع کیا ہے جیسا کہ کتاب کے ترقیمے سے معلوم ہوگا یہ سید عبدالولی عزلت کے لیے لکھا گیا تھا ۔

میر صاحب عزلت کے علم و فضل بزرگی اور ان کے کلام کی خوبی کے قایل ہیں اور عزلت بھی میر صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ میر صاحب نے اپنے تذکرہ میں سید صاحب کی بیاض سے استفادہ کیا ہے۔ تذکرے کی کتابت سنہ ۱۱۷۲ ہجری کی ہے یعنی تالیف سے سات سال بعد لکھا گیا ہے۔ خط بھی صاف اور شیریں ہے۔''[1]

اس میں خط کشیدہ حصہ ہی نسبتاً زیادہ اہم ہے اگر ہم اس ترقیمے کو جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے صحیح مان لیں تو اس کے یہ معنی ضرور ہیں کہ انجمن کے نسخہ کی منقول عنہ روایت سنہ ۱۱۷۲ھ تک مکمل ہو چکی تھی۔ یہ قلمی نسخہ جس روایت کی نقل تھا دکن تک اس کی رسائی کیسے ہوئی اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے ممکن ہے وہ اصل نسخہ سید عبدالولی عزلت کے پاس ہو اور انھوں نے ہی اس کی دوسری نقل کرائی ہو۔

دوسری روایت

نسخہ پیرس ایک دوسری قلمی روایت ہے جس کا متن ڈاکٹر محمود الہی پروفیسر و صدر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی نے اپنے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ مرتب کرکے شایع کیا ہے سال اشاعت ۱۹۷۳ء ہے۔ اس نسخے کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر محمود الہی نے لکھا ہے:

''پیرس کے قومی کتب خانے میں نکات الشعرا کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ اگرچہ اس کے کاتب نے دکن کے اکثر شعرا کا ذکر جان بوجھ کر حذف کر دیا ہے پھر بھی کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں ترقیمہ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کتابت سنہ ۱۱۷۸ھ میں سورت میں ہوئی تھی بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز چہار شنبہ سنہ ۱۱۷۸ھ در بندر سورت بہ موجب خواہش جمیع دوستان بہ اتمام رسید ۱۶۴۔''[2]

بندر سورت سے، جو سید عبدالولی عزلت کا وطن بھی تھا، اس نسخے کے تعلق کے پیش نظر ڈاکٹر محمود الہی نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ نسخہ پیرس کی کتابت کے سلسلے میں عزلت کا تعاون و مشورہ شامل

۱۔ نکات الشعراء (اشاعت ثانی)۔

۲۔ نکات الشعرا مرتبہ ڈاکٹر محمود الہی: ۱۸

رہا ہو ۔"[1]

مگر نسخہ زیر نظر کے مشتملات متن کے ساتھ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس کی ترتیب یا کتابت میں عزلت کا مشورہ بھی شامل تھا ، بالخصوص جب کہ نسخے کے کاتب نے جان بوجھ کر اپنے نقل کردہ متن سے دکنی شعراء کے وہ تراجم حذف کر دیے جن کا ماخذ عزلت کی بیاض یا ان کی فراہم کردہ اطلاعات تھیں ۔ ان ترجموں کے اخراج کا مشورہ خود عزلت نے دیا ہو اس کی ظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ۔ عزلت دکنی شعرا کو پسند کرتے تھے اس کا ثبوت ان کی بیاض میں دکنی شعرا کا ذکر اور اشعار کی شمولیت کو قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نقل کتابت کا کام کرنے والے کی رائے دکنی شعرا کے بارے میں نہ صرف یہ کہ اچھی نہیں بلکہ بہت خراب ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :

"و اکثر مذکور شعرائے متقدمین و آنہ "یتبعهم الغاوون" در شان شان است۔ مولف این تذکرہ اذکار شان را معہ شعر ہائے پرپوچ و لا یعنی نوشتہ بود۔ چون کاتب را تصدیع بود اوقات عزیزه خود را ضائع نہ نمود و بہ ہمین احمد گجراتی و قاسم گجلاوتی اکتفا نمود بقول قدیم" ۔ مشتے نمونہ خروارے ۔"[2]

فاضل مرتب کے بیان کے کاتب نے جس شعرا کا ذکر حذف کیا ہے ان کی فہرست یہ ہے :

شعوری ، فضلی ، صبائی احمد آبادی ، محمود ، سالک، ملک ، اطفی ، فخری ، ہاشم ، ہاتفی ، اشرف، غواصی، خوشنود، جعفر، عبدالرحیم، عبدالبر، عزیز اللہ، سعدی، بیچارہ ، حسن مرزا داؤد ، خواجہ قلی خان، میر گھاسی ، عشاق ۔"[3]

اس کے ساتھ نسخہ زیر نظر میں ایک ترجمہ ایسا بھی ہے جو نسخہ انجمن میں موجود نہیں ۔ یہ عطا بیگ ضیاء کا ذکر ہے ۔ یہ ماننے میں تامل ہوتا ہے کہ یہ کاتب کا اضافہ ہے ، ایسی صورت میں ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ نسخہ پیرس جس نسخے پر مبنی ہے اس کی روایت نسخہ انجمن سے مختلف تھی۔ اس کا اندازہ بعض دوسرے اختلافات سے بھی ہوتا ہے ۔

عطا بیگ کا ترجمہ چمنستان شعراء میں بھی داخل ہے مگر دونوں کے بیان میں فرق ہے اور صاحب چمنستان نے اسے اپنے ماخذ میں شامل ، تذکرہ میر سے

۱۔ نکات الشعرا مرتبہ ڈاکٹر محمود الہی ، ۱۸

۲۔ ملاحظہ ہو نسخہ پیرس مرتبہ ڈاکٹر محمود الہی ، ۱۹

۳۔ نکات الشعرا مرتبہ ڈاکٹر محمود الہی ۔

'اخذ نہیں کیا۔ اس کی روایت کے مطابق عطا بیگ ضیا شاہ سراج کے شاگرد ہیں۔¹ جب کہ نسخہ پیرس میں ان کے ترجمے کے ضمن میں یہ کہا گیا ہے :

''در اورنگ آباد خجستہ بنیاد سکونت دارد۔ قبل ازین مشفق (مشورہ) از شاہ سراج می گرفت۔ حالا از میر غلام علی آزاد افادہ حاصل می نماید۔ احوالش کما ینبغی معلوم نیست و لیکن از بیت کہ مسموع شد ظاہر می گردد کہ خوش فکر است۔''²

میر کے بیان میں کسی ماخذ کا حوالہ موجود نہیں ، شاہ سراج سے بھی میر کچھ زیادہ واقف نہیں جس کا اندازہ ان کے ترجمے کے ذیل میں آنے والی اس عبارت سے ہوتا ہے :

''در اورنگ آباد شنیدہ می شود، شاگرد سید حمزہ ھمین قدر از بیاض سمد مذکور مستفاد می گردد۔''³

ایسی صورت میں میر کو ان کے ایک شاگرد کا حال کیسے معلوم ہوا؟ یہ سوال ذہن کی سطح پر ابھرتا ضرور ہے لیکن اس شبے کی وجہ سے یہ ماننے کی کافی و شافی وجہ بہرحال فراہم نہیں ہوتی کہ کاتب کا اپنا اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

فاضل مرتب نے نسخہ پیرس کی معروضی ہیئت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے :

''نسخہ پیرس میں ۵۸ اوراق ہیں۔ پہلے ورق کا بالائی حصہ ضایع ہو گیا ہے مگر - - - - اس کی وجہ سے کتاب کا متن متاثر نہیں ہوا پہلے حصہ پر دو عبارتیں ہیں ایک ناقص اور ایک مکمل پہلی عبارت سے کتاب کا نام واضح ہوتا ہے۔ کتاب کے مصنف کا نام ضایع شدہ حصہ میں رہا ہوگا مگر دالمید قدوۂ اہل معانی سراج الدین علی خان صاحب آرزو کا فقرہ واضح ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کاتب میر صاحب کو خان آرزو کا شاگرد سمجھتا تھا دوسری عبارت سے اس کتاب کی ملکیت واضح ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے :

''این کتاب تذکرۂ میر ، حاجی میر جعفر محمد قبلہ بہ میر گوہر علی مرحمت نمود بتاریخ بست و یکم ماہ شعبان ۱۲۱۴ ھجری کہ از گجرات امدہ بودند'' ۔

صفحہ ۲ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے اس صفحہ پر مقدمہ ہے اور امیر خسرو کے ترجمہ کے ابتدائی فقرے میں اس کا ورق ۲ (صفحات ۳ - ۴)

۱۔ ملاحظہ ہو چمنستان شعرا ۔
۲۔ نکات الشعرا مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی ، ۹۹ ۔
۳۔ نکات الشعرا (اشاعت دوم) ، ۹۵ ۔

غائب ہے۔ ورق ۳ سے آخر کتاب تک اوراق مسلسل ہیں آخری صفحہ پر ترقیمہ ہے"[۱]۔

نسخہ انجمن میں ۳۰۱ شعرا کا ذکر ہے اس میں صرف ۷۰ ریختہ گو شعرا کو جگہ ملی ہے۔

علاوہ بریں جیسا کہ مرتب نے خبر دی ہے ورق ۵۹ کے غائب ہو جانے سے مرزا عبدالقادر بیدل سراج الدین علی خان آرزو اور معز فطرت کے ترجمے بھی معدوم ہو گئے ہیں۔

نسخہ انجمن اور نسخہ پیرس میں اختلاف نسخ موجود ہے اور کہیں کہیں بہت اہم ہے۔ مثلاً مضمون کے ترجمہ میں آمدہ اس شعر سے نسخہ پیرس کا دامن خالی ہے:

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ ہوا ہے خون میرا آ کے لبریز

اس کے مقابلے میں نسخہ پیرس میں یک رنگ کے ترجمے کے ساتھ ایسے نو شعر موجود ہیں، نسخہ انجمن میں جن کا پتہ نہیں۔

مرتب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ حاشیے پر ہوا ہے لیکن اس کی وضاحت انہوں نے نہیں کی کہ کاتب نسخہ کے قلم سے ہے یا اس کا خط دوسرا ہے۔

شعرا کے آثار و احوال میں بھی عبارات میں کہیں کہیں کچھ فرق نظر آتا ہے۔ اس سے، کہیں دو نسخہ انجمن کی روایتوں کی وضاحت ہوتی ہے اور کہیں دونوں نسخوں میں آمدہ اساسی طور پر مضمون اور صرف الفاظ میں پس و پیش کا عمل دیکھنے میں آتا ہے۔ نسخہ انجمن میں بعض مبہم روایتوں کو دیکھ کر ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ غالباً یہ ابہام اصل روایت میں قطع و برید اور اخذ و انتخاب کے عمل کا نتیجہ ہے جس کے بعد وہ روایت مرتب ہوئی جو نسخہ انجمن کی اساس ہے۔ اس ابہام کا احساس ممکن ہے بعد میں خود میر کو ہوا ہو اور انھوں نے اصلاح و اضافہ کے ذریعے اس کو دور کرنے کی سعی کی ہو اور نسخہ پیرس میر کی اپنی مصحح روایت کا عکس ہو جس میں سے کاتب نے بعض تراجم خود دیدہ و دانستہ حذف کر دیے۔

میر اپنے تذکرہ کے قیاسی زمانہ تحریر سنہ ۶۵-۱۱۶۱ھ کے بہت دنوں بعد تک زندہ رہے ان کا سال رحلت ۱۲۲۵ھ ہے۔ نصف صدی سے بھی کچھ زیادہ اس مدت

۱- نکات الشعر، ڈاکٹر محمود الٰہی، ۱۹-۱۸۔

' میں میر اگر چاہتے تو اس میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے تراجم کا اضافہ ہو جانا اور میر [کے اس تذکرے] کی زیادہ مکمل اور مبسوط روایت سامنے آتی[1] جب کہ موجودہ وسائل معلومات کی روشنی میں کسی ایسی روایت کی موجودگی کی طرف اشارہ کرنا ممکن نہیں جسے نسخہ ٔ مرس کی طرح ایک باقاعدہ روایت کہا جا سکے۔ ہاں ایک دو ناقص روایتوں کے بارے میں از روئے قیاس یہ کہا گیا ہے کہ وہ میر کی اصل یا اور مجنل روایت کا کوئی حصہ ہیں۔

نثار احمد فاروقی نے اپنے ایک مضمون ''نکات الشعرا کی ایک اور روایت'' میں اس کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور آزاد لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ذخیرہ سرشاہ سلیمان میں ''کشکول متفرقات فارسی'' کے سلسلے میں آنے والی ایک بیاض کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

''اس میں ایک تذکرے کے کچھ متفرق اوراق بھی ہیں۔ یہ دراصل میر کا تذکرہ نکات الشعرا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس نسخے میں شعرا کے حالات کہیں نسخہ مطبوعہ سے مختلف ہیں اور کہیں ان میں اضافہ بھی ہے''۔[2]

اس ضمن میں نثار صاحب نے کچھ اہم اختلافات کی نشان دہی کی ہے اور لکھا ہے :

''مرزا مظہر کا حال نسخہ مطبوعہ کے مقابلہ میں مختصر ہے مگر انتخاب میں یہ اشعار نسخہ مطبوعہ سے زیادہ ہیں :

خورشید کے بدن میں غیرت سوں تھرتھری ہے
شاید سخن کے بر میں بسمے کی بکتری ہے
(۵ شعر)

ایک غزل کے ان پانچ اشعار کے علاوہ یہ شعر بھی نسخہ مطبوعہ میں ہے :
پشت دام اوپر کھڑا ہے وہ ستم گر بے نقاب
ایک نیزے پر، قیامت ہے، کہ آیا آفتاب

۱۔ میر کے تذکرہ کی ترتیبی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الٰہی نے لکھا ہے : ''ان کے سامنے شعرا کی ترتیب کا کوئی اصول نہیں تھا انھوں نے نہ تو شعرا کی تقسیم طبقات کے لحاظ سے کی اور نہ ان کا ذکر حروف تہجی یا حروف ابجد کی ترتیب سے کیا۔ شعرائے دکن کا ذکر یکایک ایک مختصر سی تمہید کے ساتھ وسط کتاب میں آ جاتا ہے اور پھر اس کے بعد بغیر کسی تمہید کے شمالی ہند کے شعرا جگہ پاتے ہیں : ۱۵۔

۲۔ میر نمبر، دہلی کالج اردو میگزین۔

اسی طرح مطبوعہ میں تعداد اشعار ۶ اور اس بیاض میں ۱۲ ہے۔ مطبوعہ میں شعر ہے:

کوہکن کو گل کہوں تو برے ہو کو کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

یہ شعر اس نسخے میں نہیں ہے۔

(۲) میاں سعادت امروہوی کے حال میں کچھ اختلاف نہیں مگر انتخاب میں یہ اشعار بھی ہیں:

جھمکے دکھا نین کے، دل چھین لے چلے ہو
آنکھوں کو تیری کن نے سکھلا دیا چھنالا

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ وہ مجھ کو دماغ و دل رہا ہے

یہ دوسرا شعر باندک اختلاف میرزا مظہر کا ہے مگر زیر نظر بیاض میں سعادت سے منسوب ہوا ہے۔

(۳) اس میں شاہ قلندر، قلندر تخلص کا ترجمہ بھی شامل ہے یہ نسخہ مطبوعہ میں نہیں ملتا۔

(۴) انعام اللہ خان یقین کا حال اس میں نسخہ مجموعہ سے بالکل مختلف ہے۔۔۔ میرا قیاس ہے وفات مظہر کے بعد اس میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے[۱]۔ اس بیاض میں کلام یقین کا انتخاب بھی مطبوعہ کی نسبت بہت طویل ہے*۔

عبارت کے کچھ جملے باندک اختلاف نسخہ مطبوعہ کے ترجمۂ میر درد میں ملتے ہیں۔

(۵) ایسے ہی الفاظ سودا کے ترجمے میں بھی لکھے گئے ہیں۔ نسخہ مطبوعہ سے اس بیاض میں صرف اتنی بات زائد ملتی ہے کہ سودا کو نوکر نواب وزیرالممالک بتایا گیا ہے۔ سودا کے انتخاب کلام میں بھی نسخہ مطبوعہ سے کچھ اختلافات ہیں۔

(۶) نسخہ مطبوعہ میں میر قمر الدین منت کا ترجمہ نہیں ہے مگر اس بیاض

۱۔ نثار احمد صاحب کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے مرزا مظہر کے سال وفات ۱۱۹۵ھ سے پیشتر اس کی جو روایتیں شیوع پا چکی تھی ان میں بھی یقین کو اسی طرح نشانہ ملامت بنایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو نسخہ پیرس و چمنستان شعرا جس کے ماخذ میں میر کے تذکرہ کی کوئی ایسی روایت شامل ہے جو شفیق کے اس تذکرے کی ترتیب کے وقت مولف کے سامنے تھی۔

* دلی کالج، اردو میگزین، میر نمبر (۹۵-۳۹۴)۔

میں موجود ہے اور انھیں بھی نو کو نواب وزیر الممالک لکھا ہے۔

(۷) منت کے علاوہ مہربان خاں رند فتح علی شیدا اور قلندر وغیرہ چند ایسے شعرا کے تراجم بھی شامل ہیں جو نسخہ مطبوعہ سے غیر حاضر ہیں۔۔۔۔*''

نثار صاحب نے اپنے مضمون میں آگے چل کر لکھا ہے:

''اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ میر نے نکات الشعرا کی تالیف کا آغاز خواہ سنہ ۱۱۶۵ھ میں کیا ہو لیکن اس میں اضافے اور ترمیمیں بہت* بعد تک ہوتی رہیں''۔

جس کا ایک ثبوت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میر نے یقین کا ترجمہ در عہد عالمگیر بادشاہ (عالمگیر ثانی) (۱۱۶۷-۱۱۷۲ھ) میں اسی زمانہ میں قلمبند کیا جب وہ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور فکر شعر کیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب عماد الملک ثالث نواب وزیر تھے۔

اس طور پر روایت اول کی تسوید کا زمانہ سنہ ۱۱۶۵-۶۶ھ سے کچھ آگے بڑھ جاتا ہے یہ اوراق اس روایت اول کی باقیات میں سے ہیں''[1]۔

پروفیسر مسعود حسین رضوی نے اس بیاض پر گفتگو کرتے ہوئے آب حیات کے تنقیدی مطالعہ میں لکھا ہے:

''اس تذکرے کے مطبوعہ نسخے اور ان ورقوں میں شاعروں کے حالات اور اشعار کی تعداد وغیرہ میں طرح طرح کے فرق نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان ورقوں میں میر جعفر زٹلی کے کئی سنجیدہ شعر اور سودا کے کئی قصیدے نقل کیے گئے ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ان ورقوں میں ایسے بہت سے شاعروں کا ذکر موجود ہے جن کے نام بھی مطبوعہ نسخے میں نہیں ملتے۔ ان کے تخلص یہ ہیں: سید، عبدی، زید، احد، فدوی، سوز، قلندر، دل، رضا، بیان، مرتضیٰ، منت، محمدی، نالاں، محرمی اور یہی فرق سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نکات الشعرا کا مطبوعہ نسخہ اصل اور مکمل نسخہ نہیں ہے بلکہ اس کی ترمیم اور تلخیص کی ہوئی صورت ہے''۔[2]

اس کے علاوہ نکات الشعرا کی اور کئی روایتوں کی نشان دہی دوسرے وسائل سے ہوتی ہے۔ نکات الشعرا (اور تذکرہ ریختہ گویاں) جیسا سطور بالا میں بھی

---

* یہاں بہت کا لفظ خود فاضل مقالہ نگار کے اپنے بیان کی روشنی میں کسی طویل تر مدت کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔

۱۔ دلی کالج، اردو میگزین میر نمبر (۳۹۵)۔

۲۔ آب حیات کا تنقیدی مطالعہ، ۳۷-۱۳۶۔

اشارہ کیا گیا ہے لچھمی نراین شفیق کے ماخذ میں سے ہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے :

''درین اثنا تذکرہ نکات الشعرا من تصنیف میر محمد تقی میر و تذکرہ فتح علی خان تازہ از ہندوستان دھلی نزول نمودہ شورے در عالم انداخت و جہانے را در اشتیاق اشعار ھند کہ بھم رسیدن آن اھل دکن را خیلے دشوار ست تہہ و بالا ساخت ۔ ۔ ۔ ۔''۔۱

شفیق نے اپنے ماخذ تذکرے کا انتقادی تعارف نہیں کرایا لیکن اخذ و انتخاب کے ذریعے جن روایات کو پیش کیا وہ نسخہ انجمن کی روایتوں سے مختلف نظر آتی ہیں ۔ پروفیسر مسعود حسین رضوی نے اس کی ایک سے زیادہ مثالیں پیش کی ہیں :

(۱) شفیق اورنگ آبادی احسن اللہ کے حال میں لکھتا ہے :

''این اشعار از ھر دو تذکرہ تحریر می یابد ۔ [اس سے وہ میر اور گردیزی کے تذکرے مراد لیتا ہے] اس نے بیان کے باسٹھ شعر نقل کیے ہیں ۔ ان میں سے سترہ شعر تذکرہ گردیزی سے لیے گئے ہیں باقی پینتالیس شعر میر کے تذکرے میں ہونا چاہیں لیکن مطبوعہ نکات الشعرا میں نہ بیان کے حالات ہیں نہ اشعار''۔۲

(۲) نکات کے موجودہ نسخے میں میاں احسن اللہ نام کے ایک شاعر کا ذکر ضرور ہے جن کو معاصر میاں آبرو لکھا گیا ہے اور ان کا یہ شعر نقل کیا ہے ۔

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

(۳) شفیق نے یقین کی ایک غزل کے تین شعر نقل کر کے لکھا ہے کہ میر نے یقین کے حال میں اس کا فقط ایک مطلع درج کیا ہے ۔ وہ مطلع یہ ہے :

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

لیکن مطبوعہ نکات الشعرا میں یہ مطلع موجود نہیں ۔

اس ضمن میں شفیق نے یہ وضاحت کی ہے :

''فتح علی خان این دو بیت کہ تحریر یافت بنام مرزا رفیع سودا گرفتہ و میر محمد تقی میر ھم فقط ریختہ این مطلع را کہ بالا مرقوم شد در ترجمہ

۱۔ چمنستان شعرا (مولفہ لچھمی نراین شفیق) ، ۳۰۔

۲۔ آب حیات کا تنقیدی مطالعہ ۱۳۱۷ ۔

او نوشته و فقیر را در اکثرے دواوین یقین این سه بیت به نظر رسید"* ۔

میر حسن کے تذکرے میں بھی بعض روایتیں نکات الشعرا سے ماخوذ ہیں آگے چل کر جن کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے ۔

(۳) میر حسن سالک دکنی کے بارے میں لکھتے ہیں : "چند اشعار تذکرہ میر تقی دیدہ شد چون ربط بیک دیگر نہ داشتند بتعلم نیاورد" اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ نکات الشعرا میں سالک دکنی کے کئی شعر تھے لیکن اس کے مطبوعہ نسخہ میں صرف ایک شعر ہے ۔

(۴) میر حسن کے تذکرے میں بھی بعض روائتیں نکات اشعرا سے ماخوذ ملتی ہے آگے چل کر جن کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے :

"میر تقی در تذکرہ خود نوشتہ است کہ مشہور چنین است کہ مرزا مظہر تمام دیوان گفتہ دادہ است مرا یقین نہ بود لیکن مرزا رفیع و میر سوز گواہی دادند کہ روزے مایاں بخانہ انعام اللہ (خان) یقین برائے امتحان غزلے طرح نمودیم ہر چند مبالغہ کردیم یک مصرعہ موزون نکرد ۔ ذائقہ سخن فہمی ہم نہ داشت" ۔[۱]

مطبوعہ نکات الشعرا میں سودا اور سوز کی گواہی کا ذکر نہیں ۔ اس ضمن میں قاضی عبدالودود کا خیال ہے :

"یہ ناممکن نہیں کہ نکات کا جو نسخہ میر حسن کے پیش نظر تھا اس میں وہ بات بھی ہو جو سودا اور سوز کی گواہی سے متعلق ہے"۔[۲]

ممکن ہے اس موقع پر تفہیم عبارت میں ذہنی فروگذاشت کو بھی دخل ہو اور "مرا یقین نہ بود" سے جو عبارت شروع ہوتی ہے وہ میرحسن نے اپنی طرف سے لکھی ہو ۔ بایں ہمہ یہ بات اپنی جگہ پر قرین قیاس ہے کہ میر حسن کے سامنے نکات الشعرا کی کوئی دوسری روایت ہو ۔

مطبوعہ نسخے

نکات الشعرا کے اب تک دو روایتیں اور تین اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں ۔ پہلی بار انجمن ترقی اردو اورنگ آباد نے ۱۹۲۲ء میں اسے شائع کیا ۔ یہ ۱۸۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔ تقطیع ۱۲ × ۲۰ [سینٹی میٹر] ہے ۔ شروع میں مولوی حبیب الرحمن خان

---

* اس موقع پر تفہیم عبارت میں پروفیسر موصوف کو تسامح ہوا ہے میر کے یہاں یہ شعر سودا کے ترجمہ میں داخل ہے اور اس کی طرف شفیق نے اشارہ بھی کیا ہے۔

۱۔ آب حیات کا تنقیدی مطالعہ ۱۳۲ ۔

۲۔ ایضاً ۔

کا مقدمہ ہے۔ سرورق کے مندرجات یہ ہیں ۔ مقدمہ نکات الشعرا از قلم جناب مولینا مولوی محمد حبیب الرحمن خان شیروانی ۔ دوسرا صفحہ سادہ ہے تیسرے اور چوتھے صفحہ پر غلط نامہ ہے ۔ اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ کر مقدمہ شروع کیا گیا ہے جو چونتیس صفحات پر مشتمل ہے بعد ازاں فہرست آئی ہے جس کے صفحات کے نشانات شمار ا ب ج د سے ظاہر کیے ہیں ۔ یہ سب صفحات متن کے صفحات سے الگ ہیں جو ۱۸۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ۔

اپنے فاضلانہ مقدمہ میں شروانی صاحب نے بحیثیت تذکرہ نگار میر کے افکار و کردار وغیرہ امور پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے لیکن اس تمام گفتگو میں تذکرے کے اصل مخطوطے سے متعلق تحقیقی نقطہ نگاہ سے کوئی بات نہیں کہی۔ نسخہ کے سواد خط زمانۂ تحریر کاتب، قرأت املا وغیرہ امور میں سے کوئی بات بھی فاضل مقدمہ نگار کے یہاں موجود نہیں ۔ مقدمے کے ساتھ بھی نہ مصنف کے دستخط ہیں نہ دن نہ تاریخ، اس اشاعت کے ساتھ کوئی سنہ اشاعت بھی درج نہیں ۔

فاضل مرتب نے مقدمے میں آب حیات اور نکات الشعرا کی بعض روایتوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ ان اشعار کا ایک انتخاب ازراہ تحسین دیا ہے جو میر صاحب نے مختلف شعرا کے تراجم کے ذیل میں داخل تذکرہ کیے ہیں ۔ لیکن خود متن میں جو مقامات تفہیم معنی کے لحاظ سے مبہم قرار دیے جا سکتے ہیں ان کو حل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ۔ اور نہ ان کے ساتھ کوئی سوالیہ نشان دیا گیا جس سے ان کا تحقیق طلب ہونا واضح ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروانی صاحب کے پیش نظر تذکرے کے متن کی ترتیب و تصحیح کے مسایل نہ تھے۔ میر صاحب کے شعور و شخصیت پر گفتگو کے لیے ہی انھوں نے مقدمہ نگاری کے فرائض انجام دیے۔

ایک موقع پر میر صاحب کی عبارت کو سمجھنے میں بھی نواب صاحب کو تسامح ہوا ہے وہ عبارت یہ ہے :

”خلف الصدق خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ تعالی ہست کہ مقتدائے عالم است ایامے کہ فقیر بخدمت آن بزرگوار شرف اندوز می شد از زبان مبارکش می فرمود کہ میر محمد تقی تومیر مجلس خواھی شد الحمد للہ کہ حرف آن سر سلسلہ خدا پرستان موثر افتاد“۔[۱]

۱۔ ملاحظہ ہو ترجمہ خواجہ میر درد : ۹۳ ۔

، چونکہ یہ عبارت خواجہ میر درد کے ترجمے میں آئی ہے اس لیے شیروانی صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میر صاحب کا عقیدہ ہے کہ ان کا کمال سخن دعائے درد کے اثر کا منت کش ہے جبکہ اس دعا کا تعلق درد سے نہیں آن کے والد خواجہ ، ناصر عندلیب سے ہے۔ وہی اس وقت صاحب سبحہ و سجادہ اور سلسلہ خدا پرستان کے سربراہ کہے جا سکتے ہیں ۔

اس نسخے کی اشاعت کے ۱۳ سال بعد سنہ ۱۹۳۵ء میں اس کی اشاعت ثانی عمل میں آئی۔ اس بار اس کی ترتیب اور مقدمہ نگاری کے فرائض مولوی عبدالحق نے انجام دیے۔ آغاز کتاب میں سرورق کے مندرجات آردو میں دیے گئے ہیں اور تمام متن کے بعد آخری صفحہ پر انہیں انگریزی میں درج کیا گیا ہے ۔ سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی آردو نمبر ۲۸ نکات الشعرا مصنفہ میر تقی میر مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی آردو اورنگ آباد دکن سنہ ۱۹۳۵ء طبع ثانی ۱۰۰۰ ۔

اختتامی صفحہ پر آنے والی انگریزی عبارت یہ ہے ۔

Anjuman Taraqqi Urdu Series No. 28

NUKAT USH SHURA

A Biographical Anthology

of

Urdu Poets

by

Mir Taqi "Mir"

Printed and Published by Anjumani Taraqqi Urdu Aurangabad

Deccan

2nd Edition 1935 1000 copies

فہرست مضامین کے ساتھ صفحات کی نشان دہی حروف تہجی کے ذریعہ کی گئی ہے۔ مقدمہ کے صفحات حروف ابجد سے ظاہر کیے گئے ہیں ۔ خاتمے پر مولانا کے دستخط ہیں جس کے نیچے معتمد انجمن ترقی آردو لکھا ہے اور وہیں اورنگ آباد دکن ۶ جون سنہ ۱۹۳۵ء درج ہے ۔

متن کتاب بسم اللہ الرحمان الرحیم سے شروع ہوتا ہے جس کے مشتملات ایک سے لے کر ایکسواسی صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں اس کے بعد اشاریہ ہے۔ صفحہ ۱۸۰ پر جہاں عبارت خاتمہ تمام ہوتی ہے ترقیمہ کے عنوان سے وہ عبارت آتی ہے جسے اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے یہ نسخہ خوبصورت ٹائپ میں چھپا ہے۔ تقطیع ۱۹.۱/۲ × ۱۲ ۱/۲ [سینٹی میٹر ہے]۔

یہ بات اس سے پیشتر بھی کہی جا چکی ہے کہ طبع اول کے مرتب نے نہ صرف یہ کہ قلمی نسخے کے تعارف اور تحقیقی تنقید پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ متن کی تصحیح کا پہلو بھی ان کی عالمانہ توجہ سے محروم رہا۔ تقابل روایت سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں نسخوں میں اختلاف قرأت موجود ہے اگرچہ دونوں کا اساسی متن بظاہر ایک ہے۔

طبع اول کے متن میں کہیں کہیں بعض ضروری اجزا کتابت سے رہ گئے ہیں جس کی توجیہہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ کتابت شدہ متن کی تصحیح مخطوطہ کو سامنے رکھ کر احتیاط سے نہیں کی گئی۔ صحت نامہ کے عنوان سے کتابت کی جن غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے ان کے علاوہ بھی متعدد فروگذاشتیں ہیں جو نظر اصلاح سے محروم رہیں۔ ان سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو ان روایتوں کا آخر کیا کیا جائے جن میں ضروری اجزائے عبارت چھوٹ گئے ہیں جبکہ طبع ثانی میں یہ اجزا موجود ہیں۔ مثلاً جہاں شرف الدین مضمون کے ترجمے میں آخری جملہ اس طور پر آیا ہے چودندان او بسبب نزلہ ہمہ افتادہ بودند از وست۔ خط کشیدہ حصہ اپنی موجودہ شکل میں مکمل نہیں ہے مگر زیر نظر نسخہ میں اس کی کوئی نشان دہی نہیں۔ طبع ثانی میں اسے مکمل کیا گیا ہے اور یہ فقرہ لکھا گیا ہے۔ خان صاحب مذکور او را شاعر بیدانہ می گفت۔ تکمیل کی یہ کوشش مخطوطے سے رجوع کا نتیجہ ہے یا سعی اصلاح و درستی کا ثمرہ — اس کی وضاحت طبع ثانی کے مرتب نے بھی نہیں کی — مضمون ہی کے ترجمے میں شعر :

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

کے بعد طبع ثانی میں یہ دو شعر اور بھی آئے ہیں :

مہرو نے بوجھ پکڑا (کذا) مشکل ہوا ہے جینا
یاراں خدا کرے خیر مشکل ہے یہ مہینا

، خط آ گیا ہے اس کے میری ہوئی سفید ریش
کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں صبح و شام

ان اشعار کا اضافہ مخطوطے پر نظر ثانی ہی کا نتیجہ ہونا چاہیے مگر اس کا کوئی ذکر نہیں۔ طبع اول میں ع: سر سے لگا کے پاؤں تک دل ہوا ہوں (میں) یہاں آبرو کے ترجمہ اشعار میں داخل ہے اور اس کے نیچے یہ نگارشہ دیا ہے۔ دوسرا مصرعہ اصل کتاب میں نہیں ہے متن میں اس کی جگہ نقطے دیے گئے ہیں۔ طبع ثانی میں دوسرا مصرع۔ بانتک پھر میں عشق کے کامل ہوا ہوں میں۔ نقطوں کی جگہ موجود ہے کہاں سے آیا۔ اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ بعض مصرعے طبع اول میں کتابت کی فروگذاشتوں کے باعث بےوزن ہو گئے ہیں مثلاً سودا کے ترجمے کے ذیل میں آنے والا یہ شعر جس کا مصرع ثانی وزن سے خارج ہے۔

نوک سے کانٹوں کی ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں خار چمن

خط کشیدہ حصہ ایک رکن کی عدم موجودگی کی طرف اشارہ سنج ہے جو شاید "یہ" ہے۔ اس طرح اس شعر کا پہلا مصرع وزن سے خارج ہے:

جادو بھرے ہیں چشم مت آئنہ کو تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں۔"

مصرع اولی کی صحیح شکل یہ ہونی چاہیے: جادو بھرے ہیں چشم تو مت آئنہ کو دیکھ۔ طبع ثانی میں بھی یہ غلطی اسی طرح ہے اور اس کے بےوزن ہونے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ بعض مقامات اور بھی ہیں جو دونوں نسخوں میں صحت قرأت سے محروم ہیں۔
مثال کے طور پر آبرو کا یہ شعر:

سجن اوروںکا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر اک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

یہاں مصرع اولی میں سجن نہیں سخن ہے جو بات کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔ اس گفتگو کا ما حصل یہ ہے کہ مرتبین کی توجہ متن سے زیادہ صاحب متن پر مبذول رہی بالخصوص طبع اول میں، جس کا اندازہ بآسانی اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ اولین اشاعت کا دامن ذیلی حواشی سے تقریباً خالی ہے۔ مولوی حبیب الرحمان خان شروانی نے اس کی ضرورت کو صرف دو بار محسوس کیا۔ ایک کی طرف اس سے پیشتر اشارہ کیا جا چکا ہے دوسرا متوازی حاشیہ میر کے اپنے اشعار کے انتخاب

میں آمدہ اس مصرع سے تعلق رکھتا ہے۔

ہووے پیوند زمین بہ رفتنی

رفتنی پر نشان بنا کر لکھا گیا ہے اصل نسخہ میں کشتنی ہے۔ متن کی اصلاحی نقطہ نظر سے قرأت کی یہ واحد مثال ہے جو اس نسخہ میں ملتی ہے جسے مرتب کے نام کی مناسبت سے 'نسخہ شروانی' کہا جا سکتا ہے مرتب ثانی مولوی عبدالحق کے نسخے میں اس کی کچھ مثالیں ضرور مل جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو ترجمہ متعلقہ میاں شرف الدین (۱۶-۱۵) میر سجاد (۷۰) شیخ محمد حاتم (۷۶) احمد گجراتی (۹۹) بانی (۱۰۱) خوشنود (۱۰۲) میرزا داؤد (۱۰۴) عاجز (۱۳۹)۔ ——— مرتب ثانی نے اشاریہ کے ساتھ مخطوطہ کے تعلیقہ کو بھی شامل کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا ہے جسے ترتیب متن کے اساسی تقاضوں میں شمار کیا جانا چاہیے اور جس سے اغماض نظر کی کوئی گنجائش نہیں۔

ڈاکٹر محمود الٰہی نے اپنے مرتبہ تذکرے (بروایت پیرس) کے مقدمے میں انجمن والے نسخے کی دونوں اشاعتوں پر ناقدانہ گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے:

"قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اشاعتوں کا متن ایک ہی خطی نسخے پر مبنی ہے نامکمل اور مبہم عبارتیں بھی دونوں میں مماثل ہیں کہیں کہیں ایسے اختلافات ضرور ملتے ہیں جن سے شبہ ہو سکتا ہے کہ دونوں اشاعتوں کا متن دو خطی نسخوں پر مبنی ہے لیکن یہ اختلافات الفاظ کے حذف و اضافے تک محدود ہیں جنہیں سہو کتابت پر محمول کیا جا سکتا ہے ——— دونوں اشاعتوں میں ایک ہی مفہوم کی دو مختلف روایتوں کی مثالیں نہیں ملتیں اور نہ جملوں کی ساخت اور ترتیب کا کوئی فرق ملتا ہے اس لیے یہ گمان ہوتا ہے کہ دونوں اشاعتیں ایک ہی خطی نسخے پر مبنی ہیں اگر دو الگ الگ نسخوں پر مبنی ہیں بھی تو انتخابات میں یقینی ہے کہ ایک کو منقول اور دوسرے کو نقل کی حیثیت حاصل ہے۔"[۱]

ایسی صورت میں کہ انجمن کی دوسری اشاعت کو منقول عنہ کیا گیا ہے اسے کسی دوسرے نسخہ پر مبنی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

۱۔ مقدمہ نکات الشعراء (روایت پیرس) ، ص ۱۶-۱۷۔

ماخذ متن

میر نے اپنے تذکرے کے ماخذ پر کوئی گفتگو نہیں کی تا اینکہ آغاز کتاب یا مقدمے میں اس کی طرف ضمنی اشارے کو بھی غیر ضروری سمجھتا گیا شعرائے عصر کا تذکرہ مرتب کرنے کے لیے ان کے خیال سے ماخذ کی نشان دہی کی کوئی خاص اہمیت بھی نہیں تھی اور پھر وہ تو اولیت کا شرف بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تاہم مختلف تراجم سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی ذاتی معلومات کے سوا دوسرے قلمی وسایل سے بھی کام لیا ہے۔ اگرچہ اسی نوع کے استفادے کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں۔

فارسی گوشعرا کے ترجموں میں انھوں نے خان آرزو کے تذکرے مجمع النفائس* کو سامنے رکھا ہے اور ایک سے زیادہ موقعوں پر اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ مرزا معز فطرت کے حال میں لکھتے ہیں:

''احوال او من و عن در تذکرہ سراج الدین علی خان صاحب مسطور''۔

اسی کے ساتھ ان کے شعر ریختہ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے ''ہمچوں مسموع است کہ این شعر ریختہ شاعر مرقوم گفتہ'' جس کے یہ معنی ہیں کہ اس شعر کے بارے میں ان کی معلومات سماعی ہیں۔ مرزا گرامی کے بارے میں یہی ظاہر کیا ہے کہ ان کا تذکرہ احوال خان صاحب کے تذکرے سے ماخوذ ہے۔ حضرت امیر خسرو اور مرزا عبدالقادر بیدل کے ترجموں میں ''تذکرہ ھا'' کا لفظ آیا ہے جس سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہوتا ہے کہ خان آرزو کے تذکرے کے علاوہ دوسرے فارسی تذکرے بھی ان کی نظر میں رہے۔

ریختہ گو شعرا کے بارے میں معلومات کی نوعیت دوسری ہے۔ ان سے متعلق ان کی معلومات یا تو سماعی ہیں یا ذاتی واقفیت پر مبنی ہیں۔ حصول معلومات کے لیے انھوں نے ''زیادہ تفحص و تجسس سے کام نہیں لیا اور ایک سے زیادہ موقعوں پر یہ لکھ دیا ''بر احوالش اطلاع نہ دارم'' بعض اہل ترجمہ سے ان کی واقفیت سرسری ہے ایک دو بار ان کو دیکھا ہے یا پھر محفل مشاعرہ میں دید شنید ہوئی ہے۔ اس کے مقابلے میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کی خدمت میں ان کو نیاز حاصل ہے۔ بعض ان کے اعزا ہیں اور بعض دیرینہ احباب میں سے ہیں کچھ ان کے شاگرد بھی ہیں۔

ولی کے بارے میں ان کی معلومات سماعی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

---

*سراج الدین علی خان آرزو متوفی ۱۱۶۹ھ کے اس تذکرہ کا سال اتمام بیدار کی کہی ہوئی تاریخ گلزار و خیال اہل معنی جہان ۱۱۶۴ھ ہے۔

۱۱۶۴

ملاحظہ ہو تذکرہ دستور الفصاحت مرتبہ مولینا امتیاز علی خان عرشی، ۳۴۔

"می گویند در شاہجہان آباد دہلی نیز آمدہ بخدمت میاں گلشن صاحب رفت و از اشعار خود پارۂ خواند۔"[1]

آبرو یکرنگ اور بعض دوسرے شعرائے قدیم کا تذکرہ بھی "می گویند" کے ساتھ آیا ہے۔محمد فقیہہ دردمندکا ترجمہ اس سے کچھ مختلف صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے:

"ہر چند کہ یک دو ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم۔ اشعار او ہم بگوش فقیر لہ رسیدہ"۔[2]

مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ ناصر عندلیب ان بزرگ افراد میں سے ہیں جن کی خدمت میں میر صاحب نیاز مندانہ حاضری کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ درد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اکثر اوقات فقیر در خدمت آں بزرگوار شرف اندوز می شد۔"[3]

مرزا مظہر کے لیے بھی اعزاز و احترام کے یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ "بندہ خدمت او و فقیہہ سعادت اندوز گشتہ است۔"[4] میر سعادت علی سے رسم و راہ کی نوعیت دوسری ہے ان سے میر کے تعلقات ایک زمانہ میں بہت گہرے تھے۔ "با بندہ ربط بسیار داشت۔" نجم الدین سلام ان کے عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ بے تکلف دوست بھی ہیں۔

ہمیشہ اتفاق باہم نشستن و فکر شعر کردن و گپ زدن می افتد"۔[5]

سیر و تفریح کے مواقع بھی آتے رہتے ہیں سلام ہی کے ترجمے میں آگے چل کر لکھا ہے:

"یک روز در عرس سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز بندہ نیز، بہ تحریک یاران موافق رفتہ بود و او ہم تشریف می داشت چون مرا از دور دید گفت کہ خوش باشد کہ من درین ایام دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام"[6]۔

ایسے مجامعوں اور محفلوں میں سنے ہوئے اشعار ان کی بیاض حافظہ میں بھی رہ گئے ہوں گے۔

اس کے ساتھ انھوں نے اپنے زمانہ کے صاحب دیوان شعرا کے دواوین کو بھی تذکرے کی ترتیب کے وقت سامنے رکھا۔ مضمون کے دیوان کی بابت لکھا ہے۔ "ہمہ جہت دو صد بیت خواہد بود" محمد شاکر ناجی کے دیوان کے "اشعار جستہ جستہ" کے انتخاب کا ذکر کیا ہے۔ اپنے معاصر سودا کے کلام سے متعلق یہ اطلاع فراہم کی ہے:

"غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب می گوید

۱۔ نکات الشعراء طبع ثانی، ۹۰۔

۲۔ ۱۱۷۔ ۳۔ ۵۰۔ ۴۔ ۲۷۔ ۵۔ ۱۳۲۔

۶۔ نکات الشعراء طبع ثانی، ۱۳۲۔

، قصیدہ در ہجو اسب گفتہ بہ تضحیک روزگار''[1]۔

شیخ محمد حاتم کا دیوان صرف ردیف میم تک ان کے ہاتھ آیا ہے۔ ''دیوانش تا ردیف میم بدست آمدہ ۔ ۔ ۔''[2] ان اطلاعات سے ان کے قلمی ماخذ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

شعرائے دکن کے بارے میں ان کی معلومات کا وسیلہ سید عبدالولی عزلت کی ذات اور ان کی ذاتی بیاض ہے۔ سید صاحب اس وقت دہلی میں مقیم اور میر صاحب سے ان کے کافی اچھے مراسم تھے۔ میر سراج اورنگ آبادی کے ترجمے میں لکھتے ہیں ''ہمین قدر از بیاض سید مذکور مستفاد می گردد''۔[3] عارف علی خان عاجز کے بارے میں یہ فقرہ آیا ہے ''از زبان سید مذکور بوضوح می پیوندد۔''[4] حسب کے سلسلے میں بھی کچھ ایسی ہی صورت ہے:

''احوالش معلوم نیست از بیاض سید مذکور نوشتہ می شود''[5]

نکات الشعرا میں اکثر شعرا کا ترجمہ احوال اور انتخاب مختصر ہے۔ بایں ہمہ بعض تراجم کے ذیل میں اچھی خاصی معلومات جمع کی گئی ہیں اور طویل انتخابات شامل تذکرہ کیے گئے ہیں۔ آبرو، یکرنگ، تاجی، سودا، محمد حسین کلیم، خواجہ میر درد، میر سجاد، شاہ حاتم، انعام اللہ خان یقین، عبدالحئی تاباں، قایم اور محمد محسن ایسے ہی شعرا میں ہیں جن کے انتخابات کافی دامن دار ہیں۔ اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ میر نے ان کے دواوین یا مجموعہ ہائے اشعار ضرور دیکھے ہیں۔ میر نے خود اپنا انتخاب ۲۳٦ شعروں میں دیا ہے۔

ایک معاصر تذکرہ ہونے کی وجہ سے اس کے مختلف ترجموں میں شعرائے عصر سے متعلق گوناگوں روایتیں موجود ہیں جنہیں عصری معلومات کہنا چاہیے اور جن کے پس منظر میں اس وقت کی ادبی فضا تہذیبی ماحول اور معاشرت کی پرچھائیاں موجود ہیں۔ مولوی حبیب الرحمن خان شروانی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''نکات الشعرا ۔ ۔ ۔ ادبی تاریخی اور معاشرتی معلومات اور فوائد سے مالا مال ہے۔''[6]

مثلاً میر محمد حسین کلیم نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں اپنے عہد کے تمام ریختہ گو شعرا کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح میاں عزیز اللہ خان نے ایک ایسی غزل لکھی ہے جس میں تمام اولیا اللہ کا ذکر آیا ہے۔ جعفر علی خان ذکی سے محمد شاہ بادشاہ نے مثنوی حقہ کہنے کی فرمائش کی تھی مگر وہ دو چار شعر ہی لکھ سکے

۱- ۳۱۔ ۲- ۷۵۔ ۳- ۹۵۔ ۴- ۱۴۸۔ ۵- ۱۰۴۔
٦- نکات الشعرا، طبع اول، ۱۔

بعد میں آسے شیخ حاتم نے پورا کیا - میاں کمترین کے ترجمہ میں مجلس مراختہ کا ذکر آیا ہے اور اس ضمن میں لکھا گیا ہے کہ یہ لفظ "بوزن مشاعرہ" تراشا گیا ہے - یہ عبدالرسول نثار کے ترجمے میں نیکو سیر کے ہنگامے کی طرف اشارہ ہے جو فرخ سیر کے دور کا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے :

"در عہد فرخ سیر کہ ہنگامہ نیکو سیر در اکبر آباد گرم شدہ"۔

بے نوا شاعر کے احوال میں عہد محمد شاہی کے ایک بلوے کی طرف اشارہ ہے جس میں سنکرن نامی ایک جوہری بچہ نے ایک جوتہ فروش کو قتل کر دیا تھا - اس کا تذکرہ قایم نے بھی کیا ہے -[1]

شاہجہان آباد ایک شاہی شہر ہونے کی وجہ سے اس عہد میں شعر و ادب کا ایک بڑا مرکز ہے جہاں فارسی زبان و ادب کے اساتذہ اور اکابر سخن موجود ہیں لیکن اب رفتہ رفتہ ریختہ گوئی فارسی شاعری کی جگہ لے رہی ہے - مرزا گرامی کے ترجمہ میں میر نے لکھا ہے :

"چوں دید کہ ہنگامہ ریختہ گرم شد خودش نیز شعر ریختہ گفت"۔

اہل دہلی "زبان اردوے معلی شاہجہان آباد" پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اس کے محاورہ اور روزمرہ کو "محک اعتبار" سمجھتے ہیں اور مضامین فارسی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ و اکتساب چاہتے ہیں - جس کا ذکر ولی کے ترجمے میں آیا ہے کہ جب وہ شاہ سعد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا کلام سنایا تو انھوں نے مشورہ دیا :

"این ہمہ مضامین فارسی را کہ بیکار افتادہ اندر در ریختہ خود بکار ببر از تو کہ محاسبہ خواہد کرد"۔

شعرائے دکن کے بارہ میں میر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا لب و لہجہ اہل دہلی اور شعرائے عصر کے لسانی و ادبی رجحان کی نمایندگی کرتا ہے -

---

۱- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں مقالات شیرانی ، جلد ص - اوریئنٹل کالج میگزین شمارہ ، ص -

مطبوعات

بسلسلہ پندرھویں صدی ھجری تقاریب

پندرھویں صدی ھجری کے استقبال کی تقریبات میں کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ جامعۂ پنجاب نے مندرجہ ذیل نادر کتابیں پیش کی ھیں :

۱۔ ابوالعباس المبرد کے احوال و آثار (بزبان انگریزی)
تحقیق ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک، شعبۂ عربی
مجلد ۴۷ روپے - غیر مجلد ۳۵ روپے

۲۔ کتاب القرط علی الکامل لا بن السید البطلیوسی و الوقشی تحقیق ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، شعبۂ عربی
مجلد ۱۰۵ روپے - غیر مجلد ۹۵ روپے

ناشر :
کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ
پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

ڈاکٹر خورشید حمرا صدیقی*

ترقی کے اسلاف

ترقی کے مورث اعلیٰ سید شمس الدین جو اکیس واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (ساتویں امام) کی اولاد میں تھے، نجف اشرف میں رہتے تھے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے انہیں بلا کر قاضی القضاۃ کیا اور نیشا پور میں بہت سی املاک و جاگیر عطا کی۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا سید محمد جعفر تھا۔ سید محمد جعفر کے دو بیٹے تھے ایک سید محمد امین اور دوسرے سید محمد، سید محمد امین کے ایک بیوی سے دو بیٹے میر محمد نصیر اور میر محمد یوسف[1] تھے۔ مگر مفتی ولی اللہ[2] نے میرزا نصیر اور میرزا یوسف کو سید محمد کا بیٹا بتایا ہے۔

لیکن سید کمال الدین حیدر[3] نے میر محمد نصیر کو میر محمد یوسف کا چچا زاد بھائی بتایا ہے۔ میر محمد یوسف کے چار بیٹے تھے۔ (۱) سید محمد خان، (۲) میرزا شاہ میر خان، (۳) میرزا امیر خان اور (۴) میرزا جعفر۔[4]

میر محمد یوسف کے ایک بیٹی تھی جس کی شادی میر محمد نصیر کے بیٹے میر محمد امین یعنی نواب سعادت خاں برہان الملک سے ہوئی تھی۔ میر محمد یوسف کے املاک بہت تھی اس لیے میر محمد امین کو خانہ داماد کیا۔ میر محمد نصیر اپنے بیٹے میر محمد باقر کے ساتھ بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالمگیر[5] کے عہد میں ۱۱۱۸ھ میں ہندوستان آئے۔ میر محمد امین ۱۱۲۰ھ میں ہندوستان آئے۔[6]

میر محمد نصیر کی بڑی بیٹی یعنی برہان الملک کی بڑی بہن کی شادی جعفر

---

*لیکچرر شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی، جموں (کشمیر)

۱۔ نجم الغنی خاں، تاریخ اودھ جلد اول، ص ۱۳ اور سید غلام علی خاں، عماد السعادت، ص ۵۔

۲۔ مفتی مولوی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد، ص ۲۲۔

۳۔ سید کمال الدین حیدر، سوانحات سلاطین اودھ جلد اول، ص ۱۹۔

۴۔ نجم الغنی خاں، تاریخ اودھ جلد اول، ص ۹۹۔ (مصنف نے مرزا شاہ میر خاں اور مرزا امیر خان لکھا ہے جب کہ میرزا ہونا چاہیے)۔

۵۔ مولوی مفتی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد، ص ۲۲۔ لیکن سید کمال الدین حیدر نے سوانحات سلاطین اودھ جلد اول، ص ۲۰ پر فرخ سیر کا عہد لکھا ہے۔

۶۔ مولوی مفتی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد، ص ۲۲۔

خان بیگ خلف محمد قلی خان بیگ سے ہوئی جس کے دو لڑکے مرزا محسن اور مرزا محمد مقیم ہوئے ۔ مرزا مقیم کو ان کے ماموں سعادت خاں برہان الملک نے نیشا پور سے ہندوستان بلا کر ان کی شادی اپنی سب سے بڑی بیٹی صدر جہاں بیگم سے کر دی تھی ۔ ان کو محمد شاہ کی طرف سے ابو المنصور خان صفدر جنگ کا خطاب عطا ہوا تھا ان کے بیٹے شجاع الدولہ اور شجاع الدولہ کے بیٹے آصف الدولہ ہوئے۔

میرزا شاہ میر خاں کا بڑا بیٹا میرزا محمد یوسف بڑا زبردست تھا ۔ تمام ایران میں اس جیسا کوئی دوسرا نہ تھا ۔ اسی وجہ سے نادر شاہ نے گرفتار کرکے اندھا کرا دیا تھا اسی لیے یہ میرزا محمد یوسف کور کے نام سے مشہور ہوئے ۔ میرزا محمد یوسف کی شادی جعفر خاں بیگ کے چھوٹے بھائی مرزا محمد شفیع کی سب سے چھوٹی بیٹی سے ہوئی تھی ۔ جن سے تین لڑکے ہوئے ۔ بڑا بیٹا سید محمد خاں دوسرا شاہ میر خاں اور تیسرا میرزا محمد امین خاں ۔ میرزا محمد یوسف کی دوسری شادی میرزا محمد باقر کی بیٹی سے ہوئی تھی اور ان سے دو بیٹے ، میرزا جعفر اور مرزا غیاث الدین محمد خاں تھے جو روضۂ حضرت امام رضا علیہ السلام کے فراش خانے کے داروغہ تھے ۔ میرزا محمد یوسف کور کے تیسرے بیٹے میرزا محمد امین خاں کی شادی نصیر الدین حیدر خاں بیگ کی چھوٹی بیٹی یعنی نواب برہان الملک کی نواسی انجم النساء بیگم مشہور کھیتو بیگم سے ہوئی۔ میرزا محمد امین کی کھیتو بیگم سے جو اولاد ہوئی اس کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں ۔

سید کمال الدین حیدر[1] نے لکھا ہے کہ چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں بڑا بیٹا میرزا محمد نصیر خاں دوسرا میرزا محمد تقی خاں (یہی میرزا محمد تقی خاں آگے چل کر شاعر ہوئے اور ترقی تخلص اختیار کیا) ان سے چھوٹی بہن قدسیہ بیگم اور چھوٹے بھائی میرزا علی نقی عرف میرزا حجو اور ان سے چھوٹی بہن سات برس کی ہو کر مر گئی ۔ ان کا سب سے چھوٹا بھائی میرزا محمد یوسف عرف میرزا ابو سترہ[2] برس کے سن میں شہ سواری کے سبب گھوڑے سے گر کر مر گیا تھا ۔ ان کی ماں کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا ۔ محمد فیض بخش[3] نے تاریخ فرح بخش میں چار بیٹوں اور ایک بیٹی کا ذکر کیا ہے سید غلام علی خاں[4] نے صرف چار بیٹوں کا ذکر

۱- سید کمال الدین حیدر ، سوانحات سلاطین اودھ جلد اول، ص ۲۶ ۔

۲- سید کمال الدین حیدر ، سوانحات سلاطین اودھ جلد اول ، ص ۲۶ پر سولہ لکھا ہے لیکن دوسری مذکور کتب میں سترہ برس کا سن لکھا ہے ۔

۳- محمد فیض بخش ، تاریخ فرح بخش (قلمی) ورق ۲۵۶

۴- سید غلام علی خاں ، عماد السعادت ، ص ۲۹ ۔

کیا ہے -

وضاحت کے لیے میرزا محمد تقی خاں کا شجرہ نسب آئندہ صفحے درج کیا جاتا ہے۔

میرزا محمد تقی بن محمد امین بن میرزا محمد یوسف بن میرزا شاہ میر خان بن میر محمد یوسف بن سید محمد امین بن سید محمد جعفر بن قاضی میر شمس الدین شہید نجفی[1] بن سید محمد بن سید غیاث الدین محمد بن سید علی بن سید[2] سراج الدین علی بن سید اسحاق بن سید محمد بن سید یحیی بن سید غیاث الدین محمد بن سید محمد ثانی[3] بن سید موسی بن سید قاسم بن سید علی ثانی بن سید جعفر بن سید حسین المقدم[4] بن سید عبدالحیی بن سید عمر بن سید ارقم بن سید عبدالقادر بن سید تاج الدین بن سید فخر الدین[5] بن سید زید بن موسی[6] کاظم علیہ السلام -

---

۱- سید کمال الدین حیدر ، سوانحات سلاطین اودھ ، ص ۳۱ پر نجفی لکھا ہے -

۲- سید کمال الدین حیدر ، کتاب مذکور میں یہ نام نہیں - وزیر امیر علی خاں وزیر نامہ ، ص ۷۲ اور سید غلام علی خاں عماد السعادت ، ص ۳۰ پر یہ نام ہے -

۳- وزیر کتاب مذکور ، غلام علی خاں ، کتاب مذکور میں یہ نام ہے اور سید کمال الدین حیدر کتاب مذکور میں نہیں -

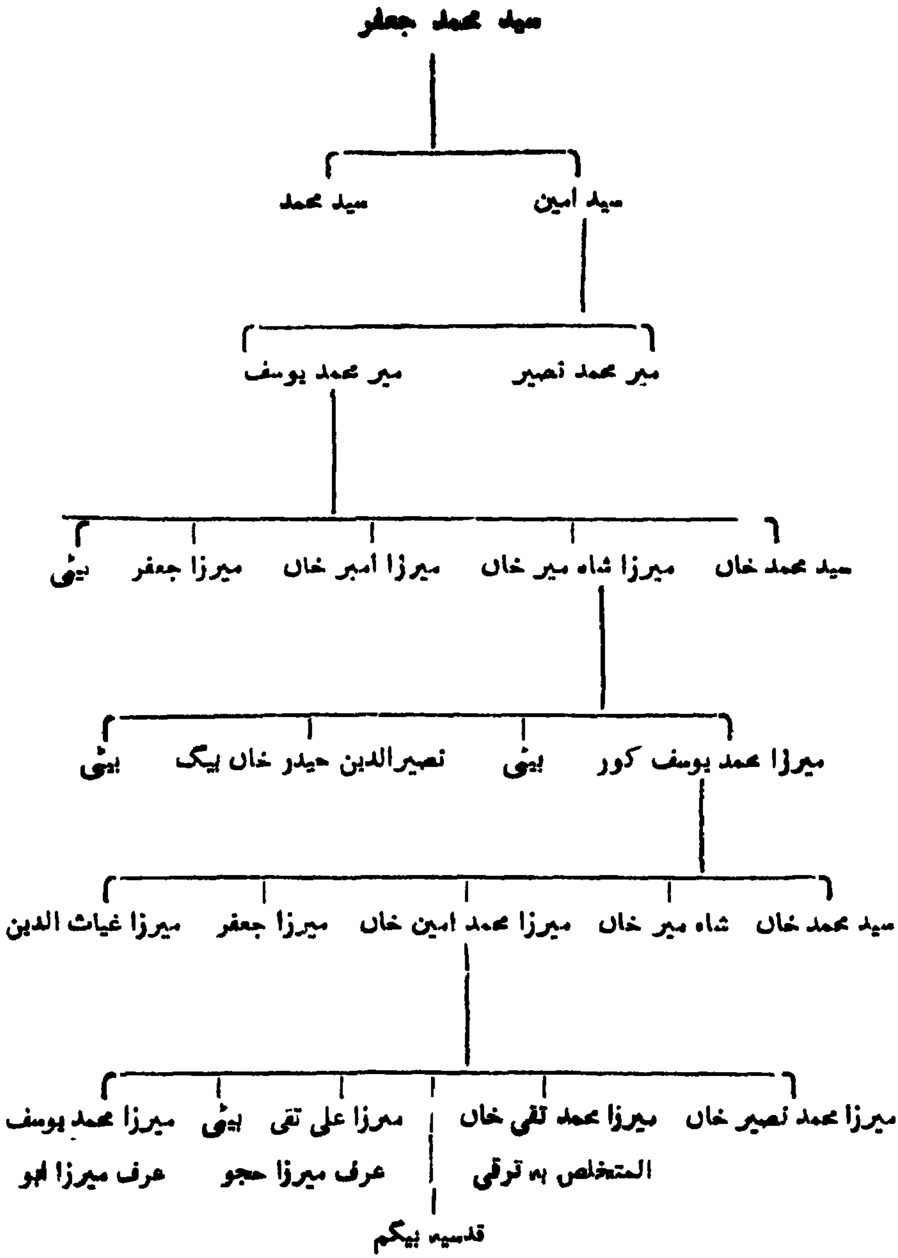
۴- وزیر کتاب مذکور اور غلام علی کتاب مذکور میں محیی الدین ہے -

۵- وزیر ، کتاب مذکور غلام علی خاں کتاب مذکور میں اسی طرح ہے لیکن کمال الدین حیدر کتاب مذکور میں محی الدین ہے -

۶- وزیر ، کتاب مذکور غلام علی ، کتاب مذکور ، کمال الدین کتاب مذکور میں محمد زاہد یا شہید لکھا ہے اور فخر الدین اور زاہد میں سید علی کا واسطہ ہے -

نوٹ : نجم الغنی خاں تاریخ اودھ جلد اول ، ص ۱۲-۱۳ میں سب نام اسی طرح لکھے ہیں -

ترقی کا شجرۂ نسب



سید عارف نوشاہی*

مخطوطات ذخیرۂ شیرانی کا مکرر اجمالی جائزہ

(۱)

اورینٹل کالج میگزین (لاہور) کے شیرانی نمبر، جلد ۵۶، شمار ۳-۴، شمارہ مسلسل ۲۲۲-۲۲۳ میں صفحہ ۱۱۳ تا ۱۳۲ جناب ڈاکٹر محمد بشیر حسین کا مقالہ بعنوان ''مخطوطات ذخیرۂ شیرانی کا اجمالی جائزہ'' شائع ہوا ہے ۔ جس میں ذخیرۂ شیرانی کے اہم نسخوں پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے ۔

محترم ڈاکٹر صاحب ہم سب سے بیشتر ذخیرہ تک رسائی رکھتے ہیں اور اس کے مخطوطات سے آگاہ اور ان کے مقام کے معترف ہیں۔ ان کی مرتبہ ''فہرست مخطوطات شیرانی''(فارسی مخطوطات) تین جلدوں میں علی الترتیب ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۳ء میں لاہور سے شائع ہو چکی ہے ۔ اب شیرانی مرحوم کی صد سالہ تقریب ولادت کی مناسبت سے ڈاکٹر صاحب نے اپنی اسی فہرست سے اپنے مذکورہ بالا مقالہ میں ذخیرہ شیرانی کے بعض نادر مخطوطات کا ملخص تعارف پیش کیا ہے ۔

(۲)

جناب ڈاکٹر محمد بشیر حسین ایسے فہرست نگار اور علمی شخصیت کی وساطت سے اس عظیم ذخیرۂ مخطوطات (ذخیرہ شیرانی) کی ایک مختصر فہرست شائع ہوئی ہے تو اہل تحقیق جناب ڈاکٹر صاحب سے ، اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ موصوف آئندہ جب کبھی مخطوطات شیرانی پر قلم اٹھائیں ان ابہامات کو دور کرتے جائیں جو ان کی شائع کردہ مجمل فہارس میں رہ گئے تھے ۔

۱۹۶۸ء سے لے کر اب ۱۹۸۱ء تک متعدد نئی فہارس مخطوطات و مطبوعات شائع ہو چکی ہیں جن سے استفادہ کے بعد ہم نے یہاں عجالتاً صرف چند فہارس کی مدد سے ذخیرہ شیرانی کے نوادر میں سے اٹھائیس (۲۸) کتب کے بعض مزید نسخوں کی نشان دہی کی ہے ۔ ہمارا مقصد کسی طور پر بھی ذخیرۂ شیرانی یا اس کے متعارفہ مخطوطات کی ندرت اور اہمیت کو کم کرنا نہیں لیکن فہرست مخطوطات شیرانی کی اشاعت کے بعد جو قلمی نسخے سامنے آئے ہیں ان کی نشان دہی ضروری ہے ۔

---

* مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ، راولپنڈی ۔

(۳)

صفحہ ۱۲۳

فارسی (مخطوطات)

عدد مسلسل ۳۔ تاریخ مظفری از محمد علی خان انصاری ۔

اس تاریخ کے برٹش میوزیم لندن میں تین، کتب خانہ آصفیہ (ہند) میں دو، سالار جنگ میوزیم (ہند) میں دو ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور اور انجمن ترقی اردو ، کراچی میں ایک ایک نسخہ ہے ۔ (نسخہ ها ۲ : ۲۱-۲۶۲۰م) ۔

عدد مسلسل ۱۲۔ انیس العاشقین از گھاسی رام ۔

دوسرا نسخہ کتابخانہ گنج بخش ، راولپنڈی میں ہے ۔ (تسبیحی ۲ : ۲۱۲م) ۔

عدد مسلسل ۱۶۔ مجمع النوادر از صدر جہاں ۔

دوسرا نسخہ کتابخانۂ الریاض ۔ جی ۔ معین الدین ، لاہور میں ہے ۔ (مشترک)۔

صفحہ ۱۲۴

عدد مسلسل ۲۰۔ دوستان خیال از یکتاش قلی ۔

مصنف کا نام یکتاش قلی ہے ۔ اس کتاب کے دانشگاہ تہران میں تین ، کتابخانۂ عبدالحسین بیات ، تہران اور کتابخانۂ عارف حکمت ، مدینہ میں ایک ایک نسخہ موجود ہے ۔ (نسخہ ها ۳ : ۲۶۶۸-۶۹) ۔

عدد مسلسل ۲۲۔ دیوان برکت اللہ ۔

دوسرا نسخہ نیشنل میوزیم ۔ کراچی میں بذیل شمارہ ۹۰-۲-۱۹۵۹ موجود ہے ۔ (نوشاہی) ۔

عدد مسلسل ۲۸۔ دیوان سالک قزوینی ۔

دوسرا نسخہ کتابخانہ مجلس ۔ تہران میں ہے ۔ (نسخہ ها ۳ : ۲۳۴۴) ۔

عدد مسلسل ۳۰۔ دیوان صامت اصفہانی ۔

دوسرا نسخہ نیشنل میوزیم کراچی میں بذیل شمارہ ۳/۹۱۵-۱۹۵۷ موجود ہے ۔ (نوشاہی) ۔

عدد مسلسل ۳۱۔ دیوان طرزی افشار ۔

اس دیوان کے مزید دو نسخے کتابخانہ ملک ، تہران ، اور ایک ایک نسخہ کتابخانۂ مجلس ، تہران اور کتابخانۂ امیر المومنین ، نجف میں ہے ۔ (نسخہ ها ۳ : ۲۳۱۵) ۔

عدد مسلسل ۳۵۔ دیوان مادح ۔ بے نقط نعتوں کا مجموعہ ۔

برصغیر میں شائع ہو چکا ہے ۔

عدد مسلسل ۴۳- دیوان نفعی اتندی -
مدینه اور قاہرہ میں بھی اس دیوان کے مخطوطات موجود ہیں - (نسخہ ہا ۲ : ۳۵۸۴) -

صفحہ ۱۲۵

مثنوی گل بہار از محمد اویس کے مزید دو نسخے نیشنل میوزیم کراچی میں بذیل شمارہ ہائے ۲۳/۲۳۷-۱۹۵۷ اور ۳۰۳-۱۹۷۱ موجود ہیں - (نوشاہی) -
عدد مسلسل ۴۱- الہی نامہ از خواجہ عبداللہ انصاری -
یہ رسالہ ''کلمات'' کے نام سے بھی مشہور ہے - نسخہ ہا ۳ : ۱۰۳۸ و ۱۳۲۲۹ میں بذیل ''الہی نامہ'' اس کے مزید گیارہ اور بذیل ''کلمات'' نوے دیگر مخطوطات کا تعارف درج ہوا ہے - نیز یہ رسالہ برلن اور تہران سے شائع بھی ہو چکا ہے -
عدد مسلسل ۴۳- برہان العارفین از ابو الحسن خرقانی -
صرف کتابخانہ گنج بخش، راولپنڈی میں اس رسالہ کے مزید پندرہ نسخے پائے جاتے ہیں - (گنج بخش ۲ : ۹۹-۸۹۷) -
عدد مسلسل ۴۸- حقایق الایمان -
فہرست مخطوطات شیرانی ۲ : ۲۱۵ اور ۲۶۵ میں اسے عبدالخالق غجدوانی کی وصایا بھی بتایا گیا ہے - ان وصایا کا دوسرا نسخہ نیشنل میوزیم، کراچی میں بذیل شمارہ ۲/۲۱۲-۱۹۵۸ موجود ہے - (نوشاہی) -
عدد مسلسل ۵۱- رسالہ الکشفیہ از خواجہ محمد پارسا -
ایک نسخہ کتابخانہ ملک، تہران میں (نسخہ ہا ۲ : ۱۳۲۰) اور کتابخانہ ملی، تہران میں ہے - (مجلہ نور اسلام، شرق پور - مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء، ص ۵۰) -
عدد مسلسل ۵۲- رسایل عزیز الدین نسفی -
نسخہ ہا کی جلد دوم، حصہ اول و دوم میں عزیز نسفی کے چون (۵۴) رسائل مذکور ہیں - (نسخہ ہا ۲/(۲) : ۱۸۰۶ فہرست رسایل نسفی) -
عدد مسلسل ۵۳- شرح بیتی از گلشن راز از علامہ جلال الدین دوانی -
اس شرح کے غیر ممالک میں چودہ مزید نسخے موجود ہیں - (نسخہ ها ۲ : ۱۲۲۰-۲۲) - جب کہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے (عباسی، ضمیمہ ۱ : ۱۰) -
عدد مسلسل ۵۴ - رسالہ صیحت و صدا - از دوانی -
نسخہ ها ۲ : ۱۲۷۲ میں مزید بارہ نسخوں کا بھی ذکر ہے -
عدد مسلسل ۵۹- لمعات جامی -
فہرست مخطوطات شیرانی ۲ : ۳۴۳ اس کتاب کا اسی عنوان کے ساتھ قدرے

تفصیلی تعارف درج ہوا ہے اور لکھا گیا ہے ''پروفسور شیرانی این را اثر مولانا جامی احتمال داده است'' بلاشبہ یہ کتاب جامی کی ہے لیکن اس کا نام ''لمعات'' نہیں بلکہ ''لوامع انوار الکشف و الشہود علی قلوب ارباب الذوق و الجود'' ہے جو ابن فارض کے قصیدۂ خمریہ کی شرح ہے۔ اس کے نہ صرف متعدد مخطوطات موجود ہیں (نسخہ ھا ۲ : ۱۳۰۲۸-۵۰) بلکہ یہ تہران سے شائع بھی ہو چکی ہے۔ (مشار ۳ : ۵ ۴۴)۔

عدد مسلسل ۶۴۔ گنج الاسرار۔ ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی۔

یہ خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات ہیں جو خواجہ معین الدین چشتی نے جمع کیے تھے۔ کتابخانہ گنج بخش راولپنڈی میں اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ گنج بخش ۲ : ۷۷۰)۔

عدد مسلسل ۶۵۔ رسالۂ تہلیلہ از دوانی۔

بیرون پاکستان اس کے تیس (۳۰) مزید مخطوطات پائے جاتے ہیں (نسخہ ھا ۱ : ۳۶)۔ نیشنل میوزیم، کراچی میں ایک نسخہ بذیل شمارہ ۱۲۳-۵۲۸ موجود ہے۔ (نوشاہی)۔

صفحہ ۱۲۶

عدد مسلسل ۶۷۔ شرف السادات از شہاب الدین دولت آبادی۔

ایک نسخہ کتابخانہ گنج بخش، راولپنڈی میں (گنج بخش ۲ ۵۳۸۰) اور دوسرا نیشنل میوزیم کراچی میں بذیل شمارہ ۲ ۹۲-۱۹۵۸ موجود ہے۔ (نوشاہی)۔

عدد مسلسل ۶۹۔ قیامت نامہ از شاہ رفیع الدین دہلوی۔

اس رسالہ کے تین مزید مخطوطات نیشنل میوزیم، کراچی میں ہیں (نوشاہی) اور یہ پشاور سے شائع بھی ہو چکا ہے۔

عدد مسلسل ۷۳۔ اختیارات کتب شاہی۔

صحیح نام ''اختیارات قطب شاہی'' ہے۔

عدد مسلسل ۷۵۔ دستور الصید از محمد رضا۔

برٹش میوزیم، لندن میں دوسرا نسخہ موجود ہے۔ (نسخہ ھا ۱ : ۳۹۸)۔

عدد مسلسل ۷۶۔ دستور الہنود از امان اللہ فیروز جنگ۔

دوسرا نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی میں ہے۔ (انجمن : ۶۱)۔

(۴)

کمیاب نسخے

صفحہ ۱۲۹

''مثنوی کنز الحقایق از پہلوان محمود ۔۔۔ جس کا دوسرا نسخہ صرف انڈیا

افس لائبریری میں ہے''۔

تہران میں اس مثنوی کے چار، مشہد میں ایک اور برٹش میوزیم میں بھی ایک مزید نسخہ موجود ہے (نسخہ ها ۳ : ۶۰-۳۰۵۹)۔ نیشنل میوزیم، کراچی کا نسخہ ن م/۹۱۲-۱۹۵۷ بھی قابل ذکر ہے۔ (نوشاہی)۔ ادھر تہران سے یہ مثنوی شائع ہو چکی ہے (مشار ۳ : ۴۱۰۸)۔

(۵)

قدیم ترین نسخے

صفحہ ۱۳۰

''مفاتیح الاعجاز۔۔۔کا قدیم ترین نسخہ مکتوبہ ۹۱۵ھ''۔

مفاتیح الاعجاز کے بعض کتب خانوں میں اس سے قدیم تر نسخے بھی موجود ہیں مثلاً جامع گوہر شاد، مشہد کا نسخہ مکتوبہ ۸۸۲ھ، دارالکتب، قاہرہ کا نسخہ مکتوبہ ۸۸۵ھ، کتابخانہ مجلس تہران کا نسخہ مکتوبہ ۹۰۰ھ اور ۹ھ (نسخہ ها ۲ : ۱۳۰۲ و ۵ : ۳۵۱۲)۔

بعض مقامات پر فاضل مقالہ نگار کی فنی تفکیک اور ترتیب بھی محل نظر ہے۔ مثلاً ص ۱۱۶، عدد مسلسل ۲ ''عین الحیوۃ'' از محمد باقر مجلسی کا موضوع احوال و فضایل مشائخ اسلام اور تاریخ ۱۰۷۳ھ درج ہے۔ حالانکہ یہ کتاب رسول اکرم(ص) کی حضرت ابوذر غفاری کو وصیت کی شرح ہے اور ۱۰۷۳ھ اس کا سنہ تالیف (شرح) ہے۔ (نسخہ ها ۲ : ۱۶۳۹-۵۰)۔

ص ۱۳۰ پر عبداللہ توران پشتی کی ''المعتمد فی المعتقد'' کو تصوف کی کتاب بتایا گیا ہے حالانکہ یہ عقائد و کلام پر مبنی ہے۔

مخففات و منابع

انجمن	مخطوطات انجمن ترقی اردو (فارسی، عربی)، اجمالی فہرست۔ مرتبہ سید سرفراز علی، از مطبوعات انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۶۷ء۔
تسبیحی	فہرست نسخہ های خطی کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ تالیف محمد حسین تسبیحی جلد دوم، از انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی ۱۹۷۳ء۔
عباسی	تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور، ضمیمہ ۱، از منظور احسن عباسی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء۔

گنج بخش — فهرست نسخه های کتابخانهٔ گنج بخش تالیف احمد منزوی ، جلد دوم ، از انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ، اسلام آباد ، ۱۹۷۸ء

مشار — فهرست کتابهای چاپی فارسی از خانبابا مشار ، جلد چهارم ، مطبوعه تهران ، ۱۳۵۳ شمسی -

مشترک — فهرست مشترک نسخه های خطی فارسی پاکستان از احمد منزوی - مسوده مخزونه کتابخانهٔ گنج بخش ، راولپنڈی -

نسخه ها — فهرست نسخه های خطی فارسی تالیف احمد منزوی ، مطبوعه تهران جلد اول ۱۳۴۸ ش ، جلد دوم ۱۳۴۹ ش ، جلد سوم ۱۳۵۰ ش ، جلد چهارم ۱۳۵۱ ش ، جلد پنجم ۱۳۵۱ ش ، جلد ششم ۱۳۵۳ ش -

نوشاهی — فهرست نسخه های خطی فارسی موزهٔ ملی پاکستان ، کراچی از سید عارف نوشاهی ، مسوده مخزونه کتابخانهٔ گنج بخش ، راولپنڈی -

اختر راہی*

رسائل و جرائد سے استفادے کی صورت

(۱)

یہ حقیقت کسی طویل بحث و تمحیص کی محتاج نہیں کہ رسائل و جرائد علمی تحقیقات کا ایک اہم ماخذ ہیں۔ تاریخ و ثقافت کے بعض پہلو اخبارات اور رسائل کے مطالعہ ہی سے واضح ہوتے ہیں۔ رسائل و جرائد کی اہمیت کے پیش نظر ان سے استفادہ ممکن اور آسان ہونا چاہیے۔ ہمارے ہاں ماضی قریب میں اخباروں اور رسالوں کے تحفظ کی پوری کوشش نہیں کی گئی۔ یہی سبب ہے کہ بعض عہد ساز اخبارات اور رسائل کی مکمل جلدیں پاکستان کے کسی معروف کتب خانے میں موجود نہیں تاہم ہر بڑے کتب خانے میں اخبارات اور رسائل کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ موجود ہے مگر اس ذخیرے سے بھی استفادہ محدود ہے۔

رسائل و جرائد سے استفادہ جب ہی بہتر طور پر ممکن ہے کہ تمام کتب خانوں میں محفوظ رسائل و جرائد کی فہرستیں مرتب ہوں اور چھپ جائیں۔ اس سمت میں جن کتب خانوں اور علمی اداروں نے اقدام کیے ہیں۔ ذیل میں اختصار سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۲)

۱۔ احمد خاں

فہرست مجلات۔ کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد۔

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے کتب خانے میں رسائل و جرائد کا ایک وقیع ذخیرہ ہے۔ ۱۹۷۶ء تک جمع شدہ رسائل کی فہرست تیار کی گئی اور سائیکلو سٹائل شکل میں اہل قلم کو مہیا کی گئی ہے۔

۲۔ احمد نواز۔ ملک

اردو اخبارات و رسائل (۱۸۴۹ء۔۱۹۰۰ء) مخزونہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ پاکستان کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔ اس کا کتب خانہ بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ اخبارات اور رسائل کا معقول ذخیرہ موجود ہے۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیانی عرصے میں شائع شدہ اردو رسائل

---

*اسسٹنٹ پروفیسر پاکستان سٹڈیز اسلامیہ یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اور اخبارات کی مجمل فہرست مرتب کی گئی ہے جو ماہنامہ "کتاب" (لاہور) بابت ماہ اکتوبر ۱۹۶۹ء (صفحات ۶۹-۷۶) میں طبع ہوئی ہے -

انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی - سندھ یونیورسٹی

انسٹیٹوٹ آف سندالاجی ء جی ھقیقی لائبریری موجود دسالنء مخزن حوکشلاک

انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی ، سندھ یونیورسٹی کا اہم تحقیقی ادارہ ہے - اس ادارے کے کتب خانے میں سندھی زبان کے اخبارات اور رسالوں کا اچھا ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے - انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ان ہی رسائل و جرائد کی فہرست سندھی زبان میں ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی ہے -

۴- رشید احمد

مجمل فہرست اخبارات و رسائل ، عطیہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید -

جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اخبارات اور رسائل کا قابل قدر ذخیرہ عجائب گھر لاہور کو عنایت کیا ہے - اس ذخیرے کی مجمل فہرست ترتیب دی گئی ہے - فہرست کے آغاز میں جناب خورشید کا ایک مضمون ہے جس میں اخبارات کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے -

۵- رشید احمد

ذخیرہ تاج - کتب خانہ عجائب گھر لاہور

سید امتیاز علی تاج (م ۱۹۷۰ء) کی وفات پر اُن کے لواحقین نے اُن کا خاندانی کتب خانہ عجائب گھر کو بطور عطیہ دیا - اس ذخیرۂ کتب میں رسائل و جرائد بھی معقول تعداد میں ہیں پورے ذخیرے کی مجمل فہرست ۱۹۷۳ءمیں افادۂ عوام کے لیے شائع کی گئی ہے -

۶- ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان پنجاب یونیورسٹی لاہور

List of Mihr Collection

مولانا غلام رسول مہر (م۱۹۷۱ء) نے کتب خانے کا کچھ حصہ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کو دے دیا تھا - اس میں اخبارات رسالے اور تحریک آزادی سے متعلق پمفلٹ اور رپورٹیں وغیرہ ہیں - ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان نے انگریزی اور اُردو میں ملی جلی فہرست ۱۹۶۹ء میں شائع کی تھی -

۷- نعیم الدین زبیری

ڈائریکٹری —— رسالے اور نراشے

ہمدرد فاونڈیشن کراچی ملک کا معروف علمی اور ثقافتی ادارہ ہے۔ اس کی جانب سے کراچی میں ایک کتب خانہ بنایا گیا ہے۔ کتب خانے کا بڑا حصہ فاونڈیشن کے چیرمین جناب حکیم محمد سعید کا عطیہ ہے۔ ۱۹۷۵ء میں حکیم صاحب کی جانب سے ایک فہرست بزبان انگریزی Periodicals in Hamdard Library of Hakim Mohammad Saeed کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس فہرست میں کتب خانے میں موجود رسائل پر مختصر تبصرہ کیا گیا تھا مگر اس سے یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کتب خانے میں کیا کچھ محفوظ ہے۔ حال ہی میں حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کی مرتبہ ''ڈائرکٹری —— رسالے اور تراشے'' شائع ہوئی ہے جس میں رسائل اور تراشوں کی تفصیل موجود ہے۔

(۳)

رسائل و جرائد سے استفادہ کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ تمام کتب خانوں کے ذخائر کی فہرستیں شائع ہوں۔ وہیں یہ بھی لازمی ہے کہ رسائل و جرائد کے اشارے مرتب کیے جائیں۔ اسلامی علوم و فنون سے متعلق مغربی زبانوں کے بلند پایہ رسائل میں جو مضامین چھپتے ہیں ان کی فہرست Index Islamicus اور اس کے ضمیموں میں پیش کی جا رہی ہے۔ فارسی زبان کے چند وقیع رسائل کا مشترک اشاریہ جناب ایرج افشار نے مقالات فارسی (دو جلد) کے نام سے مرتب کیا ہے۔ پاکستان کے اردو رسائل و جرائد میں جو مقالات شائع ہوتے ہیں۔ ان کی فہرست جناب ابو سلمان شاہجہانپوری گذشتہ چند سال سے تیار کر رہے ہیں اور انجمن ترقی اردو پاکستان کے مجلہ ''قومی زبان'' میں ''علمی خزانے'' کے عنوان سے شائع ہو رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد علامہ اقبال، خواجہ الطاف حسین حالی، بابائے اردو مولوی عبدالحق اور اسد اللہ خاں غالب کے بارے میں ''کتابیات'' مرتب ہوئی ہیں۔ ان ''کتابیات'' کے مرتبین نے اپنے موضوع سے متعلق رسائل و جرائد بھی کھنگالے ہیں ان کے علاوہ حسب ذیل اشارے شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ ابو سلمان شاہجہانپوری

اشاریہ ''تاریخ و سیاسیات''

سہ ماہی ''تاریخ و سیاسیات'' انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کا ایک وقیع مجلہ تھا۔ اپریل ۱۹۵۱ء میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا اور اگست ۱۹۵۳ء کو آخری شمارہ۔ جناب ابو سلمان شاہجہانپوری نے اشاریہ مرتب کیا ہے جو ماہنامہ ''قومی زبان'' (کراچی) بابت اگست ۱۹۷۵ء (صفحات : ۵۷-۶۳) میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ احمد خاں

''فکر و نظر'' کے پندرہ سال (جولائی ۱۹۶۳ء جون ۱۹۷۸ء)

''فکر و نظر'' جولائی ۱۹۶۳ء میں جاری ہوا اور باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ جناب احمد خاں نے پندرہ برس کا اشاریہ محنت سے مرتب کیا ہے۔ انہوں نے ''فکر و نظر'' کی پندرہ سالہ اشاعت کا بھرپور جائزہ بھی لیا ہے۔

۳۔ احمد نواز۔ ملک

اشاریہ نقوش

مجلۂ ''نقوش'' (لاہور) ادبی اور علمی پرچہ ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا اور تاحال شائع ہو رہا ہے۔ اپنی خصوصی اشاعتوں کے سبب خاصا معروف ہے۔ ''نقوش'' کی دس سالہ تحریروں کی فہرست شمارہ ۷۹-۸۰ بابت جولائی ۱۹۶۰ء (صفحات: ۱۲۰۹-۱۲۴۵) میں شائع ہوئی اس کے بعد ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء تک ۱۰۸ شماروں کا مصنف وار اشاریہ مضامین جناب احمد نواز نے مرتب کیا جو نقوش کے شمارہ ۱۰۹ بابت اپریل، مئی ۱۹۶۷ء (صفحات: ۵۶۷-۶۱۱) میں شائع ہوا۔

۴۔ نواز احمد۔ ملک

اشاریہ صحیفہ

سہ ماہی ''صحیفہ'' مجلس ترقی ادب لاہور کی جانب سے جون ۱۹۵۷ء میں جاری ہوا اور جنوری ۱۹۷۴ء تک کل ۶۶ شمارے شائع ہو۔ کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد دوبارہ دو ماہی پرچے کی حیثیت سے چھپنے لگا۔ جناب احمد نواز نے پہلے اڑتیس شماروں کا مصنف وار اشاریہ تیار کیا جو شمارہ ۳۹ (صفحات: ۷۶-۸۹) میں شائع ہوا۔ اس کے بعد شمارہ ۳۹ تا ۵۳ کا اساریہ تیار کیا گیا جو شمارہ ۵۴ (صفحات: ۱۵۴-۱۶۸) میں شائع ہوا۔

۵۔ ادارہ ماہ نو

''فہارس ماہ نو''

ماہنامہ ''ماہ نو'' حکومت پاکستان کا معروف ادبی و ثقافتی مجلہ ہے۔ اپریل ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا۔ کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد اب دوبارہ چھپ رہا ہے۔ آغاز سے لے کر دسمبر ۱۹۶۸ء تک ''ماہ نو'' کے مشمولات کی تمام فہرستیں سن وار ترتیب سے اگست ۱۹۶۹ء کی اشاعت (صفحات: ۶۹-۱۴۲) میں شائع ہوئی ہیں۔

۶- سرفراز علی رضوی ۔ سید

اشاریہ اُردو (سہ ماہی رسالہ اُردو کا مصنف وار اشاریہ)

سہ ماہی ''اُردو'' انجمن ترقی اُردو کا معروف علمی رسالہ ہے ۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۹۲۱ء میں اورنگ آباد سے شائع ہوا ۔ ۱۹۳۶ء تک انجمن کا مرکزی دفتر اورنگ آباد میں رہا اور ''اُردو'' میں سے شائع ہوتا رہا ۔ اس بعد انجمن کا مرکزی دفتر دہلی منتقل ہوا تو یہاں سے شائع ہونے لگا اور ۱۹۴۸ء تک جاری رہا ۔ تقسیم ہند کے بعد جب مولوی عبدالحق مرحوم کراچی آ گئے تو انھوں نے ۱۹۴۹ء کے وسط میں کراچی سے ''اُردو'' کا اجرا کیا اور مولوی صاحب کی وفات (۱۹۶۱ء) تک چھپتا رہا ۔ تقریباً پانچ سال کے تعطل کے بعد ایک بار پھر جاری کیا گیا اور تاحال علم و ادب کی خدمت انجام دے رہا ہے ۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۶۰ء تک کا اشاریہ مصنف وار انجمن ترقی اُردو پاکستان کی جانب سے شائع ہوا ہے ۔

۷- محمد بشیر حسین ۔ ڈاکٹر

فہارس اورینٹل کالج میگزین، اورینٹل کالج میگزین کا اجراء فروری ۱۹۲۵ء میں ہوا تھا۔ نومبر ۱۹۳۷ء میں ''انجمن عربی و فارسی دانش گاہ پنجاب'' نے مجلہ کے ساتھ ''ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین'' شروع کیا ۱۹ سال بعد ضمیمہ کا نام بدل کر ''مجلہ عربی و فارسی دانشگاہ پنجاب'' کر دیا گیا ۔ اورینٹل کالج میگزین اور ضمیمہ کے مضامین کا اشاریہ مئی ۱۹۶۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ۔ اس کے بعد ۱۹۵۷ء تک کا اشاریہ مئی ۱۹۵۸ء کے شمارے میں چھپا ۔

۱۹۷۲ء میں اورینٹل کالج کا صد سالہ جشن تاسیس منایا گیا ۔ اس موقع پر فروری ۱۹۲۵ء سے ۱۹۶۷ء کے تمام مقالات کی فہرستیں شائع کی گئیں ۔

۸- محمود بیگ ۔ مرزا

Index of Articles and Reviews Published in the Journal of the Historical Society

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کا سہ ماہی انگریزی مجلہ ۱۹۵۳ء میں جاری ہوا ۔ اس کے ایک سو شماروں کا مصنف وار اشاریہ ہے ۔

۹- نعیم الدین زبیری ۔ حکیم

اشاریہ العلم

سہ ماہی ''العلم'' آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کا ترجمان ہے ۔ جولائی ۱۹۵۱ء میں جاری ہوا اور تاحال شائع ہو رہا ہے ۔ ۱۹۷۳ء میں ''العلم''

کا بائیس سالہ جشن اشاعت منایا گیا ۔ اس موقع کی مناسبت سے اشاعت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۲ء کا ایک حصہ (صفحات : ۷۷-۱۱۰) ''العلم'' کے موضوع وار اشاریے کے لیے مخصوص کیا گیا ۔

(۴)

مذکورہ بالا اشاریوں کے علاوہ پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں طلبہ نے اساتذہ کی نگرانی میں رسائل کے اشاریے اور وضاحتی فہرستیں ترتیب دی ہیں مگر ان میں سے کوئی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکی ۔ شعبہ اُردو پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات نے ایم ۔ اے (اُردو) کی جزوی تکمیل کی غرض سے ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ)، ماہنامہ ''برہان'' (دہلی) ، ماہنامہ ''جامعہ'' (دہلی) ، ماہنامہ «ہمایوں» (لاہور)، «سہ ماہی ہندوستانی» (الہ آباد) ، سہ ماہی «اقبال (لاہور)» اور سہ ماہی ''اقبال ریویو'' کراچی کی وضاحتی فہرستیں تیار کی ہیں ۔

ہندوستان میں بعض پرانے رسائل مثلاً ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ) ، ماہنامہ ''برہان'' (دہلی) ، سہ ماہی ''مجلہ علوم اسلامیہ'' (علی گڑھ) اور سہ ماہی انگریزی مجلہ Islamic Culture کے اشاریے طبع ہوئے ۔ تاہم برصغیر پاک و ہند کے بہت سے علمی و تحقیقی رسائل ہیں جن کے صفحات پر قیمتی مواد بکھرا ہوا ہے اور اس سے اہل ضرورت آگاہ نہیں ہیں ۔ رسائل کے انفرادی اشاریوں کے ساتھ ساتھ کیا ہی بہتر ہو کہ Index Islamicus کے طرز چند اہم رسائل کا ایک اجتماعی اشاریہ تیار کر دیا جائے ۔

ڈاکٹر نجم الاسلام*

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

سعدی کی بے مثل نعت بلغ العلیٰ بکمالہ کی طرح ، یہ قطعہ بھی نہایت غیر معمولی اور ممتاز ترین نعت قرار دیا گیا ہے :

یـا صاحب الجمـال و یـا سیـد البشـر
مـن و جہک المنیر لقـد نـور القمـر

لا یمکـن الثنـآء کما کان حقـہ
بعد از خـدا بـزرگ تـوئی قصہ مختصـر

ان بے مثل اشعار کا ناظم کون ہے ؟ یہ امر تحقیق طلب ہے ۔ عام طور پر جامی سے ان اشعار کو منسوب کیا جاتا رہا ہے ۔ چونکہ یہ اشعار کلیات جامی میں شامل نہیں ہیں ، اس لیے بعض حضرات کے نزدیک جامی سے ان اشعار کا انتساب تحقیق طلب ہے ۔ لیکن یہی صورت جامی کی بعض دوسری نہایت مقبول اور مشہور عام نعتوں کی بھی ہے اور نعت مذ کورہ بالا کے علاوہ یہ نعتیں بھی بالعموم جامی ہی کی طرف منسوب کی جاتی رہی ہیں کہ نعت گوئی میں جامی کا درجہ مسلم ہے اور یہ نعتیں فی الجملہ اس سے مناسبت رکھتی ہیں ۔ اس صورت میں جب تک معین طور سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ اور کس شاعر کی تصنیف کردہ ہیں ، جامی ہی کی سمجھی جاتی رہیں گی جیسا کہ سمجھی جاتی رہی ہیں ۔

چنانچہ ہفتہ وار اخبار "ہماری زبان" دہلی (انجمن ترقی اردو ہند) کی اشاعت بابت ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء میں ایک استفسار کے جواب میں ان اشعار کو مراسلہ نگار جناب محمد اسمعیل آزاد نے ڈاکٹر طلحہ رضوی برق (آرہ ، شاہ آباد) کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" مطبوعہ پٹنہ کے حوالے سے جامی ہی کی تصنیف بتایا ہے ، جیسا کہ بالعموم مشہور ہے ۔ علیٰ ہذا گذشتہ صدی کی کتابوں میں بھی ، مثلاً مرقع النور مصنفہ محمد مخدوم تھانوی (مطبوعہ مطبع آگرہ اخبار ، ۱۲۹۳ھ) کے دیباچے میں ، اس قطعے کا انتساب جامی ہی سے کیا گیا ہے ۔

مگر حال ہی میں ایک فاضل محترم کی کتاب نظر سے گذری ، جس میں مذکورہ بالا نعتیہ قطعے کو ملفوظات شاہ عبدالعزیز کے حوالے سے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تصنیف بتایا گیا ہے — اور چونکہ اس طرح ، حوالے کے ساتھ ، ان اشعار کے ناظم

---

*صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی ، جام شورو ۔

کا تعین کیا گیا ہے اس لیے یہ بیان نظر بظاہر بہت سے قارئین کو قابل قبول معلوم ہوگا گو کہ اس اطلاع کا ماخذ جس کتاب کو بتایا گیا ہے یعنی ملفوظات شاہ عبدالعزیز ، وہ ایک مجہول تالیف ہے جس کے جامع کا نام معلوم نہیں ۔

جہاں تک ملفوظات شاہ عبدالعزیز کا تعلق ہے ، اس میں تو کوئی ایسی روایت نہیں جس میں اس نعتیہ قطعے کا ذکر ہو اور اسے شاہ عبدالعزیز سے منسوب کیا گیا ہو ۔ مگر اسی طرح کی ایک اور مختصر تالیف ''کمالات عزیزی'' میں اس کو شاہ عبدالعزیز سے منسوب کیا گیا ہے ۔ یہ ملفوظات کی طرح کوئی مجہول کتاب نہیں ۔ اس کے (کمالات عزیزی کے) لکھنے والے نواب مبارک علی خاں ولد نواب فرحت اندیش خاں نبیرۂ نواب خیراندیش خاں میرٹھی ہیں جو مرید تھے شاہ عبدالعزیز کے ۔ انھوں نے یہ کتاب ۱۲۸۹ھ (م ۱۸۷۲ء) میں اردو میں لکھی تھی اور پہلی بار ۱۲۹۰ھ میں مطبع ضیائی میرٹھ میں چھپی تھی ۔ اس کے بعد مطبع مختار دہلی اور مطبع مجیدی کانپور سے بھی متعدد بار طبع ہوئی ۔ پاکستان میں لاہور اور کراچی سے بھی ، تجربات و علمیات وغیرہ کے اضافوں کے ساتھ اس کا وہ ایڈیشن دوبارہ چھپا ہے جس کے مرتب اول اور ناشر مولوی ظہیر الدین سید احمد ولی اللہی دہلوی نبیرہ شاہ رفیع الدین دہلوی تھے ۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز اور کمالات عزیزی کے سلسلے میں یہ صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ اول الذکر کے جامع کا نام معلوم نہیں ، لیکن دیباچے میں جامع نے صاف یہ ظاہر کیا ہے کہ ملفوظات انھوں نے شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں ان کی اجازت سے ، قیام دہلی ۱۲۳۳ھ کے دوران قلم بند کرنے شروع کیے ۔ مگر کمالات عزیزی میں شامل شاہ عبدالعزیز کے ارشادات جمادی الاول ۱۲۸۹ھ میں ، یعنی شاہ عبدالعزیز کی وفات (شوال ۱۲۳۹ھ) کے تقریباً پچاس سال بعد قلم بند کیے گئے ہیں ۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز جو اصلاً فارسی میں لکھی گئی تھی سب سے پہلے ۱۳۱۴ھ م ۱۸۹۶ء میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے طبع ہوئی تھی ۔ دو سال بعد یعنی ۱۳۱۵ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ کے مالک مولوی سراج الدین نے مولوی عظمت الٰہی ابن مولوی محمد ہاشم سے ملفوظات (فارسی) کا اردو ترجمہ کرا کے طبع و شائع کیا ، جیسا کہ ڈاکٹر سید معین الحق نے ملفوظات کے اردو ترجمے مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء پر اپنے مقدمے میں لکھا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ کمالات عزیزی طباعت کے لحاظ سے اقدم ہے ۔ غرض کہ یہ ایک جداگانہ تالیف ہے اور ملفوظات شاہ عبدالعزیز سے جدا ایک معلوم مؤلف کی جداگانہ تالیف کے طور پر اس کا حوالہ دینا چاہیے ۔

اس صراحت کے بعد اب دیکھنا چاہیے کہ نعتیہ قطعے کا ذکر کمالات عزیزی میں کس طور سے آیا ہے ۔ کمالات عزیزی میں مذکورہ نعتیہ قطعے کا ، جسے مؤلف

(نواب مبارک علی خاں میرٹھی) نے ''رباعی'' سمجھا ہے ، ذکر یوں آتا ہے :

ایک روز حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ عمر شباب میں مجھ کو ساٹھ ستر ہزار شعر عربی و فارسی و ہندی یاد تھے اب بھی دس گیارہ ہزار یاد ہوں گے ۔ پھر آپ نے ایک رباعی (کذا) جو جناب سرور کائنات ؐ کی شان مبارک میں تصنیف فرمائی تھی ، پڑھی - رباعی :

یا صاحب الجمال و یا سید البشر ۔ ۔ ۔''

اس روایت کے حق میں یہ بات ہے کہ راوی شاہ عبدالعزیز کے مریدین میں سے ہے ۔ مگر یہ امور قابل غور بھی ہیں :

(۱) نواب مبارک علی خاں نے شاہ عبدالعزیز کی وفات (۱۲۳۹ھ) کے تقریباً پچاس سال بعد یہ کتاب لکھی تھی ۔

(۲) وہ لکھتے ہیں کہ ''جو بعض فضائل آپ کے (شاہ عبدالعزیز) مجھے معلوم ہیں بنظر ایضاح و مطالعہ شائقین ، حق شناس کمالات عزیزی نام رکھتا ہوں ۔'' یعنی اس کتاب میں صرف وہی ارشادات نہیں جو انھوں نے خود شاہ عبدالعزیز سے سنے ہوں گے ، دوسروں کی زبانی بھی جو کچھ معلوم ہوا ، وہ بھی اس میں شامل ہے ۔

(۳) ترپن روایتوں میں سے صرف ایک روایت (نمبر شمار ۱۷) ایسی ہے جس کے آغاز میں انھوں نے صراحت کی ہے کہ ''راقم کے روبرو حضرتؒ نے فرمایا ۔'' اور بمشکل تین ایسی جن کے راویوں کی نشان دہی کی ہے (نمبر شمار ۱۴ ، ۱۵ ، ۳۲)، جو بالترتیب یوں شروع ہوتی ہیں :

(الف) ایک خواجہ صاحب متوطن دہلی دوست راقم بیان کرتے تھے کہ ۔ ۔ ۔

(ب) مولوی حافظ احمد علی صاحب استاد راقم متوطن تھانہ بھون دہلی میں طالب علمی کرتے تھے ، انھوں نے خواب دیکھا ۔ ۔ ۔

(ج) دہلی میں مولوی خدا بخش صاحب مرحوم متوطن میرٹھ سے فرمایا کہ ۔ ۔''

بقیہ روایتوں کے آغاز میں کوئی ایسی صراحت نہیں کہ جس کی وجہ سے انھیں کوئی خصوصیت حاصل ہو اور معمولی سنی سنائی بات نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ان میں سے بعض کی کمزوری تو صاف ظاہر ہے مثلاً ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے ایک کتاب پشتو زبان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی برائی میں لکھی تھی ۔ ۔ ۔ آپ نے اس کا جواب زبان پشتو میں لکھ کر منتشر کر دیا ، حالانکہ شاہ عبدالعزیز کا زبان پشتو سے واقف ہونا اور اس زبان میں کوئی کتاب لکھنا کسی بیرونی شہادت سے یا خود شاہ عبدالعزیز کے مصنفات سے ثابت نہیں ۔ خود نواب مبارک علی خاں کے علم میں بھی تھا کہ شاہ عبدالعزیز زبان پشتو نہیں جانتے تھے جیسا کہ اسی روایت (نمبر شمار ۲۲) میں ہے جو تمام و کمال یہ ہے :

''جناب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ فلاں شخص سے ایک کتاب پشتو زبان میں ہماری مدحت میں لکھی ہے اور اس کے باپ کا نام اور مقام سکونت اور کتاب کا نام بھی ظاہر فرمایا۔ آپ نے عرض کیا میں زبان پشتو نہیں جانتا ہوں۔ حضرت امیر المومنین ؑ نے فرمایا کچھ مضایقہ نہیں۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے۔ بعد تلاش کتاب دستیاب ہوئی۔ آپ نے اس کا جواب زبان پشتو میں لکھ کر منتشر کر دیا۔''

مگر نواب مبارک علی خاں ایک نجانی زبان میں کتاب لکھ دینے کو کرامت اور فضل و کمال کا معیار جان کر ضبط تحریر میں لے آئے ہیں۔ ایسی روایات جو کشف و کرامت کے بیان میں ہیں کمالات عزیزی میں خاصی تعداد میں ہیں۔ ایک روایت کسی نواب سعادت یار خاں کے بارے میں ہے جو روسائے دہلی میں سے تھے۔ اس کے آخری فقرے میں جو ذم کا پہلو شاہ عبدالعزیز کی صاحب زادیوں کے حق میں نکلتا ہے، ظاہر ہے اور مؤلف کمالات عزیزی کے ضعف تالیف کو بھی صاف ظاہر کرتا ہے۔

(۴) اب نعتیہ قطعے والی روایت کو لیجیے تو وہ بھی انھی روایتوں میں سے ہے جن کے بارے میں صراحت نہیں ہے کہ کس کے روبرو یہ بات شاہ عبدالعزیز نے فرمائی تھی۔ اگر یہ قیاس کیا جائے کہ یہ بات شاہ عبدالعزیز نے مؤلف کے روبرو فرمائی تھی تو بھی غور طلب ہے کہ شاہ عبدالعزیز کا ارشاد اپنے حافظے کے متعلق تھا نہ کہ اپنی شعر گوئی کے بارے میں۔ مگر راوی نے یاد کیے ہوئے اشعار کے ذکر میں تصنیف کردہ اشعار کا ذکر اپنی طرف سے ملا دیا ہے، جب کہ ربط کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یوں ان اشعار کا ہو جو صاحب ملفوظات (شاہ عبدالعزیز) کو یاد تھے، اور یہی کہا جائے گا کہ شاہ عبدالعزیز نے یہ ارشاد فرما کر کہ ''عمر شباب میں مجھ کو ساٹھ ستر ہزار شعر عربی و فارسی و ہندی یاد تھے، اب بھی دس گیارہ ہزار یاد ہوں گے'' جو قطعہ پڑھا تھا اس کے بارے میں مؤلف کمالات عزیزی کا یہ خیال کرنا کہ وہ شاہ عبدالعزیز کی تصنیف کردہ رباعی تھی، محض مؤلف کا گمان اور قیاس ہے۔ پس ہمارے خیال میں کمالات عزیزی جیسی کتاب کی صرف یہ ایک روایت اس نعتیہ قطعے کو شاہ عبدالعزیز کی تصنیف قرار دینے کی لیے کافی نہیں جب تک کسی دوسرے مضبوط ماخذ سے بھی یہ اطلاع نہ پہنچے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ خود شاہ عبدالعزیز کی اپنی کتاب میں ان مذکورہ بالا نعتیہ اشعار کا ذکر کیوں کر آیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی مشہور تفسیر ''فتح العزیز'' سوا تین پاروں کی، فارسی زبان میں ہے، یعنی سورۂ فاتحہ سے پارہ دوم (سیقول) کے ربع اول تک اور آخر کے دو پارے تبارک الذی اور عم یتسألون کی تفسیر۔ جس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز

کے معاصر، مولانا فضل امام خیر آبادی نے اپنی کتاب تراجم الفضلاء میں لکھا ہے کہ "ابن تفسیر در حالت بیماری و استیلائے ضعف کہ طاقت نوشتن نہ داشتند تصنیف فرمودند از شاگردے کہ تازہ بشرف اسلام مشرف شدہ بود فرمودند کہ آنچہ گویم بنویس" اور غالباً اسی اطلاع پر قیاس کرکے ملفوظات شاہ عبدالعزیز کے جدید اردو ترجمے (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء) کے مترجمین محمد علی لطفی و مفتی انتظام اللہ شہابی نے اپنے مقدمے میں لکھ دیا ہے کہ "یہ تفسیر شاہ صاحب کے آخر عمر کی تصنیف ہے جب شاہ صاحب کی قوت بصارت جاتی رہی تھی"۔ یہ تفسیر ۱۸۵۷ھ م ۱۸۰۵ء میں محمد حسن خاں رامپوری نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا جو اسی ۱۲۶۱ھ کی ستائیسویں رمضان المبارک کو چھپ کر تیار بھی ہو گیا۔ بعد میں فارسی متن مطبع مجتبائی دہلی سے بھی چھپا اور محسن خاں رامپوری کا اردو ترجمہ بھی چھپتا رہا ہے۔ کچھ برس پہلے کراچی سے بھی اس کو چھاپا گیا ہے۔ ان تعارفی کلمات کے بعد اب نعتیہ قطعے کی طرف آئیے۔ فارسی تفسیر "فتح العزیز میں سورۃ الم نشرح کے ذیل میں اس کا ذکر یوں آتا ہے:

"ولنعم ما قیل یا صاحب الجمال ۔۔۔ قصہ مختصر"

اس کا اردو ترجمہ محمد حسن خاں رامپوری نے اس طور سے کیا ہے: "یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے:

یا صاحب الجمال ۔۔۔ قصہ مختصر"

اس تفسیر کے متن میں اشعار فارسی بکثرت آئے ہیں اور کہیں کہیں عربی اشعار بھی آئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز کو بکثرت اشعار یاد تھے۔ شعروں سے قبل اس تعریفی جملے کو لا کر کہ "و لنعم ما قیل" جس کا ترجمہ محمد حسن خاں رامپوری موقع بموقع اسی طرح کرتے ہیں: اور کیا خوب کہا ہے (سورہ عبس)، کیا اچھا کہا کسی شاعر نے (سورہ الشمس)، اور بے شک کیا خوب کہا ہوا ہے (سورۃ الضحیٰ) — اپنی تعریف آپ کرنے کے مرتکب ہونے کی توقع کم سے کم شاہ عبدالعزیز سے تو ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ یہ فقرہ (و لنعم ماقیل) وہ ان اشعار سے قبل لائے ہیں جو یقیناً ان کے نہیں:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست گداگر تواضع کند خوئے اوست

(سورہ عبس)

چوں بعلم ازل مرا دیدی دیدی آنگہ بعیب بگزیدی
من بعیب آں و تو بعلم ہماں رد مکن آنچہ خود پسندیدی

(سورۃ الضحیٰ)

اگر یہ کہا جائے کہ وہ نعتیہ اشعار عبدالعزیز کے تھے مگر انھوں نے اخفاء سے

کام لیا تو اس اخفاء کا کوئی سبب نہیں ۔ یہ نعتیہ اشعار کچھ اس قسم کے نہ تھے کہ ایک محدث اور بلند پایہ عالم کے وقار علم کے منافی تصور کیے جاتے اور اپنی طرف انتساب کا اخفاء کیا جاتا ۔ اگر یہ قیاس کیا جائے کہ تواضع کی وجہ سے اخفاء کیا یعنی بر بنائے انکسار اپنے شاعر ہونے یا شعر کہنے کو ظاہر نہ کیا تو ایسا بھی نہیں ، کیونکہ شاہ عبدالعزیز کے عربی قصائد معلوم و مشہور ہیں ، عربی میں ان کا شعر کہنا ثابت ہے ۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے اس کمال فن (عربی شعر گوئی) کا ذکر کیا ہے ۔ تواضع کے طور پر نہ تو شاہ عبدالعزیز نے اپنی عربی شعر گوئی کا اخفاء کیا نہ ان کے تذکرہ نگاروں نے ۔

تفسیر فتح العزیز (تفسیر عزیزی) کے ایک قدیم کلکتہ ایڈیشن کا ذکر اوپر آ چکا ہے ۔ "صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات" مؤلفہ محمد عتیق صدیقی میں یہ اطلاع ملتی ہے کہ دہلی میں بھی یہ کتاب ١٨٦١ء میں مطبع العلوم میں چھپی تھی جہاں اس وقت تک شاہ عبدالعزیز کے فیض یافتگان ایک بڑی تعداد میں تھے مگر کسی نے نشان دہی نہیں کی کہ تفسیر فتح العزیز میں مذکورہ نعتیہ قطعہ (یا صاحب الجمال ۔ ۔ ۔) شاہ عبدالعزیز کا ہے ۔

١٢٩٦ھ میں مطبع العلوم علی گڑھ سے حضور احمد سہسوانی کا اردو رسالہ "نکات قرآنی فی فضائل رسول ربانی" چھپا ، جس کا ایک نسخہ بزرگ محترم محمد شفیع الرحمن صاحب بچھرایونی مرحوم و مغفور کے ذخیرۂ کتب میں نظر سے گذرا ۔ یہ اپنے موضوع پر اردو میں ایک بہت ہی عمدہ کتاب ہے ۔ اس کتاب کے مصنف کو شاہ عبدالعزیز اور ان کی تفسیر فتح العزیز سے کمال عقیدت و رغبت ہے کہ اول تو متن کتاب کے آغاز سے قبل جلی طور سے وہ التماس کرتے ہیں کہ اصلی کتاب کے ملاحظے سے پہلے تفسیر فتح العزیز ملاحظہ فرماویں اور چاشنیٔ مقصود کا مزہ اٹھاویں ، اور پھر مقدمۂ کتاب میں بھی اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ، اسے "خلاصہ جملہ تفاسیر نادرۂ عزیز کا" قرار دیا ہے ، اور لکھا ہے کہ جو شایق زیادہ کا ہو تفسیر مذکور میں دیکھ لے ۔ یہ کتاب کمالات عزیزی کے بعد کی ہے مگر اس کے مصنف حضور احمد سہسوانی نعتیہ قطعۂ مذکورہ کے بارے میں کمالات عزیزی کی اطلاع کے خلاف اسے جامی ہی کی تصنیف بتاتے ہیں ۔

اب ملاحظہ ہو کہ نعتیہ قطعے کا بیان حضور احمد سہسوانی کی اس کتاب میں صفحہ ۴۳ ، ۴۴ پر یوں آتا ہے :

"سبحان اللہ سچ ہے بڑوں کی بڑی بات چنانچہ جناب مولانائے جامی جامع علوم ظاہری و باطنی نے یہ عقدہ جو نزد کج فہمی مائل کے سخت مشکل اور لاینحل تھا ، کس لطف سے حل فرمایا اور سر پر درد بیماران نافہمی

و خود پسندی کو کیا خوب علاج فرمایا اور زخمی جگر محبت رسول خدا کو کیا خوب علاج فرمایا یعنی محامد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا عمدہ رباعی کہ دل ربائی میں خاصیت کہربائی رکھتی ہے فرمائی ہے خصوصاً مصرعہ آخر ہمچو نگین بر خاتم ہے، کس چمک جھمک سے معنی خاتم النبین کے جڑے ہیں :

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر

چنانچہ سر آمد کاملین تاج المفسرین و المحدثین صاحب تفسیر مذکور نے سورہ الم نشرح بمقام وصف ختم المرسلین مقولہ جناب ممدوح کو کیا خوب فرمایا ۔ فرما کے وصف ہمیشہ تا تمام خاتم النبین علیہ السلام کو اسی پر ختم کر دیا۔ درحقیقت حسب مقولہ الکنایۃ ابلغ من التصریح کے گویا عقیدہ حقہ جمہور علماء سلف اور خلف کو بکمال خوش بیانی اور آب و تاب ایمانی حسب آیات قرآنی کے بیان فرما دیا اور مقتدای دین اسلام ہونا مولانا جامی کا بھی سب پر بخوبی ثابت کر دیا''۔

پھر ایک اور جگہ بھی (صفحہ ۱۴۲ پر) اس کتاب میں اس طرح مذکور ہے :

''سبحان اللہ جناب مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جامع علوم ظاہری و باطنی نے کیا خوب جامع کلام دافع اوہام سے ہر دو فریق گرداب نا فہمی کو ایک ہی مصرعہ نعتیہ سے معقول فرما دیا اور بنیاد عقیدہ کاملہ کو بخوبی تمام قائم کر دیا کہ مصرعہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ۔ یعنی مدار ایمان و اسلام کا اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے کم اور تمام مخلوقات سے زیادہ ہو جائے۔ چنانچہ تاج المفسرین و المحدثین صاحب تفسیر فتح العزیز نے در سورۂ والضحی بمقام اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ان ابیات کو کمال لطف سے بیان کیا ہے''۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ فقرہ بالا میں سورۂ والضحی سہواً درج ہوا ہے ۔ درست یہ ہے کہ اس نعتیہ قطعے کا ذکر صرف سورۂ الم نشرح کی تفسیر میں آیا ہے جیسا کہ اسی کتاب فضائل رسول ربانی کے اقتباس اول میں اوپر آ چکا ہے ۔

آخر میں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ اس مضمون کا اصل مقصد زیر بحث نعتیہ قطعے کا جامی کی تصنیف ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق نہیں ہے کیونکہ اس سلسلے میں کوئی قابل تنقیح مواد یا کوئی قابل ذکر شہادت دستیاب نہیں ۔ بلکہ

کوئی ایسی قدیم کتاب یا دستاویز بھی نہیں ملتی جس میں زیر بحث نعتیہ قطعے کا ذکر ہو اور وہ تفسیر فتح العزیز سے اقدم ہو۔ مقصد صرف یہ ہے کہ محض کمالات عزیزی کی بنیاد پر اس قطعے کو شاہ عبدالعزیز کی تصنیف قرار نہیں دینا چاہیے جب کہ خود شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر فتح العزیز میں ایسے و لنعم (کسی نے کیا خوب کہا ہے) کہہ کر نقل کرتے ہیں۔ سردست بہتر یہی ہے کہ انتساب کے بارے میں اسی قدیم قیاس کو علی حالہ برقرار رکھا جائے جیسا کہ گذشتہ صدی کی کتابوں میں جامی کی طرف کیا جاتا ہے ، تا وقتیکہ کوئی قوی شہادت آئندہ اس کے خلاف نہ مل جائے اور اس قطعے کے ناظم کی پورے طور پر تحقیق نہ ہو جائے۔

(۲)

پس نوشت کے طور پر مزید چند تصریحات پیش کی جاتی ہیں :

(الف) زیر بحث نعتیہ قطعہ ''ارمغان نعت'' مطبوعہ کراچی میں حافظ سے منسوب ہے ۔ راقم نے اس مجموعے کے مرتب سے ، جب کہ وہ زندہ تھے اس اطلاع کے ماخذ کی نشان دہی چاہی لیکن وہ نہیں بتا سکے کہ انھوں نے کس بنا پر اس قطعے کو حافظ سے منسوب کیا ۔

(ب) فاران کراچی کے سیرت نمبر بابت جنوری ۱۹۵۶ء میں ایک شک کے ساتھ یعنی سوالیہ نشان دے کر اس قطعے کو احمد جام(رح) (م ۵۳۶ھ) کے نعتیہ اشعار کے تحت درج کیا گیا ہے ۔ مرتب کا منشا یا تو یہ تھا کہ اس قطعے کا ناظم نامعلوم ہے یا یہ کہ ایک شک کے ساتھ یہ احمد جام کا تصنیف کردہ ہے ۔

(ج) شاہ عبدالعزیز(رح) سے پہلے کی تصانیف میں اس قطعے کی تلاش کے لیے متعدد معروف فارسی اساتذہ کے دواوین اور مصنفات کی ورق گردانی کی گئی لیکن کسی میں یہ قطعہ نہیں ملا ۔ البتہ اس کوشش میں ایک اور بہت مشہور نعتیہ شعر :

محمد عربی کابروے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

کے ناظم کی نشان دہی ہو گئی ۔ یہ شعر ہلالی (م ۹۳۵ھ) کے دیوان (مطبوعہ نول کشور کانپور ۱۸۸۳ء) میں ایک قطعے کے آغاز میں آتا ہے ۔

(د) نعتیہ قطعے کے چوتھے مصرعے ''بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر'' میں

شاعر بزرگ صفت مطلق لایا ہے جب کہ محل تفضیل کا ہے اور مفضل علیہ بھی محذوف ہے۔ علامت تفضیل کو قرینے سے حذف کرنے کی یا صفت تفضیلی کی جگہ صفت مطلق لانے کی، اساتذہ کے کلام میں جدا جدا مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھا گیا کہ ایک ہی فقرے میں تفضیل کے مقام پر صفت مطلق بھی لائی گئی ہو اور مفضل علیہ بھی محذوف ہو۔

(۵) استاذی و مخدومی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے راقم کی درخواست پر اس نعتیہ قطعے کو اردو میں نظم فرمایا ہے:

تو صاحب جمال ہے تو سید بشر
پر نور تیرے چہرۂ انور سے ہے قمر

ممکن نہیں ثنا تری جیسی کہ چاہیے
افضل خدا کے بعد ہے تو، قصہ مختصر

اسی عمدہ منظوم ترجمے پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

رفتار ادب

(۱)

کتاب : مثنویات محمود (فارسی)
شاعر : مولانا محمود لاہوری
مرتب : ڈاکٹر محمد بشیر حسین
ناشر : شعبۂ فارسی دانشگاہ پنجاب لاہور
قیمت : ۳۰ روپے

«مثنویات محمود» اکبری دور کے ایک درویش صفت شاعر مولانا محمود لاہوری کی دو مثنویوں «عاشق و معشوق» (مشتملبر ۱۰۰۷ اشعار) اور «ہفت کشور» (ناقص الاخر ہونے کی بنا پر صرف ۱۹۵۸ اشعار) پر مشتمل ہے۔ اول الذکر مثنوی نظامی گنجوی کی «مخزن الاسرار» اور خسرو کی «مطلع الانوار» کے جواب میں کہی گئی ہے۔ دوسری مثنوی، نظامی ہی کی مثنوی «ہفت پیکر» اور خسرو کی «ہشت بہشت» کی تقلید میں ہے۔ ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جس کنجکاوی اور تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے «مقدمہ» کی صورت میں ان کے ذوق تجسس کا واضح ثبوت ہے۔ اس سے قبل فارسی زبان کے ادبا و فضلا کو «محمود نامہ» (مجموعۂ غزلیات محمود) کےسوا اور شاعر کے احوال و آثار کے بارے میں شاید ہی کچھ علم تھا، ڈاکٹر صاحب نے چند سال کی تحقیق و جستجو کے بعد نہ صرف محمود نامہ کے متعلق بعض نئی باتیں دریافت کیں بلکہ محمود کی دو مذکورہ مثنویاں بھی ڈھونڈ نکالیں جو ارباب علم و فضل کی نظروں سے اوجھل تھیں۔

محمود کی معروف تصنیف «رسالہ بیت بازی» کے ذکر میں جو محمود نامہ کے نام سے معروف ہے، فاضل مرتب نے مقدمے پر اس میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور شاعر کا زمانہ بھی متعین کر دیا ہے۔ محمود اکبری دور کا شاعر تھا اور اس کی اصل شہرت محمود نامے کی وجہ سے ہے۔ محمود کے اس کارنامے کی وجہ سے فارسی شاعری میں ایک طرز خاص کا آغاز ہوا۔ اگرچہ محمود سے پہلے بھی بعض فارسی گو شعرا مثلاً آھی شیرازی نے ایسا اہتمام کیا تھا، لیکن محمود کی اس تصنیف کو جو شہرت ملی اس کی وجہ سے بعد میں کئی ایک شعرا نے اسی کی پیروی میں مجموعے تیار کیے۔

ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر ان مثنویوں کا منحصر بہ فرد نسخہ رہا ہے۔ اس صورت میں کسی موازنے و مقابلہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ انھوں نے صحت متن کی خاطر محنت اور دقت نظر سے کام لیا ہے تاہم چھپائی میں بعض مقامات پر غلطیاں رہ گئی ہیں۔ فاضل مرتب نے اس کی تلافی غلط نامے سے کی ہے۔ لیکن جملہ غلطیوں کا احصا نہیں ہو سکا۔ مثلاً :

	غلط	صحیح
صفحہ یازدہ ، س ۹	آز	آنرا
صفحہ سیزدہ ، س ۱۲	عاشقانہ است	عاشقانہ ایست
صفحہ نوزدہ ، س ۹	گوینده آنست	گوینده آنہاست
صفحہ بیست و یک ، س ۱۳	ابیات	ابیاتی
صفحہ بیست و دو ، س ۳	اشاره و استفاضہ	اشاره و از آنہا استفاضہ
صفحہ ۱۵ ، س ۲۱	شرین	شیرین
صفحہ ۱۵ ، س ۲۳		دوسرا مصرع
صفحہ ۷۸ ، س ۲۰	خور	خورد

«کتاب» عمدہ ٹائپ میں اور سفید کاغذ پر چھپی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی قیمت -/۳۰ روپے اس گرانی کے دور میں کچھ زیادہ نہیں لیکن اس حسن و خوبی کے باوصف اسے جس کھلے انداز اور جلی ٹائپ میں طبع کیا گیا ہے وہ ادبی کی بجائے درسی کتب کا سا ہے۔ اگر ٹائپ کسی قدر باریک ہوتا اور الفاظ کے درمیان فاصلہ اتنا نہ رکھا جاتا تو یقیناً کتاب کے حجم و ضخامت میں فرق پڑتا اور اس طرح طباعت کے اخراجات کم ہو جاتے۔

کتاب دولت ایران کی مالی اعانت سے شائع کی گئی ہے۔

(ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی)

(۲)

کتاب : دانائے راز

مصنف : سید نذیر نیازی

ناشر : اقبال اکادمی پاکستان لاہور

قیمت : -/۵۶ روپے

علامہ اقبال کے حالات پر سب سے پہلا مضمون سر عبدالقادر نے ۱۹۰۲ء میں اور دوسرا مضمون محمد دین فوق نے ۱۹۰۹ء میں لکھا۔ اقبال کی وفات کے بعد

انہی کی بنیاد پر دو مختصر کتابیں شائع ہوئیں : طالب فارسی لکھنوی کی «سوانح اقبال»
اور تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کی شائع کردہ «حیات اقبال» (جو بعض روایات کے مطابق
چراغ حسن حسرت کی تصنیف ہے) — معاً بعد پروفیسر ۔۔ طاہر فاروقی کی «سیرت
اقبال» چھپی مگر اس میں سوانح کا حصہ بہت مجمل تھا۔ دس برس بعد اعظم گڑھ سے
عبدالسلام ندوی کی «اقبال کامل» شائع ہوئی لیکن اس کے ذریعے بھی اقبال کی
سوانح سے متعلق کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی — عبدالمجید سالک کی «ذکر اقبال»
علامہ اقبال کی پہلی باقاعدہ سوانح عمری ہے لیکن بعض خامیوں کے سبب ، یہ کتاب
اقبال کی مطلوبہ سوانح عمری کا درجہ حاصل نہیں کر سکی۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید
کی «سرگزشت اقبال» میں بھی ، اس کی تلافی کی ایک کوشش نظر آتی ہے۔

اقبالیاتی ادب کے سوانحی ذخیرے میں متذکرہ بالا کتابوں کے پس منظر میں
اقبال کے ایک دیرینہ نیازمند اور اُن کے قریبی رفیق سید نذیر نیازی کی نئی سوانحی
کاوش «دانائے راز» کے عنوان سے شائع ہوئی — اس کتاب پر سال اشاعت ۱۹۷۹ء
درج ہے مگر عملاً یہ ۱۹۸۰ء کے وسط میں منظر عام پر آئی تھی — اس کتاب کے
آغاز میں عنوانات کی کوئی فہرست یا ابواب کی تفصیل درج نہیں جس سے کتاب کے
مباحث و موضوعات یا مندرجات کا اندازہ ہو سکے — اس سے قاری الجھن محسوس
کرتا ہے مگر بہ نظر غائر کتاب کی ورق گردانی کے بعد پتہ چلتا ہے کہ «دانائے
راز» دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ ایک سو نو صفحات پر محیط فصل اول میں آغاز
سے ۱۸۹۵ء تک کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں جبکہ دوسری فصل میں
۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء تک اقبال کی سرگرمیوں کا احوال درج ہے۔ ہر فصل کے تحت
متعدد ضمنی عنوانات ہیں مثلاً محمد اقبال ۔ خاندان ۔ تعلیم و تربیت ۔ طالب علمی ۔
پدر و مرشد اقبال ۔ استاد اقبال ۔ نوجوان اقبال ۔ شاعر اقبال ۔ ازدواج — ان
عنوانات کے تحت نیازی صاحب نے متعلقہ موضوع و مبحث پر بھرپور بحث کی ہے —
ایسی بھرپور کہ کہیں کہیں تو غیر ضروری طول کلام کا احساس ہوتا ہے — اُن
کے خیال میں ۱۸۹۵ء تک کا دور ، حیات اقبال میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے مگر
اقبال کے اکثر سوانح نگاروں نے اس سے بے اعتنائی کی ہے اور لکھتے ہیں :

«سیالکوٹ میں محمد اقبال کی تعلیم و تربیت کا وہ دور ہے جس میں ان کے
دل و دماغ کی تربیت ہوئی۔ سیرت و کردار اور ایمان و یقین کی پرورش کے ساتھ
ساتھ ایک عظیم شخصیت جنم لے رہی تھی لیکن افسوس ہے کہ محمد اقبال کی زندگی
کے تشکیلی دور کی اہمیت کو بہت کم سمجھا گیا۔ کچھ بہ سبب بے توجہی ،
کچھ معلومات کی کمی اور کچھ اس وجہ سے کہ محمد اقبال ، جو کچھ بنے ،

ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز جس خوبی سے ہوا ، اس کے مدارج جس کامیابی سے طے ہوئے ، بعینہ انگلستان روانگی سے پہلے سیالکوٹ اور لاہور میں ان کی علمی اور ادبی کاوشوں کی جو صورت تھی ، شاعری جو رنگ اختیار کر رہی تھی ، یورپ سے واپس آ کر انھوں نے اپنی دعوت اور پیغام کو جس خوبی سے پیش کیا ، یہ سب وہ باتیں ہیں جن پر نفسیاتی اعتبار سے کبھی غور ہی نہیں کیا گیا ۔ محمد اقبال کی زندگی کے اس تشکیلی دور کو بہ اعتبار ان کی تعلیم و تربیت اور ذاتی سعی و کاوش سے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی ۔ جو کچھ کہا گیا کبھی ایک کبھی دوسرے نقطۂ نظر سے حالانکہ سیالکوٹ ہو یا لاہور ، ان کے ذہن نے رخ جو اختیار کیا ، اس میں ایک تسلسل ہے ، ایک باقاعدگی ، ایک ربط ، جس میں ان کے خیالات اور تصورات کی کڑیاں ایک دوسرے سے نہایت خوبی سے مل جاتی ہیں» (ص ۱۰۱-۱۰۲)

چنانچہ سید نذیر نیازی نے حیات اقبال کے اس تشکیلی دور پر اس مربوط انداز میں نظر ڈالی ہے کہ ان کا ذہن اور شاعرانہ ارتقا واضح ہو کر سامنے آتا ہے —— اس ضمن میں اقبال کے والدین ، ان کے استاد علامہ سید میر حسن ، شہر سیالکوٹ اور اس کے علمی و ثقافتی ماحول اور اس کی تعلیمی روایات کو زیر بحث لائے ہیں ۔ حیات اقبال کے اس تشکیلی دور میں دو عنوانات ایسے ہیں جن کی طرف اقبال کے دیگر سوانح نگاروں کے بر عکس ، نیازی صاحب نے بہ طور خاص توجہ دی ہے اول یہ کہ اقبال کو کبوتروں سے غیر معمولی دلچسپی تھی ۔ اس ضمن میں نیازی صاحب نے اقبال کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : ’’جب میں کبوتروں کو پہنائے فضا میں پرواز کرتے دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں جیسے میں بھی اُن کے ساتھ آسمان کی وسعتوں میں اُڑ رہا ہوں ، افلاک کی سیر ہو رہی ہے ——‘‘ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے نیازی صاحب لکھتے ہیں : ’’معلوم ہوتا ہے کبوتروں کی اُڑان اور آسمان پروازی محمد اقبال کی شاعرانہ اور فلسفہ پسند طبیعت کو بڑی مرغوب تھی . . . کبوتروں سے ان کا ذہن وحوش و طیور کی طرف منتقل ہو گیا وہ ان کی عادات و فصائل کا مطالعہ کرنے لگے تا آنکہ یوں انھوں نے ایک ایسا نظام علامات وضع کر لیا جو اُن کے خیالات و تصورات کے ابلاغ کا نہایت موثر ذریعہ ثابت ہوا‘‘ (ص ۶۸-۶۹) —— دوسرا موضوع اقبال کی پہلی شادی کا ہے ۔ — یہ معلوم ہے کہ اقبال کی پہلی شادی کامیاب ثابت نہیں ہوئی۔ نیازی صاحب نے جس جامعیت و اختصار کے ساتھ اور متوازن انداز میں اس موضوع کو سمیٹا ہے ، وہ اقبال کے کسی اور سوانح نگار سے ممکن نہیں ہوا ، لکھتے ہیں :

’’محمد اقبال کی اس شادی کے بارے میں طرح طرح کی افسانہ طرازیاں کی

گئیں حو سب کی سب غلط ہیں ۔ بے شک یہ شادی ناکام رہی لیکن اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ طبائع کی عدم مناسبت علیٰ ہذا خاندانی حالات میں تفاوت ۔ میں سمجھتا ہوں رشتہ عجلت میں طے ہوا ۔ طرفین نے اس معاملے میں احتیاط سے کام نہیں لیا ۔ محمد اقبال نے لاکھ کوشش کی کہ نباہ کی کوئی صورت نکل آئے مگر بات نہ بنی ۔ ایک تو والدۂ آفتاب کا انداز طبیعت ، دوسرے آفتاب اقبال کی روش ۔ حالات بگڑتے چلے گئے ۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ کی کوششیں بھی کہ اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نکل آئے ، ناکام رہیں ۔ محمد اقبال چونکہ اس معاملے میں حق بجانب تھے لہٰذا شاہ صاحب اور ان کے دوستوں نے ان کی انصاف پسندی کو دیکھتے ہوئے پھر کبھی اس میں دخل نہیں دیا" —— (ص ۹۶-۹۷) شاید یہ بات نیازی صاحب کے علم میں نہیں تھی ورنہ وہ یقیناً اس کا تذکرہ بھی کر دیتے اور اس سے اقبال کی پوزیشن اور زیادہ واضح ہو جاتی کہ تاحین وفات ، اقبال اپنی پہلی بیوی کو گذارے کے لیے ماہ بہ ماہ ایک مقررہ رقم باقاعدگی کے ساتھ بھیجتے رہے —— اقبال میوزیم لاہور میں موجود ، اقبال کے رجسٹر آمد و خرچ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے تو پچاس روپے ماہوار بذریعہ منی آرڈر روانہ کیے جاتے تھے مگر والدۂ جاوید کی وفات کے بعد اس میں کمی کرکے تیس روپے بھیجے جانے لگے ۔

فصل دوم (ص ۱۰۰-۱۵۱) کے ضمنی عنوانات اس طرح ہیں —— گورنمنٹ کالج ۔ آرنلڈ ۔ پروفیسر اقبال ۔ علمی مشاغل ، علم الاقتصاد ، حلقۂ احباب ، ارباب سخن ، انجمن حمایت اسلام ۔ مخزن ۔ شاعری ۔ وطنیت —— ان میں سے بیشتر مباحث غیرضروری طور پر بے حد طویل ہیں ۔ شاید اپنے مخصوص مزاج کے سبب نیازی صاحب کے لیے اس طوالت سے بچنا ممکن نہ تھا مگر اس سے قاری کو بار بار اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے ۔ "حلقۂ احباب" کے ضمن میں اُن اکابر ذکر کرتے کرتے ، جن سے اقبال متاثر ہوئے ، نیازی صاحب نے ان کے نیازمندوں اور عقیدت مندوں کی فہرست مفصل بھی مرتب کر ڈالی ہے جس کے نتیجے میں یہ حصہ ۴۴ صفحات پر پھیل گیا ہے اسی طرح "علم الاقتصاد" کا تعارف بھی غیر ضروری تفصیل و تبصرے پر مشتمل ہے —— مجموعی اعتبار سے فصل دوم میں ربط و جامعیت اور استنباط نتائج کی وہ صورت مفقود ہے ، جو فصل اول میں نظر آتی ہے ۔

نیازی صاحب نے "دانائے راز" کی تیاری میں اقبال کے سوانحی ذخیرے کے ساتھ ساتھ ذاتی یادداشتوں سے بھی مدد لی ہے چنانچہ کئی مقامات پر مختلف حضرات سے ملاقاتوں کے حوالے ملتے ہیں اسی طرح زیر طبع "اقبال کے حضور" جلد دوم کا بھی کئی جگہ حوالہ دیا گیا ہے —— پھر بھی بعض مقامات پر نیازی صاحب کو تسامح ہوا ہے ۔ صرف دو مثالیں :

۱۔ شیخ طاہر الدین کے متعلق یہ بات درست نہیں کہ جب اقبال نے وکالت ترک

کی تو منشی صاحب نے تنخواہ لینا ترک کر دی ۔ یہ صحیح ہے کہ آخری زمانے تک حساب کتاب کا اندراج و اہتمام منشی صاحب کے ذمے تھے مگر یہ بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ ان خدمات کے عوض ، اقبال انھیں پچاس روپے ماہوار تنخواہ دیتے تھے ، جسے بعد میں کم کرکے تیس روپے کر دیا گیا ۔ (ملاحظہ ہو : علامہ اقبال کا رجسٹر آمد و خرچ ۔ اقبال میوزیم لاہور) ۔

۲۔ یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہے کہ بشیر ضیائی کی تیار کردہ بیاض ہی کو بعد میں مہر مرحوم نے عبداللہ قریشی صاحب کے مزید اضافے کے ساتھ "سرور رفتہ" کے نام سے شائع کیا (ص ۳۱۱-۳۱۲) ـــــ اول تو متذکرہ کتاب کا صحیح "سرود رفتہ" ہے نہ کہ "سرور رفتہ" ـــــ دوسرے یہ کہ "سرود رفتہ" کی ترتیب میں عبداللہ قریشی صاحب نہیں بلکہ صادق علی دلاوری ، مولانا غلام رسول مہر کے ساتھ شریک تھے ۔ عبداللہ قریشی صاحب نے جو کتاب مرتب کی ، وہ "باقیات اقبال" ہے اور اس میں سید عبدالواحد معینی ، اُن کے شریک ترتیب رہے ۔ مزید یہ کہ "سرود رفتہ" واضح طور پر مرتبین کی اپنی مرتبہ کاوش ہے اس کی بنیاد بشیر ضیائی یا کسی اور کی قلمی بیاض پر نہیں ہے ۔

نیازی صاحب نے اس کتاب کے بارے میں دیباچے میں لکھتے ہیں : "راقم الحروف بوجوہ اس سے مطمئن نہیں . . . اس جزو کی تحریر و تسوید حسب منشا نہ ہو سکی۔ کچھ ایک حصہ ایک نہج پر لکھا، کچھ اس خیال سے کہ اب پابندی وقت کی قید نہیں ، دوسری نہج پر ـــــ گو اساساً اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ـــ یوں متن میں کچھ ناہمواری سی پیدا ہو گئی ہے ۔ بعض عبارتیں شاید غیر مربوط یا غیر متوازن سی معلوم ہوں گی ۔ کہیں اطناب ہے کہیں بمقابلہ اس کے طوالت ۔ یہ تو راقم الحروف کا ذاتی احساس ہے ۔ نہیں معلوم قارئین اس پر کس کس پہلو سے گرفت کریں ۔ ان کے نزدیک شاید کئی معلومات تشنہ ہوں گی ۔ کئی مفروضے خود ساختہ ، کئی بیانات محل نظر ـــــ" (ص ۸) ـــــ نیازی صاحب نے یہ سب کچھ بجا لکھا ہے مگر یہ خیال رہے کہ انھوں نے یہ سارا کام تن تنہا انجام دیا ہے جس میں ان کے بقول : "دشواریاں بہت تھیں" (ص ۷)

یہ کام "نیشنل کمیٹی برائے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبال" کی فرمایش پر ہوا اور طباعت کا اہتمام اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے انجام دیا ۔ راقم کے نزدیک اس کتاب کو جوں کا توں چھاپ دینے سے پہلے اس کی مناسب ایڈٹنگ ، نامکمل اور ادھورے حوالوں کی تکمیل ، ابواب بندی ، مفصل فہرست مباحث اور

آخر میں ایک جامع اشاریے کا اضافہ ضروری تھا —— اس طرح یہ کتاب بہتر علمی انداز میں سامنے آتی اور اس سے استفادہ کرنا آسان ہوتا ۔

نذیر نیازی مرحوم کا یہ کام گو ادھورا ہے ، پھر بھی غنیمت ہے ۔ اقبال کی سوانح کے باب میں وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے ، ''دانائے راز'' میں بڑی حد تک کہہ گئے ہیں ۔ اب یہ حسرت تو نہیں رہے گی کہ کاش نذیر نیازی بھی کچھ لکھ گئے ہوتے ——!

(ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

مطبوعات شعبہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند

پہلی جلد ، مقدمہ ، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی
دوسری جلد ، عربی ادب ، مرتبہ سید فیاض محمود ، پروفیسر عبدالقیوم ۱۷/-
تیسری جلد ، فارسی ادب ، اول (۱۵۲۶ء-۱۰۰۰ء) مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر ، ڈاکٹر وحید مرزا ۱۶/-
چوتھی جلد ، فارسی ادب ، دوم (۱۵۲۶-۱۷۰۷ء) مرتبہ مقبول بیگ بدخشانی ۳۰/-
پانچویں جلد ، فارسی ادب ، سوم (۱۷۰۷ء-۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ، سید وزیر الحسن عابدی ۲۴/-
چھٹی جلد ، اردو ادب ، اول (ابتدا سے ۱۷۰۷ء تک) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ۲۲/-
ساتویں جلد ، اردو ادب ، دوم (۱۷۰۷ء-۱۸۰۳ء) مرتبہ سید وقار عظیم ۱۸/-
آٹھویں جلد ، اردو ادب ، سوم (۱۸۰۳ء-۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۶/-
نویں جلد ، اردو ادب ، چہارم (۱۸۵۷ء - ۱۹۱۴ء) مرتبہ سید فیاض محمود ، ڈاکٹر عبادت بریلوی ۲۳/-
دسویں جلد ، اردو ادب ، پنجم (۱۹۱۴ء - ۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۲۷/-
گیارھویں جلد ، بنگالی ادب ، اول (۱۱۸۷ء - ۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود -/
بارھویں جلد ، بنگالی ادب ، دوم (۱۸۵۷ء - ۱۹۷۰ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۷/-
تیرھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، اول (پشتو ، پنجابی ، سندھی) مرتبہ سید فیاض محمود ۲۲/-
چودھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، دوم (بلتی سے لے کر براھوئی تک) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۸/-
پندرھویں جلد ، اشاریہ جلد اول ، اردو ادبیات
مرتبین : ڈاکٹر عبدالغنی ، رحمٰن ملک ، نادرہ زیدی
سولھویں جلد ، اشاریہ جلد دوم ، بنگالی ادبیات " "
سترھویں جلد ، اشاریہ جلد سوم ، علاقائی ادبیات " "
اٹھارھویں جلد ، اشاریہ جلد چہارم ، فارسی ادبیات " "
انیسویں جلد، اشاریہ جلد پنجم ، عربی ادبیات " "

ملنے کا پتہ : پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو ، لاہور